اشرف المعارف
toobaa-elibrary.blogspot.com
تالیف
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی نور اللہ مرقدہ
بانی و مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
کتب خانہ جمیلی
۲۹۱۔ کامران بلاک
اقبال ٹاؤن۔ لاہور

من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم یعلم (الحدیث)

اشرف المعارف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا

شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

کی تفسیر و حدیث تجوید و قراآت اور تبلیغی و اصلاحی خدماتِ جلیلہ کا جامع تذکرہ

تالیف

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی نور اللہ مرقدہٗ
بانی و مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

کتب خانہ جمیلی ۲۹۱ کامران بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب : اشرف المعارف

نام مصنف : فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی نور اللہ مرقدہ

سن اشاعت : ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۱ء

کتابت : اقبال کمپیوٹرز بلاک نمبر ۸ سٹی روڈ سرگودھا

ناشر : کتب خانہ جمیلی کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

تعداد : ۱۰۰۰

ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ جمیلی کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

(۲) جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

(۳) مدرسہ مدینۃ العلوم مقام حیات سرگودھا

مادۂ تاریخ طباعت

منبع نور	اشرف المعارف
۴۱۸	۱۰۰۳

۱۴۲۱ھ

اُمّی پریس ۳۸۔ محمدی پارک راجگڑھ لاہور فون : ۷۲۴۳۲۸۴

پیش لفظ

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

بعد الحمد والصلوٰۃ گذارش آنکہ کتاب مستطاب ''اشرف المعارف'' حضرت اقدس فقیہ العصر یادگار سلف والد صاحب مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ کے ان تین مقالات کا مجموعہ ہے، جو آپ نے مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تفسیر وحدیث اور تجوید وقرأت سے متعلق خدمات کے تعارف پر تحریر فرمایا تھا۔ حضرت والد صاحبؒ نے متعلقہ موضوع پر جس محنت اور عرق ریزی سے کام کیا ہے اس کا اندازہ ان مقالات کے پڑھنے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ تفسیر، حدیث اور تجوید وقرأت سے متعلق حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کی خدمات کا مکمل تعارف اور آپ کے علوم ومعارف کا خلاصہ جس خوبی سے ان میں جمع ہے اس کو دیکھ کر اہل علم محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

کتاب ''اشرف المقالات'' مرتبہ حضرت مولانا وکیل احمد شروانی مدظلہم، میں جب یہ مقالات طبع ہوئے تو بعض اکابرین کی طرف سے ان کی افادیت کے پیش نظر الگ طباعت کا تقاضہ ہوا۔ چنانچہ ''اشرف المقالات'' جلد اول سے مقدمہ اور جلد ثانی سے ان تینوں مقالات کی الگ کتابت کرائی گئی، تاکہ مستقل کتابی صورت میں طبع ہو کر ان کی افادیت بڑھ جائے۔ حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ کی حیات میں کتابت کا مرحلہ مکمل ہو گیا تھا مگر ابھی طباعت کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ۵ شوال ۱۴۲۱ھ کو حضرت انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کل امر مرہون

بالوفاته کہ ان مقالات کی طباعت حضرتؒ کی وفات کے بعد ہو رہی ہے۔ حق تعالی ان کو حضرتؒ کے رفع درجات کا سبب بنا دیں اور ہمیں ان کے مشن کی تکمیل کی توفیق دیں۔ آمین۔

احقر اپنے محترم بزرگ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم شیخ الحدیث و مدیر جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک لاہور، کا انتہائی ممنون ہے کہ انہوں نے ازراہ عنایت نہ صرف یہ کہ ان مقالات کی اشاعت کی ذمہ داری نہایت خوشی سے قبول فرمائی بلکہ اس مجموعہ مفیدہ کا خوبصورت نام ''اشرف المعارف'' بھی تجویز فرمایا۔ جو ہر لحاظ سے اسم بامسمی ہے۔ اور آپ نے حضرتؒ سے اپنے گہرے تعلق کے اظہار کے ساتھ ساتھ جس طرح ہماری حوصلہ افزائی اور سرپرستی فرمائی حق تعالی ان کو اس کی دارین میں بہترین جزاء عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر میں قارئین سے حضرت والد صاحب قدس سرہ کے رفع درجات اور ان کی تمام تالیفات، مقالات و مضامین کی تکمیل و اشاعت کی بسہولت طباعت کیلئے بطور خاص دعا کی درخواست ہے۔ نیز احقر بھی فلاح دارین کی دعا کا خواستگار ہے۔ کتاب کے شروع میں برادر عزیز مولوی عبدالعظیم ترمذی سلمہ کے قلم سے حضرتؒ کے مختصر حالات بھی شامل اشاعت ہیں۔ اللہ تعالی نافع فرمائیں۔ آمین۔ فقط

احقر سید عبدالقدس ترمذی غفرلہ

ابن حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

خادم جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا

۱۷ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ

از قلم سید عبدالعظیم ترمذی
ادارہ اشرف التحقیق
دار العلوم الاسلامیہ لاہور

انہ کان عبدا شکورا

مختصر تعارف

فقیہ العصر یادگار اسلاف

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ

خاندان:

آپ کے آباؤ اجداد کا وطن ترمذ تھا۔ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں سادات کا جو قافلہ ترمذ سے ہندوستان آیا اس قافلہ میں آپ کے آباء بھی شامل تھے۔ پھر یہ خاندان وہاں سے ہجرت کر کے پنجاب کے ضلع سرگودھا میں آیا اور یہیں پر سکونت اختیار کی۔ حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ کے پردادا حضرت مولانا عبداللہ شاہؒ المتولد ۱۲۱۳ھ نے علاقہ پنجاب سے ہجرت فرما کر گمتھلہ گڑھو کو اپنا وطن بنایا۔

حضرت مولانا عبداللہ شاہؒ بڑے جید عالم اور فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب کرامت بزرگ بھی تھے۔ علاقہ بھر میں آپ کی کرامات زباں زد خواص و عوام ہیں۔ تفسیر حقانی کے مؤلف، مشہور عالم دین، حضرت مولانا عبدالحق مفسر حقانیؒ آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ آپ حضرت اقدس امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے ہم عصر

تھے اور ۱۲۹۳ھ کو انتقال فرمایا۔

حضرت مولانا عبد اللہ شاہ کے فرزند ارجمند (حضرت مفتی صاحبؒ کے دادا) حکیم محمد غوث شاہ دہلی کے مشہور حکیم تھے نیز فارسی ادب کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ وہاں کے مشہور نقشبندی خاندان سے بیعت وارادت کا تعلق تھا آخر میں حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بھی اصلاحی تعلق فرمالیا تھا۔ آپ نے اسی سال کی عمر میں ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کو انتقال فرمایا۔

حضرت والد ماجدؒ

حکیم محمد غوث صاحب کے نورِ نظر فرزند ارجمند (حضرت مفتی صاحبؒ کے والد ماجد) حضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب گمتھلویؒ کی ولادت ۵ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ کو ضلع کرنال کے مشہور قصبہ گمتھلہ گڑھو میں ہوئی۔ آپ نے درس نظامی کی تحصیل فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی سرپرستی میں سہارنپور کے شہرہ آفاق مدرسہ مظاہر العلوم اور حضرت حکیم الامت کے زیر سایہ مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں فرمائی۔ آپ کو حضرت سہارنپوریؒ کی جانب سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی قلمی سند بھی حاصل ہے۔

آپ فراغت کے بعد مختلف جگہوں پر تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مدینہ طیبہ کے مدرسہ العلوم الشرعیہ میں بھی درس وتدریس کی سعادت حاصل رہی۔ مسجد نبوی ﷺ کے بعض اساتذہ بھی آپ کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ آخر کار آپ تھانہ بھون میں اپنے پیر ومرشد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی

رہنمائی میں تدریس وتالیف اور تبلیغ وفتاویٰ کی خدمات میں مشغول ہو گئے۔ حضرت تھانویؒ کی طرف سے آپ مجاز بیعت بھی ہیں۔ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ سے آپ کا تعلق پچیس سال تک رہا۔

تقسیم ہند کے بعد آپ ساہیوال ضلع سرگودھا تشریف لائے اور ایک سال بعد ہی ۹ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ بمطابق ۸ مئی ۱۹۴۹ء کو راہی ملک عدم ہوئے۔ خانقاہ تھانہ بھون کا یہ سرمایہ گرانمایہ اسی قصبہ کے ایک گوشہ میں مدفون ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

والد ماجد کی دینی خدمات

حکیم الامت حضرت تھانویؒ آپ پر حد درجہ اعتماد فرمایا کرتے تھے۔ بڑے اہم کاموں کی انجام دہی پر آپ کو مامور فرماتے۔ اور علمی، تحقیقی وتبلیغی کاموں میں آپ کو شریک رکھتے تھے۔ آگرہ میں فتنہ ارتداد کے سد باب کیلئے حضرت تھانویؒ نے آپ ہی کو مامور فرمایا۔ صوبہ پنجاب میں قانون وراثت کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کیلئے آپ ہی کا انتخاب کیا گیا۔ دہلی میں دینی مدارس کا سلسلہ دوبارہ قائم کرنے کے لئے آپ ہی تشریف لے گئے۔ اور حضرت حکیم الامت کی جانب سے جو وفود قائد اعظم کے پاس بغرض تبلیغ ومشورہ پہنچے ان میں بھی آپ شریک تھے۔

ان تبلیغی کاموں کے علاوہ کئی بلند پایہ تصانیف بھی آپ کا صدقہ جاریہ ہیں۔ جن میں سے چند مشہور یہ ہیں۔ حلیہ ناجزہ، رفاق المجتہدین عن وفاق المجتہدین، تجدد اللمعۃ فی تعدد الجمعۃ، القول الرفیع فی

الذب عن الشفیع، ترجمہ نصوص خطبات الاحکام، غصب المیراث، الفضائل والاحکام للشہور والایام اور مکارم عشرہ۔

آپ نے حضرت تھانویؒ کی زیرِ نگرانی سینکڑوں فتاویٰ بھی تحریر فرمائے ہیں۔

آپ کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے مفتی تھے۔ جس کی حیثیت اس دور میں فتاوی کے سپریم کورٹ کی تھی۔ جہاں کے فتاوی پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا تھا اور جہاں کے فتاوی حرف آخر سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے فتاوی کتاب امداد الاحکام کا جزو بن کر دار العلوم کراچی سے شائع ہو چکے ہیں۔ امداد الاحکام چار جلدوں پر مشتمل ہے اس میں آپ کے علاوہ حضرت اقدس علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے فتاوی بھی شامل ہیں۔

آپ کے تفصیلی حالات کے لئے کتاب ''تذکرۂ حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ مؤلفہ برادر محترم مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ'' ملاحظہ فرمائیں۔

ولادت باسعادت

اس دنیا میں بلا مبالغہ روزانہ ہزاروں افراد پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ایسی ہستیاں بہت ہی کم ہوتی ہیں جو علم وعمل کے آسمان پر درخشندہ ستارہ ہی نہیں بلکہ آفتاب عالمتاب بن کر لاکھوں لوگوں کی ہدایت کا باعث ہوں۔ حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ بھی انہی ہستیوں میں سے ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔

آپ اس دنیائے تاریک کو اپنے علمی فیض سے منور کرنے کیلئے ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ بمطابق مارچ ۱۹۲۲ء کو اپنے ننھیال موضع اڑدن ضلع پٹیالہ میں مولود

ہوئے۔ آپ کا اصل وطن ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کا قصبہ گمتھلہ گڑھو تھا۔ آپ کا نام عبدالشکور تجویز ہوا، بعد میں تاریخی نام مرغوب النبی (۱۳۴۱ھ) نکالا گیا۔

حصول تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے مدرسہ امداد العلوم میں حضرت تھانویؒ کے زیرِ نگرانی حاصل کی۔ پہلے قرآن کریم ناظرہ پڑھا، پھر اردو املاء وحساب وغیرہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ خانقاہ کا نصاب بہشتی زیور وغیرہ پڑھا۔ ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں حضرت خلیفہ اعجاز احمد صاحب تھانویؒ سے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ اڑھائی سال میں آپ نے مکمل قرآن کریم حفظ فرمالیا۔

حضرت تھانویؒ سے بیعت تبرک

حکیم الامت حضرت تھانویؒ آپ سے بہت شفقت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے والدین کے ہمراہ خانقاہ کے جس مکان میں قیام پذیر تھے اس کی دیوار حضرت تھانویؒ کے بڑے مکان کے ساتھ مشترک تھی اور اس میں ایک چھوٹا دروازہ آمد ورفت کیلئے کھلا رہتا تھا۔ اس لئے آپ کا حضرت تھانویؒ کے گھر ہر وقت آنا جانا اور بچوں کی طرح آمد ورفت تھی۔ پیرانی صاحبہ کو آپ بڑی اماں ہی کہا کرتے تھے۔ وہ بھی آپ سے بالکل حقیقی ماں ہی کی طرح شفقت وعنایت سے پیش آتی تھیں۔

آپ پر حضرت تھانویؒ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ اپنے والد ماجدؒ کے ہمراہ سفر حج کے بعد حضرت تھانویؒ سے ملے تو آپ کے والد ماجدؒ نے حضرت

تھانویؒ سے معانقہ فرمایا۔ جب کہ آپ نے غایت ادب کی وجہ سے صرف مصافحہ پر اکتفاء کرنا چاہا تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ تم نے کیا خطاء کی ہے اور کھینچ کا اپنے سینے سے لگالیا۔ یاد رہے کہ اس وقت حضرت تھانویؒ اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر خانقاہ کے کنویں کی طرف تشریف لے جارہے تھے۔ کیونکہ حضرت تھانویؒ بچوں کو بیعت نہیں فرماتے تھے اسلئے آپ نے حضرت پیرانی صاحبہ (بڑی اماں) سے درخواست کی کہ آپ سفارش فرمادیں۔ چنانچہ بڑی اماں کی سفارش پر حضرت تھانویؒ نے آپ کو بچپن ہی میں شرف بیعت سے سرفراز فرمایا۔ جو آپ کی سعادت مندی کی یقیناً بہت بڑی سند ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ آپکو بچپن ہی سے حضرت تھانویؒ کی بابرکت مجلس عام وخاص میں بھی حاضری کی دولت اور حضرت کے ارشادات طیبات سے استفادہ کا خوب موقع نصیب ہوا۔ آپ نے حضرت تھانویؒ سے اکیس سال کی عمر تک اکتساب فیض فرمایا۔

سفر حرمین شریفین

پندرہ سال کی عمر میں فارسی کی کتابیں اپنے والد ماجدؒ سے پڑھیں۔ پھر آپ کے والد ماجد بمع اہل وعیال دوسری مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے آپ بھی ہمراہ تھے۔ آپ کے والد ماجد آٹھ ماہ مدرسہ العلوم الشرعیہ مدینہ منورہ میں مدرس حدیث و فقہ رہے اور آپ اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہاں ابتدائی عربی کتب، مشق قرآن اور تجوید کی مختصر کتابیں پڑھیں۔ رمضان المبارک میں شیخ القرآن حضرت قاری حسن صاحبؒ کے درس مقدمہ جزریہ میں بھی شمولیت کی سعادت حاصل رہی۔

پانی پت، مظاہر علوم اور دیو بند میں داخلہ

آپ نے قرأت سبعہ کی عربی کتب خود اپنے والد ماجدؒ ہی سے پڑھیں۔ بعد ازاں شیخ القراء حضرت مولانا قاری محی الاسلام کو مکمل قرآن کریم سبعہ میں سنانے کا اعزاز حاصل کیا اور شاطبیہ بھی دوبارہ سنائی۔ پھر حضرت مولانا قاری فتح محمدؒ سے الدرۃ المضیۃ قرأت ثلاثہ میں پڑھیں۔ نیز شاطبیہ کا بعض حصہ اور مقدمہ جزریہ مکمل سنایا۔

سبعہ عشرہ کے بعد آپ نے کچھ کتابیں اپنے والد صاحبؒ سے جامعہ حقانیہ میں پڑھیں۔ شوال ۱۳۶۲ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ مگر آب و ہوا مرطوب ہونے کے باعث طبیعت گراں بار ہوئی تو آپ اپنے والد ماجدؒ کے پاس مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی تشریف لے گئے اور مزید اکتساب علوم کیا۔ یہاں اس وقت آپ کے والد ماجد شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز تھے۔

شوال ۱۳۶۳ھ کو برصغیر کی معروف دینی درسگاہ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے علاوہ دیگر اساتذہ کرام سے بھی پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ امتحان میں آپ نمایاں نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ اس وقت ایک کتاب کے کل نمبر ۵۰ تھے۔ آپ نے بخاری شریف میں مکمل پچاس جب کہ مسلم شریف ۵۲ نمبر یعنی دو نمبر اعزازی بھی حاصل کئے، اور درجہ اول کی سند لی۔ جو ان کے علمی رسوخ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سلوک وتصوف

جب آپ نے عالم شہود میں آنکھیں کھولیں تو آپ کے سامنے خانقاہ

امدادیہ اشرفیہ کا مقدس ماحول تھا۔ جہاں شب و روز چہار طرف دیانت وتقوی اور پرہیزگاری کے ارفع واعلی مجسمے، اور طہارت و پاکیزگی کے پتلے نظر آتے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے مدرسہ و خانقاہ میں تعلیم سے زیادہ تربیت اخلاق پر زور دیا جاتا اور بات بات پر ٹوک کی جاتی تھی۔ حضرت تھانویؒ جیسے بحر شریعت وخضر طریقت کے زیر سایہ رہنے اور زمانہ دراز تک مسلسل مصاحبت ومجالست کی دولت ونعمت کی وجہ سے عاجزی، تعلق مع اللہ، ریا اور نام ونمود سے تنفر اور دیگر اخلاق حسنہ آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی بھٹی میں جو بھی گیا کندن بن کر نکلا آپ بھی وہیں کے فیض یافتہ تھے۔ اسی لئے آپ میں علمی وعملی کے علاوہ ایسی مسلکی پختگی بھی نظر آتی ہے جو آج کے پُر لچک دور میں عنقا معلوم ہوتی ہے۔

آپ نے حضرت تھانویؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ سے تربیت کا باضابطہ تعلق قائم کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے مشورہ سے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے تجدید بیعت کی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی طرف رجوع فرمایا اور یہاں سے خلعت خلافت بھی حاصل ہوئی۔ پھر سب سے آخر میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے تجدید بیعت کی اور حضرت کی طرف سے بھی خلافت حاصل ہوئی۔

تدریسی خدمات

دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے کچھ عرصہ

راجپورہ ریاست پٹیالہ میں تدریس کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال (جس کی ابتداء آپ کے والد ماجد نے فرمائی تھی) میں دینی علوم سے طلبہ کو آراستہ و پیراستہ کرنے میں منہمک ہو گئے۔ پھر تقسیم کے بعد یکم فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۳۶۷ھ کو ساہیوال ضلع سرگودھا کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمایا۔ علاقہ بھر کے لوگوں نے آپ کے فیوض وہدایت کے انمول ہیروں سے اپنی جھولیاں بھریں۔

اس قصبہ میں آپ نے مسجد شہانی میں مدرسہ قاسمیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا مگر ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، اور پس دیوار زنداں رہنا پڑا تو تعلیمی کام میں زبردست تعطل پیدا ہو کر یہ مدرسہ بند ہو گیا۔ بعدازاں آپ نے جامعہ حقانیہ کی داغ بیل ڈالی۔

جامعہ حقانیہ

جامعہ حقانیہ کی بنیاد حضرت مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ نے حضرت تھانویؒ کے مشورہ اور ایماء سے ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۹۳۷ء میں قصبہ شاہ آباد مارکنڈا ضلع کرنال (ہندوستان) میں رکھی۔

ابتداء میں اس مدرسہ کا نام قدوسیہ تھا۔ کیونکہ جس مسجد میں یہ مدرسہ قائم تھا اس کے ایک حجرہ میں قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے قیام فرمایا تھا۔ پھر ۱۳۶۱ھ میں جب اس مدرسہ کو ایک وسیع کوٹھی میں منتقل کیا گیا تو حضرت تھانویؒ نے اس کا نام حضرت قطب عالم کے شیخ الشیوخ حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کے نام مبارک کی نسبت سے حقانیہ رکھا۔ تقسیم ہند تک یہ مدرسہ اسی نام سے دینی علمی وتدریسی

خدمات بجالاتا رہا۔

تقسیم ہند کے بعد جب آپ قصبہ ساہیوال سرگودھا تشریف لائے تو آپ نے پہلے مدرسہ قاسمیہ کی بنیاد رکھی۔ پھر ۱۳۵۵ھ میں جامعہ حقانیہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز فرمایا۔ جس میں اب مشکوۃ شریف تک کی کتابوں کے علاوہ درجہ تخصص فی الفقہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس سال درجہ تخصص فی الفقہ سے فارغ ہونے والے طلبہ کی تعداد چودہ تھی۔

جامعہ حقانیہ گذشتہ چھیالیس سال سے مسلسل دینی خدمت میں مصروف ہے۔ اس مدرسہ سے اب تک ہزاروں حافظ قرآن، سینکڑوں علماء اور بہت سے مفتیان کرام تیار ہو چکے ہیں۔ چند سال قبل جامعہ حقانیہ للبنات کی ابتداء بھی کی گئی ہے۔ اس میں بھی بحمدللہ قرآن کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دورۂ حدیث شریف تک کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ زیر تعلیم طالبات کی تداد دو سو سے متجاوز ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ یہ چمنستان ترمذی جس کی آبیاری آپ نے اپنے خون جگر سے کی ہے ہمیشہ یونہی لہلہاتا رہے اور شاہراہ ترقی پر ایسے ہی گامزن رہے جیسا کہ آپ کی حیات طیبہ میں ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔

شان تفقہ

آپ مملکت فتاوی کے بے تاج بادشاہ تھے۔ حلقہ علماء میں جب بھی مفتی صاحب کا لفظ مطلقا بولا جاتا ہے تو معہود فی الذہن آپ ہی کی ذات بابرکات ہوتی۔ بلا مبالغہ جامعہ حقانیہ کا آج وہی مقام تھا جو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی حیات میں

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کا تھا۔ بڑے بڑے متبحر مفتیان کرام آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ کسی کو کوئی اشکال ہوتا تو آپ شافی جواب مرحمت فرماتے۔ کوئی ایک دلیل مانگتا آپ عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل کے انبار لگا دیتے۔ خیبر سے کراچی تک ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے علماء آپ کو فقہ کا آفتاب، فقیہ العصر اور فقیہ ملت جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

زبانی پوچھے گئے ہزاروں مسائل کے ساتھ ساتھ حضرت کی قلم فیض رقم سے نہ جانے کتنے ہزار فتاوی جاری ہوئے۔ صرف ریکارڈ شدہ فتاوی کی تعداد پانچ ہزار سے متجاوز ہے۔ بعض فتاوی تحقیق مسئلہ پر کثرت دلائل کی وجہ سے ایک مستقل رسالہ اور تصنیف معلوم ہوتے ہیں۔

تصانیف

آپکی مطبوعہ تصانیف، رسائل، مضامین اور مقالات کی تعداد ۹۴ ہے۔ جب کہ غیر مطبوعہ ۴۰ ہیں۔ اسطرح آپ کی تصانیف کی کل تعداد ۱۳۴ ہے۔ آپ کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں۔

تکملہ احکام القرآن عربی (۳ جلدیں) ہدایۃ الحیران، بارہ مہینوں کے احکام، اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام، سوانح حضرت مفتی عبد الکریم گمتھلویؒ، تذکرۃ الظفر، دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت، فتوی کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت، سفر تھانہ بھون و دیوبند، تعارف احکام القرآن (عربی)، اصلاح مفاہیم پر ایک تحقیقی نظر، حج کا آسان طریقہ، تذکرہ حضرت مدنی، حیات انبیاء کرام، دینی مدارس اور جبریہ تعلیم، عہد ماضی کی چند یادیں۔

مناصب

- ☆ بانی ومہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا
- ☆ سرپرست ومہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا
- ☆ رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
- ☆ سرپرست جامعہ امدادیہ فتحیہ تعلیم النساء سلانوالی سرگودھا
- ☆ رکن شوریٰ جامعہ خیر المدارس ملتان
- ☆ سابق رکن شوریٰ مدرسہ حسینیہ حنفیہ سلانوالی سرگودھا
- ☆ سرپرست جامعہ حقانیہ لاہور
- ☆ سرپرست جامعہ حقانیہ کراچی
- ☆ رکن مجلس صیانۃ المسلمین ساہیوال سرگودھا
- ☆ بانی وخطیب جامع مسجد حقانیہ ساہیوال سرگودھا۔

آخری خدمات

حضرتؒ کی آخری تحریر قصاص و دیت پر لکھا گیا وہ مقالہ ہے جو آپ نے اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں پیش کرنا تھا۔ بعد از نماز مغرب، اپنی وفات کے چند لمحے قبل بھی برادر مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب کا ترمذی مدظلہ العالی سے اسی موضوع پر گفتگو فرماتے رہے۔

فتویٰ پر آپ کی آخری تصدیق وہ ہے جو آپ نے ۲۹ رمضان ۱۴۲۱ھ کو حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ العالی کے لکھے گئے فتویٰ پر درج ذیل

الفاظ میں فرمائی۔

ھذا ہوا لجواب وہو عین الصوب، کتبہ الاحقر السید عبد الشکور الترمذی الجامعۃ الحقانیہ ساہیوال، سرگودھا (۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ)

آپ نے اپنی زندگی کے آخری تقریر عید الفطر کے موقع پر عیدگاہ حقانیہ میں ہزاروں لوگوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کی۔ اور آپ کا آخری اخباری بیان وہ ہے کو آپ نے ضرب مومن کے نمائندہ کو دیا، جو ضرب مومن ۲ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ کے شمارہ میں شائع ہوا۔

سفر آخرت

بالآخر آسمان فتاویٰ کا یہ سورج ۸۰ سال گمگشتگان منزل کو رہبری کی تابانی سے منور کر کے غروب ہوگیا۔

رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

تاریخ کا ایک باب بند ہوگیا۔ چمنستان اشرفی ایک گل سے محروم ہوگیا۔ دنیائے علم کا بے تاج بادشاہ چل بسا اور فقہ کا وہ چراغ جو دیگر سینکڑوں چراغوں کی روشنی کا باعث تھا بجھ گیا۔ فتاویٰ کی دنیا تاریک اور اس کی مسند خالی ہوگئی۔ ایسی ہستی کا دنیا سے منہ موڑ لینا یقیناً پوری امت اسلامی کیلئے ایک عظیم حادثہ ہے جو عالم باعمل، ولی کامل، مفتی اعظم، بلند پایہ خطیب، عظیم مفسر ومحدث، عارف اسرار طریقت اور جامع المعقول والمنقول بھی ہو۔ اور ساتھ ساتھ رزمگاہ سیاست کا شہسوار بھی۔ گویا آج مفتی حضرات یتیم ہوگئے، علماء لاوارث

ہو گئے، شیوخ طریقت ایک مرشد کامل سے اور عوام پیکر سیرت نبوی ونمونہ اسلاف سے
محروم ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

۵ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ بمطابق یکم جنوری ۲۰۰۱ء بعد نماز مغرب حضرت کے سینہ میں درد
ہوا۔ آج آپ خلاف معمول دوبار جامعہ حقانیہ تشریف لائے تھے کسے معلوم تھا کہ یہ آپ کی
آخری مجالس ہیں۔ سارادن طبیعت بالکل ہشاش بشاش تھی علماء حضرات سے گفتگو بھی
فرماتے رہے۔ ظہر عصر اور مغرب کی نمازیں باجماعت آپ نے خود پڑھائیں۔ مغرب کے
بعد برادر مکرم مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ سے جامعہ میں کچھ مسائل پر گفتگو بھی فرماتے
رہے۔ لیکن افسوس کہ یہ آپ کی زندگی کی آخری مجلس تھی کچھ دیر بعد گھر تشریف لے گئے سینے
میں درد ہوا، گھر جا کر دوائی مگر افاقہ نہ ہوا۔ فون پر خود ہی برادر محترم سید عبدالقدوس ترمذی
مدظلہ کو بلایا وہ فوراہی گھر پہنچے ہم بھی حاضر خدمت ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب بھی آگئے انہوں
نے بتلایا کہ ہارٹ اٹیک ہے۔ اس سے قبل بھی حضرت کو ایک مرتبہ اٹیک ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر
صاحب نے فوراٹیکسی کیلئے کہا تا کہ آپ کو سرگودھا لے جایا جاسکے لیکن کون جانتا تھا کہ آپ
کو سفر کی اتنی جلدی ہے کہ ٹیکسی کا انتظار بھی نہ فرمائیں گے اور اس لمبے سفر پر روانہ ہو جائیں
گے جہاں کا مسافر آج تک واپس نہیں آیا۔

ڈاکٹر صاحب نے عارضی طور پر بیماری پر قابو پانے کیلئے گولی آپ کی زبان کے
نیچے رکھی۔ اس سے حضرت کی تکلیف میں نمایاں کمی ہوئی۔ ہم نے سمجھا کہ شاید کچھ آرام
محسوس فرمارہے ہیں مگر وہ تو اس آرام گاہ کی طرف گامزن ہو چکے تھے جس کے بارے میں
ارشاد خداوندی ہے لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ چونکہ
نبض پر تھا وہ بھانپ گئے فوراان کی زبان سے نکلا He is going اشھد ان لا الہ

الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ اگرچہ آپ اپنی پشت مبارک احقر کے
سینے سے لگا کر بیٹھے تھے اور آپ کا سراپا احقر کے ہاتھوں میں تھا مگر احقر کو کچھ معلوم نہ ہوسکا
کہ کیا ہو رہا ہے۔ حضرت کے چہرہ پر نظر پڑی اور اس پر چھایا ابدی سکون کہہ رہا تھا۔

اب کیا ستائیں گی ہمیں دوراں کی گردشیں
ہم اب حدود سود و زیاں سے گذر گئے

وہ آنکھیں جو جس طرف اٹھتیں مسیحائی کا کام سرانجام دیتیں، بند ہو چکی تھیں۔ وہ
چہرہ جو نوید حیات اور باعث زندگانی تھا خود موت کی آغوش میں جاچکا تھا۔ وہ زبان جس نے
ساٹھ سال پندو مواعظ سے لاکھوں لوگوں کو شاہراہ ہدایت پر گامزن کیا، خاموش ہو چکی تھی۔
اور وہ ہونٹ جن پر ہمیشہ زندگی کی مسکراہٹ کھیلتی تھی اس مسکراہٹ سے عاری تھے۔

جنازہ کا آنکھوں دیکھا حال

حضرت کی وفات کے چند لمحوں بعد ہی دروازہ پر لوگوں کا انبوہ کثیر جمع ہو گیا۔ ہر
آنکھ اشکبار تھی، ہر ایک زبان پر نالہ وشیون تھا، اور ہونٹوں سے آہیں اور سسکیاں نکل رہی
تھیں۔ اپنے پرائے سب آنسو بہا رہے تھے۔ میں نے خود بہت سے غیروں کو بھی بچوں کی
طرح دھاڑیں مار مار کر روتے دیکھا، ہر طرف ماتم بپا تھا، ہر ایک دوسرے کو صبر کی تلقین
کرتے کرتے خود رو دیتا تھا۔

ساری رات زیارت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا صبح دس بجے کے قریب تجہیز و
تکفین کی گئی احقر بھی اس سعادت میں شریک تھا، ساڑھے گیارہ کے قریب جنازہ جامعہ
حقانیہ میں لے جایا گیا۔ ظہر کے بعد نماز جنازہ پلے گراؤنڈ میں پڑھی جانی تھی، ظہر کے بعد
جب آپ کا جنازہ جامعہ حقانیہ سے اٹھا تو خدا کی پناہ! جس جامعہ کی ایک ایک اینٹ پر

حضرت کی محنت کے نقش ثبت تھے اگر وہ دیواریں اور اینٹیں بھی دھاڑیں مار کر رو دیتیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔اور یقیناً حقانیہ کا ایک ایک گوشہ ایک ایک اینٹ اور یقیناً ایک ایک چپہ رویا ہوگا۔اور آپ کی جدائی میں صدیوں روئے گا۔زمین تو زمین اس دن تو آسمان بھی خوب دل کھول کر رویا۔تمام لوگ دھاڑیں مار مار کر ایسے رو رہے تھے جیسے یہ جنازہ ان کے سب سے قریبی عزیز کا ہے یا جیسے ان کی سب سے عزیز متاع چھین لی گئی ہے اور یہ تھی بھی حقیقت۔

جان کر منجملۂ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

لوگ ایسے والہانہ انداز میں چارپائی کو چھونے کی کوشش کر رہے تھے کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا ہر ایک کی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ چارپائی کو ہاتھ لگالے لیکن چارپائی ایک تھی اور شرکاء ہزاروں۔نتیجہ یہ ہوا کہ چند قدم کا فاصلہ طے کرنا ہی ایک مسئلہ بن گیا۔پھر آپ کے جسد خاکی کو بانسوں والی چارپائی پر منتقل کیا گیا اور لوگوں کو مختلف واسطے دے کر صبر کی تلقین کی گئی۔

بمشکل لوگوں کے قدم کچھ اٹھے۔لوگ پاؤں سے پاؤں ملا کر اس طرح چل رہے کہ باوجود بوٹ نما جوتا پہننے کے پیچھے سے ٹھوکریں لگ لگ کر احقر کے پاؤں میں زخم ہوگیا۔ہجوم کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کی ٹوپی گر گئی تو دوبارہ ملنی ناممکن۔اور اگر جوتا پاؤں سے نکل گیا تو دوبارہ ہاتھ نہ آسکا۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

والا سماں تھا۔جنازہ میں شرکاء کی تعداد روزنامہ نوائے وقت کے مطابق ساٹھ ہزار روزنامہ جنگ کے مطابق پچاس ہزار سے زائد تھی۔اگرچہ مدارس دینیہ میں چھٹیوں کے سبب بہت

سے طلبا،علماء جنازہ میں شریک نہ ہوسکے،مگر پھر بھی علماء کی ایک کثیر تعداد جنازہ میں شریک تھے۔مثلاً حضرت مولانا مشرف علی تھانوی،مولانا قاری احمد میاں تھانوی،مولانا قاری خلیل احمد تھانوی،مولانا محمد حنیف جالندھری،مولانا وکیل احمد شروانی،مولانا قاری ارشد عبید،مولانا مفتی شیر محمد،شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب،مولانا قاری امتیاز الرحمن تھانوی،مولانا عبدالدیان،مولانا مفتی محمد طیب،مولانا محمد زاہد،مولانا صاحبزادہ ظہور الحسن،مولانا مفتی محمد رضوان،قاری خبیب صاحب،مولانا عبدالحق بشیر،مولانا عتیق الرحمن آپ کے جنازہ میں علماء کے علاوہ علاقہ کی بہت سی سیاسی اور مذہبی شخصیات بھی موجود تھیں۔

نماز جنازہ سے پہلے وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف جالندھری اور مولانا مشرف علی تھانوی مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ نے تقریر فرمائی۔صبر کی تلقین کی اور فرمایا کبھی اس قابل ہیں کہ دوسرے حضرات ان سے تعزیت کریں کیونکہ یہ تو پوری امت مسلمہ کیلئے حادثہ فاجعہ ہے،نہ صرف علاقہ بھر کے لوگوں کیلئے۔

حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی تقریر کے آخر میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ کو حضرت کا جانشین قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرتؒ کی وصیت کے مطابق آئندہ جامعہ حقانیہ کے مہتمم مفتی عبدالقدوس ترمذی ہوں گے کیونکہ حضرتؒ نے اپنی حیات میں ان کو جامعہ کا نائب مہتمم بنا کر اٹھارہ سال ان کی تربیت فرمائی اور اپنے بعد کیلئے بذریعہ وصیت مہتمم بنایا اور اپنی مسند افتاء پر بھی بٹھایا۔لہٰذا آئندہ جامعہ کے مہتمم مولوی مفتی سید عبدالقدوس ترمذی سلمہ ہوں گے اور ہم سب کا تعاون ان کو حاصل رہے گا۔اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے اور توفیق سے نوازیں۔(آمین)

اس کے بعد نماز جنازہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی نے پڑھائی پھر آپ کو جامعہ حقانیہ فاروقہ روڈ ساہیوال کے متصل ''قبرستان حقانیہ'' میں لے جایا گیا اور علم وعمل کے

اس قیمتی خزانے کو تہہ خاک یہ کہہ کر چھپا دیا۔

اے خاکِ تیرہ دل برِ ما را عزیز دار

ایں چشم نورِ ماست کہ در بر گرفتۂ

حسرت و یاس اور غم والم کا ایک کوہ گراں سر پر اٹھائے زبان حال سے یہ کہتے ہوئے لوٹ آئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مقبولیت عامہ

اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت فرماتے ہیں تو آسمانوں اور زمین میں اعلان کرا دیتے ہیں کہ فلاں سے محبت کرو۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ لوگوں کو حضرت سے والہانہ عقیدت تھی۔ چنانچہ آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی شہر کی تمام دکانیں بند ہوگئیں حتی کہ سبزی پان سگریٹ اور میڈیکل اسٹورز وغیرہ کی دوکانیں بھی بند تھیں جو بڑی بڑی ہڑتالوں میں بھی کبھی بند نہیں ہوتیں۔ تمام اڈا بھی غالباً ساہیوال کی تاریخ میں پہلی بار مکمل طور پر بند تھا۔

بعض دکانیں تین تین دن تک بھی بند رہیں اور یہ شٹر ڈاؤن کسی کے کہنے سے نہیں ہوا بلکہ اپنے پرائے حتی کہ غیر مذہب تک کے لوگ حضرت سے بڑھ چڑھ کر عقیدت کا اظہار کر رہے تھے اور حضرت کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے ہزاروں لوگوں کے دھکے کھا رہے تھے۔ اخبارات میں عجیب طرح کی سرخیاں شائع ہورہی تھیں۔ آپ کی تدفین سے اگلے روز ایک اخبار کی شہ سرخی تھی ”سسکیوں آہوں اور بادلوں کے آنسوؤں میں قاری عبدالشکور کا نماز جنازہ“

حضرت کی وفات اور نماز جنازہ کی خبر کا ملک بھر کے تمام بڑے اخباروں کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر ہونا، بی بی سی کا شب نامہ میں آپ کی علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنا، آپ کے جنازہ میں ہزاروں افراد کا شرکت کرنا، اور سب سے بڑھ کر صدر پاکستان کا بغیر مطالبہ اور تمنا کے حضرت کو اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بنانا آپ کی مقبولیت عامہ کی واضح دلیل ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بشارت عظمیٰ

ایک مشہور صاحب نسبت بزرگ عالم دین کو انتقال کی شب غنودگی میں آپ کی زیارت ہوئی۔ دیکھا چہرہ مبارک کھلا ہوا ہے۔ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب میں آپ نے سورہ یٰسین کی یہ آیہ مبارک تلاوت کی بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین آپ اسکو بار بار پڑھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارک کے مضمون کے مطابق آپ سے مغفرت اور اکرام کا معاملہ فرما کر جنت الفردوس میں اپنے قرب سے نوازا ہوگا

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

پس ماندگان وصدقہ جاریہ

آپ نے اپنے پس ماندگان میں پانچ بیٹے، ایک بیٹی اور ایک بیوہ سوگوار چھوڑیں۔ تین بیٹے الحمدللہ مکمل مستند عالم دین ہیں، جن میں سے دو جامعہ حقانیہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ باقی دو بیٹے حافظ قرآن ہیں، جن میں سے ایک جامعہ

حقانیہ میں درجہ قرآن کے مدرس ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک آپ نے جامعہ حقانیہ، مسجد حقانیہ، عیدگاہ حقانیہ، جامع مسجد زینب، ہزاروں تلامذہ اور تصانیف کثیرہ صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑی ہیں۔ اس کے علاوہ ملک بھر کے بہت سے مدارس حضرت کے زیر سایہ چل رہے تھے، یقیناً ان کا ثواب بھی حضرت ہی کی روح کو پہنچے گا۔

ماشاء اللہ حضرت کی اولاد بھی آپ کے باقیات صالحات میں سے ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے جوار رحمت میں جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور درجات عالیہ پر فائز فرمائیں۔ پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل سے نوازیں اور جامعہ حقانیہ کو ہمیشہ شاد باد و آباد رکھیں اور اسے ترقیات لامتناہیہ سے نوازیں۔ بالخصوص جامعہ حقانیہ کے اس وسیع رقبہ کو آباد کرنے کے وسائل جلد مہیا فرمائیں جسے آباد کرنے کیلئے حضرت خود وہاں جسد خاکی کی صورت میں تشریف لے گئے۔ (آمین ثم آمین)

آخر میں قارئین سے درخواست ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کی باقیات صالحات جامعہ حقانیہ مسجد حقانیہ وغیرہ کو ہمیشہ قائم و دائم رکھیں اور ترقیات لامتناہیہ سے سرفراز فرمائیں۔ اور ان کے اسلاف کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں تاکہ آپ کا لگایا ہوا یہ گلشن سدا بہار رہے۔ نیز آپ کی تالیفات اور فتاویٰ کی اشاعت اور آپ کے مقالات و مضامین کو منظر عام پر لانے کی بھی حق تعالیٰ جلد سبیل پیدا فرمادیں۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کے تفصیلی حالات پر مشتمل کتاب "حیات حضرت مفتی عبدالشکور" زیر تالیف ہے۔ قارئین سے اس کی جلد تکمیل واشاعت کیلئے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

فہرست مضامین

حضرت حکیم الامت تھانویؒ بحیثیت مفسر اور آپ کی تفسیری خدمات

حضرت حکیم الامت تھانوی بحیثیت محدث

اور آپ کی حدیثی خدمات

حضرت حکیم الامتؒ کی علم تجوید و قرآت کے متعلق خدمات جلیلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از حضرت مؤلف مدظلہم

حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ، کی شخصیت اور ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے- آپ کی شخصیت یگانہ روزگار اور

"آفتاب آمد دلیل آفتاب" کی مصداق ہے

حضرت اقدسؒ شریعت و طریقت کے جامع اور علم و عرفان، دینی بصیرت و فقاہت، تقویٰ و طہارت کے درجہ کمال پر فائز تھے- آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی- حضرت اقدسؒ بجا طور پر سلف صالحین کے علوم و فیوض کے امین اور وارث تھے- آپ کی کیمیا اثر صحبت اور بابرکت تعلیمات کی برکت سے ہزارہا بندگان خدا کو یقین و معرفت کی لازوال دولت میسر آئی- اور بہت سے تشنگان معرفت کو اس چشمہ عرفان سے سیرابی حاصل ہوئی آپ برصغیر پاک و ہند میں معروف و نامور علمی و روحانی شخصیتوں کا مرکز اور صدر نشین تھے-

اکابر علماء کرام کی رائے گرامی

اس زمانہ کے علماء کرام کی رائے گرامی حضرت والا کے متعلق یہ ہے کہ آپ نہ صرف یہ کہ اس زمانہ کے مجدد تھے بلکہ ایسے مجدد اور مصلح اعظم، جامع المجدد دین تھے جنہوں نے دین کامل کی تجدید و اصلاح کی۔

حضرت حکیم الامت کی تجدیدی جامعیت

معاملات و معاشرت، سیاست، عقائد و عبادات، دیانات و عمرانیات غرض کہ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت والاؒ کی گرانقدر تجدیدی خدمات موجود نہ ہوں اور دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارہ میں حضرت حکیم الامت نے تجدید و اصلاح نہ کی ہو اور اپنی کتابوں اور ملفوظات و مواعظ میں ان کے بارے میں ہدایات نہ دی ہوں ہر شعبہ میں آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف و سلوک، قرآت و تجوید، منطق، فلسفہ وغیرہ تمام علوم و فنون میں حضرت حکیم الامتؒ کی مجددانہ اور حکیمانہ تحقیقات عصر حاضر کا بے مثال منفردانہ، مصلحانہ، شاندار کارنامہ ہے۔۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

حضرت حکیم الامت کے تصنیفی کام کی وسعت

حضرت حکیم الامتؒ کی تحقیقات نادر اور تجدیدی اصلاحات، آپ کی مختلف النوع تصنیفات و تالیفات اور خطبات و ملفوظات کے ذریعہ الحمد اللہ منظر عام پر آکر امت مسلمہ کے لئے باعث رشد و ہدایت ہو رہی ہیں۔اس وقت ان کی تفصیل پیش کرنا یا ان کا تفصیلی تعارف کرانا مقصود نہیں ہے اور نہ ہی ان کی تفصیل ایک مضمون میں پیش کی جاسکتی ہے۔

یہ اتنا بڑا کام بظاہر اسباب ایک شخص کا نہیں ہے بلکہ ایک بہت بڑے ادارہ یا اکیڈمی کا کام نظر آتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حضرت حکیم الامتؒ سے لیا ہے اس کو دیکھ کر عقل حیران و ششدر رہ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت سے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں محض اپنے فضل و کرم سے دین کے ہر شعبہ میں اصلاحی اور تجدیدی کام لیا۔ عقائد و عبادات سے لے کر معاشیات و اقتصادیات معاشرت و سیاست تک کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارہ میں حضرت تھانویؒ کی کتابوں میں اصلاحی ہدایات موجود نہ ہوں۔

حضرت حکیم الامت کے علوم و معارف اور اصلاح و ہدایت کے طریقے جامع اور کامل ہیں، دین بلکہ دنیا کا بھی کوئی شعبہ اس سے خالی نہیں ہے ایسے تمام موضوعات پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے قرآن و سنت

کی روشنی میں اپنی عمیق فکری اور ذوق علمی سے کام لے کر جو علمی جواہر پارے موجودہ اور آئندہ نسل انسانی کی اصلاح وہدایت کے لیے ہیں وہ یقیناً ایک جویائے یقین کے لئے باعث اطمینان ہے۔

علمی حیثیت سے حضرت حکیم الامت تھانوی کے تحریری اور تقریری مقالے کارنامے اپنی مثال آپ ہیں۔

حضرت والا کی تصانیف و تالیفات، مواعظ اور ملفوظات میں ہر موضوع پر علمی مواد اور ذخیرہ معلومات موجود ہے اور آپ کی مختلف النوع تصانیف آپ کی وسعت معلومات اور علمی جامعیت کی گواہ ہیں۔

آپ ایک جامع علم و عمل بلند پایہ شخصیت کے حامل، ایک کامل صوفی فاضل، مفسر، یگانہ روزگار فقیہ اور اپنے دور کے ممتاز محدث تھے آپ کی تصانیف علوم القرآن، علوم الحدیث، علم کلام وعقائد، فقہ و فتاوی، اور سلوک و تصوف میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علم تفسیر

اس علم میں آپ کی تفسیر ''بیان القرآن'' ایک شاہکار ہے قرآن فہمی اور علوم قرآنی میں ایک نہایت بلند مقام آپ کو حاصل تھا۔ صرف بیان القرآن ہی کو دیکھ لیجئے کہ یہ حضرت والا کی اردو تفسیر ہے جو وسعت معلومات، اور جامعیت، تحقیقات کے لحاظ سے منفرد تفسیر ہے یہ اردو تفاسیر

میں واحد تفسیر ہے جو بہت سی مختلف النوع عربی، فارسی، اردو تفسیر سے بے نیاز کر دینے والی ہے اس کے علاوہ حضرت والا نے قرآنی علوم کے مختلف پہلوؤں پر متعدد چھوٹی بڑی تصانیف اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں اور یوں تو علوم قرآن کے متعلق جابجا مختلف علمی مباحث اور دقیق مسائل حضرت والا کی اکثر تصانیف، مواعظ، ملفوظات میں پھیلے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ حضرت والا نے علوم قرآن کی خدمت جس طریقہ سے کی ہے وہ بجائے خود آپ کی ایک کرامت ہے۔

حضرت والا نے حضرت عبداللہ بن عباس مفسر قرآن رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا جن کو آنحضرت ﷺ نے اللھم علمہ الکتاب کی دعا دی تھی اور بشارت سنائی تھی۔ حضرت والا فرماتے ہیں اس خواب کے بعد میری مناسبت قرآنی بڑھ گئی تھی۔ اور یہ خواب اسی کی طرف اشارہ تھا۔

علم حدیث

اس علم میں جامع آلاثار، تابع آلاثار وغیرہ کے علاوہ بیس جلدوں پر ایک ضخیم کتاب اعلاء السنن حضرت والا کی کاوشوں کا شاہکار ہے جو حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے آپ کی راہنمائی میں تصنیف کی اور یہ علم حدیث کے چودہ سو سالہ دور کا عجیب و غریب بے مثال بڑا کارنامہ ہے۔ اس کتاب میں ان احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔ جن

سے فقہ حنفی ماخوذ ہے اور تمام فقہی ابواب سے متعلق احادیث نبویہ کے بے نظیر محدثانہ اور فقیہانہ شرح و تفصیل بیان کی گئی ہے۔

خدمت علم فقہ

اس علم میں دوسرے رسائل کے علاوہ امداد الفتاویٰ آپ کا ایک عظیم الشان علمی اور تحقیقی کارنامہ جو فقہی مسائل اور مباحث کا ایک نادر مجموعہ ہے اس میں ہر باب سے متعلق فقہی مواد بڑی تحقیق کے ساتھ متداول معتبر کتب فقہ کے حوالہ سے مل جاتا ہے اور ایک اہل علم اور مفتی کی رہنمائی اور تسکین کا باعث ہوتا ہے۔

یوں تو علوم اسلامیہ میں سے کوئی علم و فن ایسا نہیں ہے جس میں حکیم الامت کی محققانہ بصیرت افروز تصنیف نہ ہو۔ جیسا کہ آپ کی جامعیت علوم وفنون کا تقاضا تھا اور جیسا کہ کتاب "مقالات اشرفیہ" کے مجموعہ میں حکیم الامت کے مختلف علوم و فنون پر مقالات سے واضح ہے۔

لیکن قرآن و تصوف اور فقہ آپکے مخصوص فن تھے ان تینوں فنون میں آپ کی مجددانہ تصانیف میں مقبولیت عامہ اور قبول الٰہی کے آثار مشاہد ہیں۔ خدمت علم سلوک میں حضرت حکیم الامت نے کتب احادیث سے ایسی تمام حدیثوں کو جمع فرمادیا جن میں اس فن شریف کے مسائل متفرق طور پر تھے۔

حقیقة الطریقة من السنة الانیقة' التشرف بمعرفة احادیث التصوف اسی سلسلہ میں کی تالیفات ہیں جس میں مسائل تصوف کی احادیث کو جمع فرمایا گیا اور ان کی اصول محدثین پر تخریج کی گئی ہے۔ حضرت نے دنیا پر واضح کر دیا کہ صحیح اسلامی تصوف صرف قرآن و حدیث سے ماخوذ اور مستنبط ہے اس کا کوئی مسئلہ بھی کسی غیر اسلامی ماخذ سے لیا ہوا نہیں' نیز مسائل السلوک من کلام ملک الملوک اور تائید الحقیقہ بالآیات العتیقہ میں قرآن کریم کی ان آیات کی تفاسیر ہے جن سے سلوک کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں قرآن کریم کی آیات کثیرہ سے مجتہدانہ اور مجددانہ شان کے ساتھ مسائل تصوف کو مدون فرمایا۔

مہارت فی الحدیث

حضرت حکیم الامت کو علم حدیث میں جو مہارت حاصل تھی اس کی شہادت علاوہ ان کتابوں کے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے آپ کے مواعظ و رسائل اور دوسری تالیفات کے ہزاروں صفحات بھی دے رہے ہیں۔ جن میں بے شمار احادیث کے حوالے ان کی مشکلات کی شرح' دقیق مطالب کے حل اور نکات و لطائف کا بیان ہے۔

مواعظ میں برمحل اور بکثرت احادیث کے بعینہ الفاظ مع ان کی تخریجات کے اس کثرت سے ہیں کہ ان کو دیکھ کر آپ کے حافظ الحدیث

ہونے میں کوئی شبہ رہ نہیں سکتا- پھر آپ کی تصانیف جو فقہ اور احکام و مسائل یا اصلاح رسوم اور سلوک میں ہیں ان کی بنیاد احادیث ہیں- ان میں احادیث کے حوالے دلائل کی مضبوطی اور صحت بیان کی تائید و شہادت کے لئے آتے ہیں جو حضرت مؤلف کے علم حدیث اور معرفت وجوہ استنباط پر دلیل قاطع ہیں اس کی تفصیل آپ اس مجموعہ میں "حضرت حکیم الامت کی خدمت حدیث" کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں گے-

فقہ نفس

حضرت حکیم الامت قدس سرہ السامی کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ تحصیل علم سے ہی ایسے اساتذہ کی تربیت و صحبت نصیب فرمائی جو اپنے اپنے فن میں کامل اور مہارت تامہ کے حامل تھے چنانچہ فقہ میں آپ کو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اور فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تربیت حاصل رہی جن کی نظیر ان کے زمانہ میں تو کیا صدیوں میں بھی نظر نہیں آتی جو فقہ اور حدیث میں مرجع خلائق تھے-

دارالعلوم دیوبند میں نیابت افتاء

دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ ہی سے آپ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی کیمیا اثر صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے آپ ہی کی زیر تربیت فقہی سوالات کے جوابات لکھتے رہے جو حضرت نانوتوی

موصوف کی تصحیح کے بعد دارالعلوم سے جاری ہوتے تھے-

آپ کے فتاویٰ کا ایک حصہ وہ بھی امداد الفتاویٰ کا جزو ہے جو آپ نے بطور نیابت دارالعلوم دیوبند میں لکھے اور ان کو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی تصدیق و تصحیح کا شرف حاصل ہے- ابتداء میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے افتاء کی یہ خدمت اپنے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (المتوفی ۱۳۰۲ھ) کے سپرد فرمائی تھی- اور حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس اور پہلے مفتی) کی زیر ترتیب ۱۳۰۱ھ سے پہلے ہی دارالعلوم دیوبند میں افتاء کا کام شروع کر دیا تھا- اس طرح یہ کہنا درست ہوگا کہ امداد الفتاویٰ بھی فتاوای دارالعلوم کے سلسلہ کی کڑی اور اس کا حصہ اول اور اسی عظیم الشان دینی ادارہ کا فیضان ہے اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس کے پہلے نائب مفتی ہیں-

گویا آپ کی فتویٰ نویسی کی زندگی کی ابتداء دارالعلوم دیوبند میں استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی زیر نگرانی ہوئی اور فتویٰ نویسی کے اصول و ضوابط پر عملی تمرین اور مشق بھی احاطہ دارالعلوم ہی میں فقیہ کامل اور ماہر استاذ کے زیر سایہ کرائی گئی-

بعد فراغ از دارالعلوم دیوبند کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں حضرت والا نے فتاویٰ لکھے اور وہ قریباً کل کے کل مدرسہ جامع العلوم

میں محفوظ ہیں- آپ کے فتاویٰ کا تیسرا دور وہ ہے جو بزمانہ قیام تھانہ بھون لکھے گئے- حضرت حکیم الامتؒ امداد الفتاویٰ کی تمہید میں ارقام فرماتے ہیں

"یہ مجموعہ ہے بعض فتاویٰ کا جو احقر نے وقتاً فوقتاً مختلف سوالات پر لکھے ہیں جس کے باعتبار احوال کمی وبیشی نظر اس احقر کے تین حصے جدا جدا تھے

ایک وہ جو زمانہ طالب علمی دیوبند میں بامر استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب لکھے گئے تھے اور جن پر قریب قریب کل کے حضرت مولانا قدس سرہ کی تصحیح بھی تھی اور یہ زمانہ ۱۳۰۱ھ تک کا ہے-

دوسرے وہ جو زمانہ مدرسی کانپور میں لکھے تھے جس وقت کہ کسی محقق کی صحبت نہ تھی اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی کم تھا- اور یہ وقت ۱۳۱۵ھ کے اوائل تک کا ہے-

تیسرے وہ جو زمانہ قیام وطن میں لکھے ہیں جبکہ گاہ گاہ شرف صحبت مقدام المحققین حجۃ اللہ علی العالمین حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے مشرف ہوتا تھا- اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی بڑھ گیا تھا- (امداد الفتاویٰ ص ۲)

حضرت والا کی یہ غایت احتیاط اور آپ کا تقویٰ ہے کہ باوجود اپنے استاذ فقیہ کامل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے فتاویٰ کی مشق حاصل کرنے اور آپ کے زیر نگرانی فتاویٰ لکھنے کے بعد بھی زمانہ کانپور کے لکھے ہوئے فتاویٰ کو اس درجہ کا قرار نہیں دے رہے جس درجہ کے آپ کے وہ فتاویٰ ہیں جو حضرت اکابرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زیر نگرانی لکھے گئے ہیں-

حضرت حکیم الامت کی اس تمہیدی تحریر سے ایک تو فتویٰ کا اہم اصول یہ معلوم ہوا کہ جس کی اتباع حتی الامکان اس کام کے کرنے والوں پر لازم ہے کہ حتی المقدور کسی بڑے اور ماہر فقیہ کی زیر نگرانی یہ افتاء کا کام انجام دیا جائے اور اس کا لحاظ ہمیشہ ہی رکھنا چاہئے کہ اپنے سے بڑے اور ماہر فقیہ سے مشورہ کرتا رہے-

ہمارے نو عمر اور نو آموز علماء چندے کسی فقیہ کے پاس رہ کر خود کو اس کام کا اہل سمجھنے لگ جاتے ہیں اور کسی سے مشورہ تو کیا مصلحت بھی نہیں سمجھتے یہ روش قابل اصلاح بلکہ ضروری الاصلاح ہے- چندے کسی ماہر فقیہ کے پاس رہ کر فی الجملہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور کسی قدر راستہ سے آگاہی ہو جاتی ہے- اس کو کافی سمجھ کر اسی پر قناعت کر لینا اپنے بڑوں اور تجربہ کار فقہا سے خود کو بے نیاز اور مستغنی سمجھ لینا ہرگز درست نہیں ہے-

دوسرا اصول یہ معلوم ہوا کہ اس کار افتاء میں احوال اہل زمانہ پر نظر رکھنا بھی بہت ضروری ہے ورنہ مفتی ' من جهل اهل زمانه فهو جاهل (عقود رسم المفتی ص ۴) کا مصداق ہوگا-

فتاویٰ کا تحقیقی اور استدلالی اسلوب

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے امداد الفتاویٰ سے ظاہر ہے کہ آپ کو علم فقہ پر کس قدر مہارت تامہ اور عبور حاصل تھا- حضرت والا فقہی

مسائل میں کافی تلاش و تحقیق اور غور وخوض اور مراجعت کتب اور بعض اہم مسائل میں اہل علم سے مشاورت کے بعد ہی کوئی فتویٰ جاری کرتے تھے اس لئے امداد الفتاویٰ کو تحقیق واستدلال مسائل میں اپنے ہمعصر فتاویٰ میں ایک مخصوص امتیازی اور منفردانہ معیاری مقام حاصل ہے اور اس کا سلوب استدلالی اور تحقیقی ہے جو اس کام کے سیکھنے اور کرنے والوں سب ہی کے لئے راہنمائی کا کام دینے والا اور بے حد مفید اور کار آمد ہے۔

امداد الفتاویٰ میں فقہاء کرام کی مستند کتب فتاویٰ سے صریح جزئیات کے نقل کرنے کا اہتمام فرمایا گیا ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکا تلاش کر کے صریح جزئیہ ہی جواب میں لکھا گیا اور یہی طریقہ اصول فتاویٰ کے موافق ہے۔

وانما علی المفتی حکایة النقل الصریح کما صرحوابه

(شرح حموی علی الاشباہ ص ۱۲۱)

البتہ اگر تلاش کے بعد صریح جزئیہ نہ ملا تو اصول و قواعد سے یا کسی منقولہ جزئی پر قیاس سے بھی جواب دیدیا گیا اور آخر میں عموماً اس پر تنبیہ فرمادی کہ :

"یہ جواب قواعد سے لکھا گیا ہے صریح جزئیہ نہیں ملا اس لئے دوسرے علماء سے مراجعت کرلی جا ... اختلاف فرمائیں تو مجھے مطلع کردیا جائے"

یہ اصول ہر وقت پیش نظر رہنا چاہیے اپنے ہی فہم پر اعتماد کر کے اس کو ہی "عقل کل" نہ سمجھ لینا چاہیے۔ اپنی تحقیق کے خلاف اگر اصول صحیحہ سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو اس کے قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیے چنانچہ حضرت تھانویؒ غور و تحقیق کے بعد رائے بدلنے پر اس کا اعلان "ترجیح الراجح" میں شائع فرمادیتے تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ کے اس طرز عمل سے ایک تو اصول افتاء میں دیانت کی اہمیت اور عنداللہ مسئولیت اور جوابدہی کے ہر وقت استحضار کا سبق ملتا ہے دوسرے مستفتی کو اپنے فتویٰ کی حقیقت و مرتبہ سے آگاہ کرنا کہ وہ فتویٰ کو فقہائے سابقین کے منصوص فتاویٰ کے ہم پلہ سمجھے بلکہ دونوں میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

دوسرے جزئیہ سے جزئیہ اور اصول و قواعد سے مسئلہ کے استنباط و استخراج معلوم ہوتا ہے جو اصول فتاویٰ میں اہم اور کار آمد اصول ہے۔

حوادث الفتاویٰ نئے مسائل اور معاملات جدیدہ کے حل کے لئے اس اصول پر عملدر آمد کیا جانا ضروری ہے اس کے بغیر حوادث کے احکام معلوم نہیں ہو سکتے۔

فتویٰ میں وسعت

حضرت تھانویؒ نے اپنی خداداد فقہی بصیرت سے کام لے کر

اصول فقہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے اور مسئلہ کے ہر پہلو پر گہری نظر رکھتے ہوئے تحقیق مسئلہ میں عموم بلوی اور ابتلائے عام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور یہ آپ کا مخصوص طرز فتوی تھا جس پر آپ کے حوادث الفتاوی' الحیلۃ الناجزہ' رافع الضنک عن منافع البنک صفائی معاملات وغیرہ خاص طور پر شاہد ہیں' اس سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا حسب ذیل ارشاد قابل لحاظ ہے اس میں امت کے لے بڑی وسعت اور سہولت ہے فرمایا۔

"بلکہ اس باب میں میری رائے تو یہ ہے کہ اگر معاملات میں کسی وقت اپنے مذہب میں تنگی ہو اور دوسرے آئمہ مجتہدین کے اقوال میں گنجائش ہو تو عوام کو تنگی میں نہ ڈالا جائے بلکہ دوسرے آئمہ کے اقوال پر فتوی دیدیا جائے"

میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے اس رائے کی صریح تائید حاصل کر چکا ہوں
(وعظ آداب المصائب سلسلہ تبلیغ نمبر ۱۳۹)

لیکن حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی اس رائے گرامی کا یہ مطلب نہیں لینا چاہئے کہ کسی ایک مذہب معین کی تقلید ضروری نہیں ہے اور عوام کو اس کی کھلی اجازت ہو کہ وہ از خود جس مذہب میں آسانی ہو اور موجودہ زمانے کے حالات کا لحاظ ہو اس پر عمل کر لیا کریں یا حکومت سے کس معین فقہ کے نافذ کرنیکا مطالبہ نہ کیا جائے جیسا کہ بعض مقالہ نگاروں نے اس طرح کا تاثر لیا ہے۔

حضرت حکیم الامت کے نزدیک مذہب غیر پر عمل کرنے کی شرائط

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مذہب غیر پر عمل کرنے کی شرائط و قیود کو الحیلۃ الناجزۃ کی تمہید اور اس کے مقدمہ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے ارشاد ہے :-

"شرط اولین تو یہی ہے کہ مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بناء پر ہو اتباع ہوا کے لئے نہ ہو اور اس شرط پر تمام امت کا اجماع اور اتفاق علامہ ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے۔

حیث قال فیمن نکح عند شهودفسقة ثم طلقها ثلاثا فارادالتخلص من الحرمة المغلظة بان النكاح كان فاسدا فی الاصل علی مذهب الشافعیؒ فلم یقع الطلاق مانصه و هذا القول یخالف اجماع المسلمین فانهم متفقون علی ان من اعتقد حل الشئی كان علیه ان یعتقدونک سواء وافق غرضه اوخالف ومن اعتقد تحریمه كان علیه ان یعتقدونک فی الحالین و هؤلاء المطلقون لایفكرون فی فساد النكاح بفسق الولی الاعند الطلاق الثلاث لاعند الاستمتاع والتوارث یکون فی وقت یقلدون من یفسده وفی وقت

يقلدون من يصححه بحسب الغرض والهوىٰ ومثل
هذالايجوز باتفاق الائمة الخ

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ثانی ص ۲۴۰ الحیلۃ الناجزہ ص ۳۶)

اور ضرورت شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے آئمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیدینا بھی جائز ہے لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

اور اس زمانہ میں احتیاط اسی طرح ہو سکتی ہے کہ جب تک محقق و متدین علماء کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑیں کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لیے یہ شرط ہے کہ اتباع ہوا کی بناء پر نہ ہو بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاذ سے فن کو حاصل کیا ہو اور اہل بصیرت اس کو فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہیں۔

لماقال الشامی فی عقودرسم المفتی فان المتقدمین شرطوافی المفتی الاجتهاد وهذا مفقودفی زماننا فلااقل من

ان تشترط فيه معرفة المسائل بشروطها وقيودات التى كثيرا مايسقطونها ولا يصرحون بها اعتماداعلى فهم المتفقه وكذا لابد من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخرج فى ذلك على استاذ ناه الخ (۲۶) (الحيلة الناجزه ۶۵)

آگے ارقام فرماتے ہیں :-

اس زمانہ میں اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علماء دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتویٰ دیں بدوں اس کے اس زمانہ میں اگر اقوال ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جائے تو اس کا نتیجہ ہدم مذہب ہوگا۔ (الحیلہ ص ۲۶)

حضرت تھانوی کے نزدیک بدوں ایسی ضرورت شدیدہ کے تحقق کے جس کو متعدد محقق علماء دین تسلیم کریں مذہب غیر پر عمل کرنے کی اجازت تو کیا ہوتی اپنے مذہب کے اقوال ضعیفہ پر بھی عمل کی اجازت کا نتیجہ ہدم مذہب ہے"

الحیلۃ الناجزہ پر تصدیق کرنے والے بعض اکابر علماء کرام کے ارشادات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

"درحقیقت امت مرحومہ کی اس اہم مشکل کا حل حضرت اقدسؒ ہی جیسے مجمع کمالات کا محتاج تھا اس زمانہ میں حضرت حکیم الامتؒ جیسے فقیہ کو جو علاوہ ظاہری و باطنی علوم کی مہارت تامہ کے احوال زمانہ اور مشکلات

حاضرہ سے بھی بخوبی واقف ہیں یقیناً یہ حق حاصل ہے کہ بعد مشورہ علماء کرام
فتویٰ کے لئے کسی دوسرے امام کے مذہب کو اختیار فرمالیں کیونکہ بوقت
ضرورت شدیدہ دوسرے اماموں کے مذہب کو اختیار کرنا بھی فقہ حنفی کا ایک
حکم ہے۔

آپ نے جس غوروخوض کو ایک عرصہ دراز تک اس تحقیق و
تصنیف میں مبذول فرمایا ہے اس کا کچھ اندازہ وہی حضرات اہل علم کر سکتے ہیں
جن کو زمانہ تالیف میں حاضری کی دولت نصیب ہوئی ہو۔

یہ واقعہ ہے کہ بعض لوگ مذہب مالکیہ کی آڑ میں تمام قیود و شرائط
سے آزاد ہو کر بعض اوقات ایسی کاروائی کر گذرتے تھے جو کسی مذہب میں بھی
صحیح نہیں ہوتی تھی اور مذہب مالکیہ سے عام طور پر کماحقہ واقفیت نہ ہونے
کے سبب اکثر اہل علم کو بھی اس میں مغالطہ ہو جاتا تھا اس لئے سخت ضرورت
تھی کہ ان مسائل ضروریہ کے متعلق جس قدر شرائط ہوں ان سب کو تفصیل
کے ساتھ جمع کر دیا جائے تاکہ مواقع ضرورت میں ان شرائط کا لحاظ رکھا
جائے۔

چنانچہ حضرت تھانویؒ نے محنت شاقہ برداشت کر کے مذہب مالکیہ
کے ارباب فتاویٰ علماء مکہ مکرمہ اور علماء مدینہ منورہ سے مسئلہ کی مکمل تحقیق و
تنقیح فرما کر تمام شرائط و قیود کو یکجا مدون فرمادیا۔ اب ضرورت ہے کہ اس
رسالہ (الحیلۃ الناجزہ) میں جو قیود و شرائط درج ہیں وہ چونکہ نہایت درجہ

ضروری ہیں عمل کے وقت ارباب فتاویٰ ان تمام شرائط کو بخوبی ملحوظ رکھیں۔
وھو الموفق للخیر و العاصم من کل ضیر۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ
حضرت اقدس تھانویؒ کی یہ مساعی جمیلہ تاقیامت امت مرحومہ میں مشکور
رہیں گی۔

فجزاہم اللہ احسن الجزاء عنا و عن سائر المسلمین
امین ثم امین۔

علم سلوک و تصوف

علم سلوک و تصوف روح شریعت کا نام ہے جس میں اخلاص دین
اور اعمال قلب کے احکام اور دقائق سے بحث کی جاتی ہے' قدماء صوفیاء نے
اس پر جو کتابیں لکھی ہیں مثلاً رسالہ قشیریہ امام قشیری' قوت القلوب' ابو
طالب مکی' کتاب اللمع' ابو نصر عبداللہ بن سراج الطوسی' کتاب الصدق' ابو
سعید خزار' فتوح الغیب شیخ سہروردی' غنیۃ الطالبین' شیخ عبدالقادر جیلانی اور
متاخرین میں تصانیف امام عبدالوہاب شعرانی' ان کو پڑھنے سے اس فن کی جو
حقیقت ظاہر ہوتی ہے افسوس کہ مصنوعی اور دکاندار صوفیہ اور مبتدعین کی
تلبیس نے اس پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ بدعات کا مجموعہ بلکہ ابطال و ضلالت
کا ذخیرہ معلوم ہوتا تھا۔ اصل شئی جو اخلاص فی الدین' طلب رضاء حصول
قرب اور عمال و اخلاق قلب و مقامات ہیں اور جن سے مقصود رذائل سے

پاکیزگی اور فضائل سے آراستگی سے تمام متروک ہو گیا تھا- صدیوں کے بعد حضرت حکیم الامت کے تجدیدی مساعی نے اس فن کو پھر سلف صالحین کے رنگ میں پیش کیا اور ہر قسم کے اضافوں اور آمیزشوں سے پاک کر کے کتاب و سنت کے نور میں اس تاریک زمانہ میں پھر ظاہر کیا اور زبان و قلم سے ان مسائل پر اتنا کچھ لکھا اور بیان فرمایا کہ اب طالب پر اصل طریق کا کوئی گوشہ اندھیرے میں نہیں رہا- وللہ الحمد

جاہل پیروں اور دوکاندار صوفیوں نے شریعت و طریقت کی دوئی کا مسئلہ گھڑا- اور اس زور سے اس کو شہرت دی کہ عوام تو عوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا حالانکہ یہ تمامتر لغو اور بے دینی ہے-

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تمام عمر لوگوں کو یہی تلقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے 'احکام الٰہی کی باخلاص تعمیل و تکمیل ہی کا نام طریقت ہے اور یہی خواص امت کا مذہب ہے اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فن سلوک سے ناآشنا ہے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فن سلوک میں مسائل السلوک' تائید الحقیقۃ اور التشرف وغیرہ تالیف فرما کر مسائل سلوک کی قرآن و سنت سے تشریح فرمائی ہے-

اہل تحقیق کے لئے اس فن شریف پر ایک جامع کتاب ''التکشف عن مہمات التصوف'' تالیف فرمائی جو پانچ حصوں میں منقسم ہے' حقیقت طریقت' حقوق طریقت' تحقیق کرامت' اور دیگر مضامین تصوف پر مشتمل

نہایت عجیب و غریب اور مفید مجموعہ ہے-

اصلاحات حضرت تھانویؒ

حضرت حکیم الامتؒ کی اصلاحات کا باب اتنا وسیع ہے کہ بچوں' طالب علموں اور عورتوں سے لے کر مردوں اور علماء اور فضلاء کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے اور سب کے لئے مفید ہدایات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے-

مسلمانوں کی اصلاح کی جو دقیق نظر حضرت حکیم الامت کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوئی تھی اس کا اندازہ آپ کو حضرت کی اصلاحی کتابوں سے بخوبی ہو سکتا ہے ان اصلاحات کی وسعت کا عالم یہ ہے کہ مجالس و مدارس اور خانقاہوں سے شروع ہو کر شادی غمی کی رسومات اور روزمرہ کی زندگی تک کو محیط ہیں- غرض کہ ایک مسلمان جدھر اپنی زندگی میں رخ کرے ان کے قلم نے شریعت کی ہدایت کا پروگرام تیار کر رکھا ہے-

مواعظ حکیم الامت

اس سلسلہ میں حضرت کی سب سے اہم اور مفید چیز مواعظ ہیں واعظ تو بحمد اللہ تعالیٰ اسلام کی دس بارہ صدیوں میں بے شمار گذرے ہوں گے مگر شاید واعظین میں الا ماشاء اللہ اور ائمہ سلوک میں حضرت شیخ الشیوخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کے سوا کوئی دوسرا مستند اور مفید مجموعہ موجود نہیں- اللہ تعالیٰ نے اس آخر دور میں امت اسلامیہ کی اصلاح

کے لئے بہت بڑا افضل یہ فرمایا کہ حضرت کے مستفیدین کے دل میں ڈالا کہ وہ حضرت کے مواعظ مین وعظ کے وقت قید تحریر میں لائیں اور حضرت کی نظر اصلاحی سے گذار کران کو دوسرے مسلمانوں کے عام فائدہ کی غرض سے شائع کردیں چنانچہ اس اہتمام واحتیاط کے ساتھ تقریباً چار سو مواعظ مرتب ہوئے اور اکثر شائع ہوئے۔ جو احکام اسلامی' ردبدعات' نصائح دلپذیر اور مسلمانوں کی مفید تدابیر و تجاویز پر مشتمل ہیں اور جن میں حقائق کے ساتھ ساتھ دل چسپیوں کی بھی کمی نہیں۔

بڑی خصوصیت

سلسلہ اصلاح وتربیت میں حضرتؒ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً واعظین صرف عقائد و عبادات پر گفتگو فرماتے ہیں۔ حضرت ان چیزوں کی رعایت کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق و معاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر بھی زور دیتے ہیں بلکہ اپنی تربیت و سلوک میں بھی ان پر برابر کی نظر رکھتے ہیں حالانکہ عام مشائخ نے اس اہم سبق کو صدیوں سے بھلادیا تھا۔

علم کلام

علم کلام و عقائد اور توحید پر متعدد رسالے تالیف فرمائے جو شائع ہو چکے ہیں المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ تین حصوں میں ترتیب پایا ہے جس میں احکام و مسائل کے مصالح اور حکم بیان کئے گئے ہیں جن میں عذاب قبر

اور معاد کے متعلق اسلامی عقائد کے مصالح بھی شامل ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے مذہبی اعتراضات کے تشفی بخش جوابات کے لئے حضرت والا نے الانتباہات المفیدہ من الاشتباہات الجدیدہ" تحریر فرمائی - اور آپ کے مواعظ و ملفوظات سے نئے اور پرانے شبہات کے جوابات کو جمع کر کے اشرف الجواب کے تین حصوں کی صورت میں شائع کئے گئے' یہ بھی علم کلام کی گراں قدر خدمت ہے اس کے علاوہ نئے زمانہ کے حالات کا خیال کر کے اسلام اور سائنس کے نام سے الحصون الحمیدیہ عربی کی جدید کلامی تالیف کا مولانا محمد اسحاق صاحب سے اردو ترجمہ کرایا۔

فلاسفہ اور متکلمین کے اختلاف میں محاکمہ

حضرت حکیم الامتؒ نے بعض مسائل میں فلاسفہ اور متکلمین میں محاکمہ بھی کیا ہے حضرت والا کی علم کلام اور علم منطق میں اپنی تحقیقی رائے تھی وہ فلاسفہ یا متکلمین کے بغیر دلیل جامد کے مقلد نہیں تھے چنانچہ ذیل کے مسئلہ فناء ارواح بعد نفخ صور کی تحقیق سے آپ کی رائے واضح ہے کہ اگر نفخ صور کے وقت ارواح بھی فنا ہو جائیں تب بھی اس سے انقطاع لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ فنا تھوڑی دیر کے لئے ہوگا۔ ممتد نہ ہوگا۔ اور امور عادیہ میں زمان لطیف کا انقطاع مانع استمرار نہیں ہوتا پس اگر ارواح کا فناء بھی ایک آن کے لئے ہو جائے تو یہ مانع بقاء نہ ہوگا۔

فلاسفہ کا مذہب

یہ جواب محققین کا ہے اور بالخصوص فلاسفہ کے مذہب پر تو یہ بات بہت ہی ظاہر ہے کیونکہ ان کے نزدیک زمانہ آنات سے مرکب نہیں بلکہ آن طرف زمان ہے تو اب یہ کہنا بہت سہل ہے کہ ارواح کا بقاء تو زمانی ہے اور فناء آنی ہے اور بقا زمانی کا انقطاع فناء زمانی ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ فناء آنی سے اس تقدیر پر حقیقت میں بھی انقطاع بقاء نہ ہوگا- البتہ متکلمین کے مذہب پر اشکال وارد ہوگا کیونکہ وہ زمانہ کو آنات سے مرکب مانتے ہیں ان کے نزدیک فناء آنی سے بھی بقاء کا انقطاع ہو سکتا ہے سو اس صورت میں جواب یہ ہوگا کہ گو حقیقت میں انقطاع ہو گیا مگر عرفاً انقطاع نہیں ہوا کیونکہ عرفاً امور عادیہ میں فناء آنی مانع استمرار نہیں ہوتی-

مگر اس مسئلہ میں کہ زمانہ آنات سے مرکب ہے یا نہیں ہم کو متکلمین کا مذہب ماننا ضروری نہیں اگر ہم حکماء کے مذہب کو لے لیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ شریعت نے اس مسئلہ میں سکوت کیا ہے محض عقلی مسئلہ ہے جس کا مبنی ایک دوسرا مسئلہ ہے-

ترکیب اجسام

وہ یہ کہ حکماء اجسام کی ترکیب ہیولیٰ اور صورت سے مانتے ہیں اور جسم کو متصل واحد مانتے ہیں اور متکلمین اس کو اجزاء لاتجزی سے مرکب مانتے

ہیں جیسا کہ اس وقت اہل سائنس بھی ذرات سے مرکب مانتے ہیں جب ایک زمانہ میں کسی مسافت پر حرکت ہوتی ہے تو وہ حرکت اور وہ زمانہ اور وہ مسافت ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں حکماء کے نزدیک جب مسافت واحد ہے تو زمانہ اور حرکت سب متصل واحد ہیں اور متکلمین کے نزدیک جب مسافت اجزاء لاتجزی سے مرکب ہے تو زمانہ اور حرکت سب ایسے ہی اجزاء سے مرکب ہے اس لئے زمانہ کو آنات سے مرکب مانتے ہیں باقی متکلمین کے پاس خود اجزاء لاتجزی کے وجود کی کوئی دلیل نہیں- صرف انہوں نے ہیولیٰ وصورت کے مسئلہ میں حکماء کی مخالفت کر کے یہ ایک احتمال بطور منع کے نکال کر اس کو مذہب قرار دیدیا-

وجہ مخالفت

مخالفت کی وجہ یہ ہوئی کہ اگر ہیولیٰ وصورت سے مرکب مانیں گے تو اس کے قدم کا قائل ہونا پڑے گا اور قدم کا شرعاً ونصاً باطل ہے-

حضرت حکیم الامت کی رائے گرامی

اب میں کہتا ہوں کہ قدم ہیولیٰ وصورت کے لوازم سے نہیں بلکہ وہ اس پر مستقل دلائل قائم کرتے ہیں جو محض باطل ہیں پس اگر کوئی ہیولیٰ و صورت کو مان کر ان کے قدم کا انکار کردے تو اس میں کوئی محذور نہیں' غرض شرعاً یہ بھی جائز ہے کہ ہم ہیولیٰ وصورت کے وجود کو مان لیں اور ان

کے قدم کو باطل کر دیں اور میرے نزدیک یہی اچھا ہے کیونکہ اجزاء لاتجزی کے دلائل جو کچھ بیان کئے جاتے ہیں وہ بہت کمزور ہیں اور ثبوت ہیولی و صورت کے دلائل قوی ہیں البتہ حکماء نے جوان کے قدم پر دلائل قائم کئے ہیں وہ محض لچر ہیں تو ہمارے نزدیک اقوی یہ ہے کہ احکام کا ترکب تو ہیولی و صورت سے ہے مگر یہ دونوں حادث بالذات اور حادث بالزمان ہیں نہ ان میں سے کسی کا قدم بالذات ثابت ہے (یہ تو حکما بھی مانتے ہیں) نہ قدم بالزمان- چنانچہ اہل علم جانتے ہیں کہ جتنے دلائل قدم بالزمان پر قائم کئے گئے ہیں سب لغو ہیں-

ایک شبہ کا جواب

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ قول تو ملفق ہو گیا کہ نہ متکلمین کا قول ہوا نہ حکماء کا اور قول ملفق باطل ہے-

جواب یہ ہے کہ اول تو قول ملفق شرعیات میں باطل ہے نہ عقلیات میں کیونکہ قول ملفق میں اجماع کا ترک لازم آتا ہے تو شرعیات میں اجماع کا ترک جائز نہیں اور عقلیات میں جائز بلکہ بعض اوقات واجب ہے اور اوپر عرض کر چکا ہوں کہ شریعت ہیولی و صورت و اجزاء لاتجزی دونوں سے ساکت ہے-

دوسرے اگر مقصود پر نظر کی جائے تو یہ قول متکلمین کے بھی

خلاف نہیں- کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ متکلمین کا مقصود اصلی قدم عالم کا ابطال ہے جو ہیولی و صورت کو قدیم ماننے سے لازم آتا ہے اور اگر کوئی شخص ان کو حادث بالذات و بالزمان مان کر اجسام کو ان سے مرکب کہے تو متکلمین اس کے درپے نہ ہوں گے- اور اس کی تغلیط نہ کریں گے- پس جب جسم کو متصل واحد مان کر زمانہ کو بھی متصل واحد مان لیا جائے تو فناء آنی کے قائل ہونے سے اشکال بہت سہولیت سے رفع ہو جائے گا- یعنی ارواح کا بقاء زمانی ہے اور فناء آنی ہے تو استمرار بقاء حقیقۃ بھی منقطع نہ ہوئی اور حیات ملکوتیہ کے ابقی ہونے پر جو شبہ تھا وہ رفع ہو گیا اور اس کے ابقی ہونے کا دعوی بحالہ باقی رہا- (المورد الفرنخی فی المولد البرزخی ص ۲۹۴)

تعریف انسان

میں انسان کی تعریف میں بجائے حیوان ناطق کے حیوان متفکر کہا کرتا ہوں کیونکہ مجھے انسان کی تعریف حیوان ناطق کرنے میں کلام ہے اس لئے کہ ناطق کے حاصل معنی ہیں عاقل کے، تو اس تعریف کا حاصل یہ ہوا کہ عاقل صرف انسان ہی ہے دوسرے حیوان میں عقل نہیں پائی جاتی حالانکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے دوسرے حیوانات میں بھی عقل ہوتی ہے اگر دوسرے حیوانات میں عقل نہ ہوتی تو ان کو تعلیم کیسے دی جاسکتی تھی اشاروں پر کیسے چل سکتے تھے- اور یہ بدیہی امر ہے کہ تعلیم بلا عقل کے نہیں

ہو سکتی- دیکھئے پاگل کو کوئی تعلیم نہیں دے سکتا نہ ایسا سدھا سکتا ہے جیسا کہ جانوروں کو سدھایا جاتا ہے- میں نے خود ایسے واقعات کا مشاہدہ کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں میں بھی عقل ہوتی ہے-

چونکہ یہ مسئلہ تعریف انسان کا سمعی نہیں محض عقلی ہے اس لئے اگر کوئی شخص حکمائے یونان کے قول کے خلاف تحقیق و مشاہدہ سمجھ کر چھوڑ دے تو کچھ حرج نہیں-

اشکال اور اس کا جواب

لیکن اشکال یہ ہوگا کہ حکمائے اسلام نے بھی تو ایسا لکھا ہے کہ عقل صرف انسان میں ہے دوسرے حیوانات میں عقل نہیں اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے جس عقل کی نفی کی ہے اس سے مراد عقل کا وہ درجہ ہے جس سے احکام شرعیہ کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے- مطلقاً عقل کی نفی مقصود نہیں- انہوں نے دیکھا کہ شریعت نے حیوانات کو مکلّف نہیں کیا ہے لہذا فرمادیا کہ حیوانات میں عقل نہیں جو مدار تکلف ہو سکے- خلاصہ یہ کہ حیوانات میں عقل ہے تو ضرور جس کی وجہ سے انسان کی تعریف حیوان ناطق کے ساتھ صحیح نہیں ٹھہرتی مگر اتنی نہیں کہ جس کی وجہ سے ان کو مکلّف کہا جاسکتا-

سیاست

حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے اللہ تعالٰی نے دین کے ہر شعبہ میں جو عظیم خدمات لی ہیں ان کی نظیر زمانہ حال میں تو کیا ماضی کو بھی کئی صدیوں میں ڈھونڈھنے سے بمشکل ملیگی- مسلمانوں کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں حضرت تھانویؒ نے دین کی تعلیمات کو واضح نہ کیا ہو- دین کے دوسرے شعبوں کی طرح اسلام کے احکام سیاست سے بھی متعلق ہیں اس لئے حضرت نے اسلام کے سیاسی احکام پر بھی اپنی تصانیف اور مواعظ وغیرہ میں جابجا جامع بحثیں فرمائی ہیں جس سے احکام اسلام کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس زمانہ کے غیر اسلامی سیاسی نظاموں کی فکری اور عملی غلطیوں پر بھی بھرپور تبصرے شامل ہیں-

اسلام میں سیاست کا مقام

سب سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اسلام میں سیاست کا مقام کیا ہے؟ عیاسئیت کا باطل نظریہ مشہور ہے کہ "قیصر کا حق قیصر کو دو اور کلیسا کا حق کلیسا کو" جس کا حاصل یہ ہے کہ مذہب کا سیاست میں کوئی عمل دخل نہیں ہے-

دین و سیاست کی تفریق کا یہی نظریہ اس زمانہ میں ترقی کر کے "سیکولرازم" کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے ظاہر ہے کہ اسلام جیسے جامع دین

میں اس طرح کے غلط نظریہ کی کسی طرح بھی گنجائش نہیں ہے اسلام کی تعلیمات ہر شعبہ زندگی سے متعلق ہیں جس میں سیاست بھی داخل ہے اور اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اس لیے دین کے سیاست سے جدا ہونے کا تصور غیر اسلامی اور دین کو ناقص قرار دینے کے مترادف ہے۔ غالباً اسی کی تردید میں علامہ اقبالؒ نے کہا ہے۔

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس مین بھی ایک تعبیری کوتاہی رہ گئی کہ کہنا تو یہ چاہتے تھے کہ "سیاست" کو دین سے الگ نہ ہونا چاہئے اس سے سیاست کے اصل اور دین کے تابع ہونے کا تصور پیدا ہوتا ہے حالانکہ دین مجموعہ ہے عبادات و معاملات و سیاست وغیرہ کا۔ اور سیاست اس کا ایک شعبہ ہے اور شعبہ اصل کے تابع ہوا کرتا ہے۔ اصل شعبہ کے تابع نہیں ہوا کرتی۔ مقصد یہ ہے کہ سیاست کی وجہ سے دین کے کسی حکم کو نہیں بدلا جاسکتا ہے بلکہ سیاست کو دین کے احکام کے تابع رہنا چاہیئے۔

ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر مسلمان اسلام کے دوسرے احکام کی طرح ان احکام پر بھی بقدر قدرت عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کرے اور عوام کا فرض ہے کہ وہ شرعی احکام کے مطابق ایسی حکومت کے قیام کی کوشش کریں مگر یہ بات درست نہیں ہے کہ سیاست اور حکومت اسلام کا مقصود اصلی اور اس کا حقیقی نصب العین اور بعثت انبیاء کا مطمح نظر ہے اور

اسلام کے دوسرے احکام مثلاً عبادات وغیرہ کی حیثیت صرف ثانوی ہے گویا جو چیز وسیلہ تھی اس کو مقصد بنا دیا جائے اور جو مقصد تھا وہ ایک غیر اہم اور وسیلہ بن جائے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں :-

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

الذین ان مکنا هم فی الارض اقاموا الصلوٰة واتوالزکوة وامر وا بالمعروف و نهوا عن المنکر ولله عاقبة الامور"

وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین کی حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰة ادا کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے"

اس سے واضح ہے کہ دیانات مقصود بالذات (اصلی مقصود) ہیں اور سیاسیات و جہاد مقصود اصلی نہیں ہے بلکہ اقامت دیانات کا وسیلہ ہے یہی وجہ ہے کہ دیانت اور احکام دیانت تو انبیاء علیہم السلام کو مشترک طور پر سب کو دیئے گئے اور سیاست و جہاد سب کو نہیں دیا گیا بلکہ جہاں ضرورت و مصلحت سمجھی گئی ورنہ نہیں، وسائل کی بھی شان ہوتی ہے کہ وہ بقدر ضرورت ہی دیئے جاتے ہیں (خاتمة السوانح ص ۵۵ / ۵۶)

آگے اس کے خلاف کا شبہ جو دوسری آیات سے بظاہر نظر واقع ہوتا ہے اس کو رفع فرما کر فرماتے ہیں :

بہر حال واضح ہوا کہ سیاست و دیانت میں سیاست وسیلہ ہے اور دیانت مقصود اصلی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں بلکہ اس کا درجہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصود اصلی نہیں ہے اور دیانت خود مقصود اصلی ہے۔(خاتمہ السوانح ص ۷۵)

خلاصہ یہ کہ نہ تو وہ سیکولر نظریہ ہی درست ہے کہ سیاست اور حکومت میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی یہ خیال صحیح ہے کہ دین کا اصل مقصود ہی سیاست و حکومت ہے۔ دین کا اصل مقصد بندے کا اپنے خالق سے تعلق قائم کرنا ہے جس کا مظاہرہ عبادات و طاعت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ سیاست و حکومت بھی اسی مقصد کی تحصیل کا ذریعہ ہے اس سے واضح ہوا کہ اسلام میں سیاست کا صحیح مقام یہی ہے کہ وہ حصول مقاصد کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔ لہٰذا اسلام میں وہی سیاست و حکومت مطلوب ہے۔ جو اس مقصد تحصیل دیانت یعنی طاعت و عبادت میں مددگار ہو اور جو سیاست اس مقصد کی تحصیل کا ذریعہ نہ ہو وہ ہرگز اسلامی سیاست نہیں ہے۔

سیاست اور اہل مدارس

حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ :-

ایک جماعت ایسی بھی رہنی چاہئے کہ جو خاص حفاظت دیانت اور

تعلیم دین میں مشغول ہو اور وہ جماعت اہل مدارس کی ہی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے میری پختہ رائے یہ ہے کہ طلباء کو سیاست میں ملوث نہ کیا جائے۔ طلباء اگر ان قصوں میں پڑ گئے تو تعلیم سے بھی جاتے رہیں گے اور تربیت بھی ان کی نہ ہوگی۔ چنانچہ جب سے طلباء کو اس سلسلہ میں ڈال دیا گیا ہے ان میں آزادی پیدا ہو گئی ہے۔(خاتمہ)

آج کل ہمارے عزیز طلبہ دین کے جن شعبوں، تعلیم و تعلم، تصحیح عقائد و اعمال تبلیغ و اشاعت وغیرہ میں اشتغال کو سیاست میں حصہ لینے سے کمتر اور فروتر تصور کر کے ان مقدس مشاغل اور اصل خدمت دین کو بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان علمی مشاغل میں اشتغال ہی دین کی اصل خدمت ہے اور جو جماعت علماء اس میں مشغول ہے وہ اپنے اصل فرض منصبی کے انجام دینے میں لگی ہوئی ہے۔ ہمارے اسلاف کرامؒ اور اکابر علماء دیوبندؒ نے بھی اپنی عمروں کا زیادہ تر حصہ اسی تعلیم و تعلم اور تربیت و اصلاح کے مشاغل میں مدارس اور خانقاہوں ہی میں گذارا ہے اور اسی تعلیم و تربیت کو دین کی اہم اور اصل خدمت اور اپنی زندگی کا اصل مقصد قرار دیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ضرورت کے وقت ملکی حالات اور سیاست میں عملی حصہ لیا ہے اور اس شعبہ میں بھی بڑی قابل قدر اور بےمثال خدمات انجام دی ہیں مگر ان کا اصل کام یہ نہیں تھا اصل کام وہی تھا جس میں عمر کا بیشتر حصہ گذارا ہے۔

علماء کا اصل فرض منصبی

علماء کا اصل فرض منصبی اور وظیفہ زندگی احکام شرعیہ کی تحقیق و تنقیح کرنا ہے اور تصنیف و تالیف ' افتاء اور تبلیغ کے ذریعہ دین کی حفاظت و اشاعت ہے- اس لئے علماء کی جو جماعت احکام شرعیہ کی تحقیق و تنقیح وغیرہ میں مصروف عمل ہے- اور اس وجہ سے وہ امور سیاسیہ میں حصہ نہیں لیتی وہ جماعت علماء اپنے اصل فرض منصبی کی ادائیگی میں لگی ہوئی ہے اس لئے باعتبار اپنے منصب کے نہ تو وہ کسی کوتاہی عمل کی مرتکب ہو رہی ہے اور نہ ہی عملی طور پر کسی نقص میں مبتلا ہے اس لئے وہ ہرگز کسی طعن و ملامت کے مستحق نہیں ہے اس پر طعن و ملامت حقیقت سے ناواقفیت اور بے بصیرتی کی دلیل ہے کیونکہ دین کا یہ شعبہ سیاست اپنی ذات کے لحاظ سے خود مطلوب و مقصود نہیں ہے بلکہ دین کے دوسرے شعبوں عقائد و عبادات وغیرہ کے قائم کرنے کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے- جس کی کسی قدر تفصیل اوپر گذر چکی ہے-

تقسیم خدمات کے اصول

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ علماء کی پوری جماعت سیاست میں عملی حصہ لے اور سب کے سب ملکی سیاست اور امور مملکت کے انجام دینے میں بھی مشغول ہو جائیں بلکہ تقسیم

خدمات کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے لئے بقدر کفایت ایک جماعت کا تیار ہو جانا ہی کافی ہے اور یہ بھی جب ہے جب وہ سیاست شرعیہ ہو اور اس میں شریعت کے حدود و قیود کو ملحوظ رکھا گیا ہو- ورنہ آجکل کے بے قید جمہوری سیاست کا تو شرعی معیار پر درست اترنا ہی مشکل ہے اس کی شرکت کو لازمی قرار دینا اور دین کے دوسرے تمام شعبوں پر اس کو فوقیت دینا تو کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا-

جمہوریت

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے متعدد مواعظ ملفوظات و تصانیف میں ثابت کیا ہے کہ جمہوریت اسلامی چیز نہیں ہے اس جمہوریت پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں-

"غرض اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں ہے، اسلام میں محض شخصی حکومت کی تعلیم ہے اور جن مفاسد کی وجہ سے جمہوری حکومت قائم کی گئی ہے وہ سلطنت شخصی میں تو محتمل ہی ہیں اور جمہوری میں متیقن ہیں-(تقلیل الاختلاط مع الانام)

پھر اس کی تفصیل کی گئی ہے جو کہ قابل ملاحظ ہے- مزید ارشاد ہے

"بعض لوگوں کو یہ حماقت سوجھی کہ وہ جمہوری سلطنت کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعوئ کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہی کی

تعلیم ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وشاورھم فی الامر مگر یہ غلط ہے ان لوگوں نے مشورہ کی دفعات ہی کو دفع کر دیا اور اسلام میں مشورہ کا جو درجہ ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا۔ دوسرے اس آیت میں صرف حکام کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ رعایا سے مشورہ کر لیا کریں رعایا کو تو یہ حق نہیں دیا گیا کہ از خود استحقاقاً حکام کو مشورہ دیا کرو، چاہے وہ مشورہ لیں یا نہ لیں، اہل مشورہ ان کو مشورہ سننے پر مجبور کر سکیں۔ جب رعایا کو از خود مشورہ دینے کا کوئی حق بدرجہ لزوم نہیں ہے تو پھر اسلام میں جمہوریت کہاں ہوئی کیونکہ جمہوریت میں تو پارلیمنٹ کو از خود رائے دینے کا حق ہوتا ہے۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام)

کثرت رائے

جمہوریت میں کثرت رائے کو ایسا مقام دے رکھا ہے کہ اس کا کوئی فیصلہ رد نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنی تالیفات اور مواعظ و ملفوظات میں کثرت رائے کو معیار حق قرار دینے کی جا بجا تردید فرمائی ہے۔ ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ :-

آج کل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرت رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے۔ صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ معلوم ہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے کیا ان عوام کالانعام کی؟ اگر انہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی رائے پر عمل نہیں کیا؟

ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف، آخر انہوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار نہ کی؟ کیوں تفریق قوم کا الزام اپنے سر لیا۔ اس لئے کہ وہ قوم جاہل تھی اس کی رائے جاہلانہ رائے تھی۔ (فضائل العلم)

مطلب واضح ہے کہ عوام کی کثرت رائے کبھی معیار حق نہیں ہو سکتی" کیونکہ عوام میں کثرت عموماً بے علم یا کم علم لوگوں کی ہوتی ہے۔

ایک موقعہ پر ارشاد ہے کہ :-

مولانا محمد حسین الہ آبادی مرحوم نے سر سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہو، کیونکہ قانون فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بیوقوف زیادہ، تو اس قاعدے کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بیوقوفی کا فیصلہ ہوگا" (تقلیل الاختلاط مع الانام)

آگے چل کر اسی وعظ میں حضرت تھانوی نے کثرت رائے کی لازمی حقانیت کے خلاف حضرت صدیق اکبر کے اس طرز عمل کی مثال بھی دی ہے کہ :-

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف جہاد کا ارادہ فرمایا۔

حضرت عمر سمیت بیشتر صحابہ کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں کے

ساتھ جہاد نہ کیا جائے لیکن حضرت صدیق اکبرؓ اپنی رائے پر قائم رہے اور اسی کے مطابق فیصلہ بھی ہوا- اور بعد میں سب لوگوں نے یہ اعتراف کیا کہ صائب رائے یہی تھی"

غرضیکہ حضرت والا نے کثرت رائے کو معیاری حق قرار دینے کے نظریہ پر شرعی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل سے تنقید فرمائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ نظریہ شرعی اور عقلی دلائل کی رو سے غلط اور فطرت کے خلاف ہے-

جدید علم سیاست کے بعض حقیقت پسند ماہرین نے بھی جمہوریت کے ان نقائص کو تسلیم کیا ہے- اس کی تفصیل مولانا محمد تقی عثمانی کے مقالہ "حکیم الامت کے سیاسی افکار" اشاعت خاص ماھنامہ الحسن" جامعہ اشرفیہ لاہور میں قابل ملاحظہ ہے-

جمہوریت کے بارہ میں علامہ اقبال مرحوم نے بھی اسی قسم کے رائے کا اظہار کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں-

"جمہوریت وہ طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"

ایک اور جگہ کہتے ہیں-

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کار شو
کہ از مغز دو صد خر فکرے انسانی نمی آید

علامہ اقبال نے اپنے ان اشعار میں جمہوری طرز حکومت کی خرابی بیان کر کے اس سے اجتناب کرنے کو کہا ہے اور شخصی طرز حکومت "غلامے پختہ کارے شو" پر عمل کرنے کی ہدایت کی ہے- اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اس کثرت رائے کے فیصلہ میں بھی وہ خرابی موجود ہے جو شخصی رائے میں بیان کی جاتی ہے-

تو اب بتلایئے کہ ایک شخص کی غلامی اور استبداد سے پارلیمنٹ کی غلامی اور اس کا استبداد کیوں افضل ہے- یقیناً بیس تیس آدمیوں کی غلامی سے ایک کی غلامی بہتر ہو گی- (ارشادات حکیم الامت ص ۵۳۴)

اصل میں جمہوریت مغرب کی ایجاد ہے بعض لوگوں نے اسلام میں بھی جمہوریت کو ثابت کرنا شروع کر دیا حالانکہ اسلام اس غیر فطری جمہوریت کا قائل نہیں ہے- جیسا کہ اوپر شرعی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے اور کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھنا اور اس کو معیاری قرار دینا بھی شرعاً غلط ہے اور اس کا قانون فطرت کے خلاف ہونا بھی اوپر ثابت کر دیا گیا ہے- حکیم الامت تھانوی کی سیاسی خدمات کے زیر عنوان مقالہ کو حضرت کے ان مختصر مگر جامع ارشادات کی روشنی میں ملاحظہ کرنا چاہئے-

حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت فنِ تجوید و قرآت

قرآن فہمی اور معانی قرآن سے متعلقہ علوم میں تو حضرت والا

نہایت بلند مقام پر فائز تھے ہی جیسا کہ علوم قرآنی سے متعلقہ آپ کی تصانیف سے ظاہر ہے اور اس مجموعہ مقالات اشرفیہ سے بھی واضح ہے اس کے ساتھ ہی آپ الفاظ قرآنی کے بھی ماہر اور فن تجوید و قرآت کے بھی امام تھے۔ الفاظ قرآنی کے موضوع پر بھی آپ نے مختلف انداز سے تقریباً دس کتابیں لکھی ہیں اور آپ کے مواعظ اور دسری تصانیف میں بھی اس فن تجوید و قرآت سے متعلق جابجا عمدہ تحقیقات ملتی ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ " حضرت تھانوی کی علم تجوید و قرات کے متعلق خدمات جلیلہ "

وھوالموفق والمعین وھو حسبی ونعم الوکیل

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

حکیم الامت مجدد الملت محی السنت

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

اور

آپ کی تفسیری خدمات جلیلہ

یادگار اسلاف فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی رح

بانی و مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

اعتراف تقصیر

اور انتساب

زیر نظر یہ مختصر تفسیری مقالہ حضرت حکیم مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مفسر ہونے کی حیثیت اور فن تفسیر میں آپ کے مقام و مرتبہ کو واضح کرنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔

اس مقالہ اشرف میں حکیم الامت تھانویؒ کی بے نظیر تفسیر ''بیان القرآن'' اور آپ کی تفسیری خدمات کے تعارف کے ساتھ 'بیان القرآن اور حضرت ممدوح کے مواعظ و ملفوظات سے قرآن کریم کی بعض نادر تفسیری تحقیقات اور متعدد ابحاث لطیفہ اور نکات دقیقہ کا نمونہ دکھلایا گیا ہے۔ احقر کو اپنی کوتاہی علم و فہم اور تقصیر کا اعتراف ہے کہ جس درجہ کے علم اور فہم کی ایسے بلند پایہ علمی مقالہ کے لیے ضرورت تھی احقر کا دامن اس سے یکسر خالی ہے۔ یقیناً اس مقالہ کا اس حقیر سے حق ادا نہیں ہو سکا۔ ناظرین کرام سے امید ہے کہ احقر کہ لفظی اور معنوی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر اور مسامحت کا معاملہ فرمائیں گے کہ اپنی حالت اس شعر کے مصداق ہے۔

نہ بنقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم
نفسے بیاد تو میکشم چہ عبارت وچہ معانیم

یہ جو کچھ پیش کیا جارہا ہے چونکہ حضرت حکیم الامتؒ تھانوی کے فیوضات وافادات کا مجموعہ ہے اس لیے احقر اپنی اس حقیر سعی کو حضرت ہی کے نام نامی اور اسم "اشرف" سے منسوب کرتا اور "اشرف المقالات" کے عنوان سے معنون کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے کہ یہ سب آن ممدوحؒ کے ہی فیوضات کا صدقہ اور آپ کی ہی برکات عالیہ کا ثمرہ ہے۔

احقر کی حیثیت محض ناقل ومرتب کی ہے۔

اهدی لمجلسه الکریم وانما
اهدی له ماحزت من نعمائه
کالبحر یمطره السماء ومائه
فضل علیه فانه من مائه

مواعظ اور ملفوظات کے علاوہ حضرت حکیم الامتؒ کی تفسیر بیان القرآن کا تو ہر ہر مقام اور ہر ہر تحقیق ہی نہایت عجیب وغریب اور نفیس و لطیف بیان کے قابل اور پیش کرنے کے لائق ہے مگر بعض بعض مقامات تو بہت ہی قابل قدر اور مستحق توجہ ہیں۔ان میں سے چند مقامات کا تذکرہ اس زیر نظر مقالہ میں آ بھی گیا ہے۔مگر پھر بھی بہت سے مقامات ایسے ہیں جن کو بیان القرآن کی خصوصیات میں شمار کیا جانا چاہیے اور ان کا ذکر اس مقالہ میں نہیں آسکا مثلاً قصہ ہاروت وماروت میں جس توسط اور اعتدال کی راہ کو اختیار

فرمایا گیا۔اسی طرح آیت لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر اور سورۃ عبس کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں حضور اقدس ﷺ کے مقام ومرتبہ کی رعایت کے ساتھ عتاب قرآنی کا ذکر کیا گیا اور آیت کریمہ ولقد همت به و هم بها کی تفسیر میں ایک نبی علیہ السلام کی عصمت کا کامل تحفظ کیا گیا ہے۔نیز حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ (پ ۲۳) میں حضرت حکیم الامت نے جس احتیاط سے کام لیا ہے وہ حضرت تھانویؒ کی علمی بصیرت اور فقہی مہارت کے کمال کا عظیم نمونہ ہے" اور اسی طرح کے بہت سے مقامات کی تفسیر میں بڑے ہی جامع اور تشفی بخش معقول ودلنشین اسلوب بیان کو اختیار فرمایا گیا ہے۔جن کی طرف اہل علم کو خصوصی توجہ کرنے اور خصوصیت کے ساتھ حضرت حکیم الامتؒ کے علوم ومعارف قرآنیہ سے مستفید ہونے اور ان کی قدر کرنے کی ضرورت ہے' غرضیکہ اس تفسیر کے محاسن اور خوبیوں پر نظر کرتے ہوئے ہر طرح سے شعر ذیل اس کے مناسب حال معلوم ہوتا ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو زداماں گلہ دارد

اب دعاء ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ اس مقالہ اشرف کو حسن قبول سے نوازیں اور اس کا نفع ہر خاص وعام کے لیے عام وتام فرمائیں آمین

بحرمت سید المرسلین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

بحمد اللہ آج ۷ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ بروز سہ شنبہ بوقت چاشت اس مقالہ پر نظر ثانی سے فراغت حاصل ہوئی۔ فللہ الحمد اولاً واخراً ظاھراً وباطناً۔فقط

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال۔سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تالیف

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ ہیچمد ان عرض گذار ہے کہ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان نے حضرت اقدس حکیم الامت مجدد ملت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ السامی کی دینی خدمات کے مختلف موضوعات پر تعارفی مقالات لکھنے کی تجویز منظور کی اور جن علماء کے سپرد یہ خدمت کی گئی ازراہ حسن ظن اس ناکارہ کو بھی ان میں شمار کر لیا' اور احقر کی نااہلی اور علمی بے بضاعتی کے باوجود اس "علمی مذاکرہ" اور "بزم اشرف" میں شرکت کا حکم دیا۔

اپنی حالت کے پیش نظر تو اس خدمت سے عذر کر دینا ہی مناسب تھا اور اسی لیے اس تجویز کے علم کے بعد اس سلسلے میں کوئی کام شروع نہیں کیا گیا۔ مگر مولانا وکیل احمد صاحب سلمہ' کے مکرر اصرار نے مجلس کی تجویز کی تعمیل پر طبیعت کو آمادہ کیا اور اس "کار اشرف" میں شرکت کی جرأت دلائی۔

چنانچہ مولانا موصوف سے استشارہ کے بعد ارادہ کر لیا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی مختلف النوع جلیل القدر دینی خدمات میں سے تفسیر میں جو خدمات جلیلہ حضرت ممدوحؒ نے انجام دی ہیں اور اس فن شریف کی

حیثیت مفسر جو عظیم خدمت حضرت موصوفؒ کی زبان و قلم سے ظہور میں
آئی ہے اس کو بہت ہی محدود وقت میں اپنی محدود و ناقص معلومات کے
مطابق مرتب کر کے پیش کر دیا جائے اور آں ممدوحؒ کی تفسیری تالیفات و
مقالات کا اجمالی تعارف کرا دیا جائے۔

تعارف کا مقصد اور موضوع کی اہمیت

اس عظیم موضوع کو اختیار کرنے اور حضرت ممدوحؒ کی تفسیری
معیاری حیثیت اور تفسیری خدمات عظیمہ کے تذکار و تعارف کا مقصد
ناظرین پر ان خدمات جلیلہ کی اہمیت و نافعیت کا واضح کرنا اور ان سے خصوصی
طور پر استفادہ کرنے کی ضرورت کا احساس دلانا ہے۔

فتنہ کبریٰ

اس دور فساد و الحاد میں تفسیر قرآن کریم کی شرائط اور سلف صالحین
کی تفسیروں سے آزاد بے نیاز ہو کر زبان و بیان کے نام سے بعض اہل قلم نے
قرآن کریم کے معنی اور مقصد میں تحریف و تبدل کرنے اور تفسیر بالرائے کا
فتنہ برپا کیا ہوا ہے۔

حق تعالیٰ نے اپنی اس سنت قدیمہ کے موافق کہ ہر فتنے کے
مقابلے و اصلاح کے لیے اس وقت کے اکابر اہل اللہ کے قلب و دماغ میں
داعیہ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حساس قلب و

دماغ میں تحریف قرآن اور تفسیر بالرائے کے اس فتنہ کبریٰ کے استیصال و
اصلاح کے لیے تقاضا پیدا فرما کر حضرت ممدوح کو اس کے مقابلے کے لیے
مخصوص و موفق فرما دیا۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے حکیم الامت تھانویؒ سے چودھویں صدی
ہجری میں جس طرح عمومی طور پر پورے دین کے تحفظ و احیاء اور اس کے
ہر شعبہ' عقائد اور عمال و اخلاق سے لے کر معاملات و معاشرت تک می
تجدید و اصلاح کا بڑا ہی قابل قدر کام لیا ہے۔ اسی طرح خصوصیت کے ساتھ
تفسیر بالرائے کے اس فتنہ کبریٰ کے استیصال اور تحریف قرآن کے مقابلے
میں بھی حضرت موصوفؒ کو بہت سی گرانقدر تجدیدی و اصلاحی تفسیری
خدمات انجام دینے کی توفیق بخشی تھی۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تقاضائے وقت کے مطابق اس اہم
قرآنی خدمات جلیلہ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور بعض معاصرین کے
تفسیری اغلاط اور خلاف احتیاط ترجموں کی اصلاح کا فرض انجام دیا اور بعض
آزاد خیال لوگوں کے شبہات و اشکالات کو بھی رفع فرمایا۔

حضرت حکیم الامت کے اصلاحی اور تفسیری رسائل

اس اصلاحی اور تجدیدی عظیم خدمت تفسیر کے تفصیلی تعارف کے
لیے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے تفسیری رسائل ذیل کا مطالعہ بہت

ضروری ہے۔

(۱) التقصیر فی التفسیر۔ (۲) اصلاح ترجمہ دہلویہ۔ (۳) اصلاح ترجمہ مرزا حیرت۔ (۴) توحید الحق۔ (۵) اصلاح تفسیر سر سید۔

(۶) تنزیہ علم الرحمٰن عن سمۃ النقصان مع ضمیمہ۔ (۷) الہادی للحیہ ان فی وادی تفصیل البیان۔ (۸) رسالہ تمہید الفرش فی تحدید العرش۔ (۹) رسالہ التواجہ بما یتعلق بالتشابہ۔ (۱۰) رسالہ شق الجیب عن حق الغیب۔ (۱۱) رسالہ ملاحۃ البیان فی فصاحۃ القرآن۔ (۱۲) رسالہ القاء السکینہ فی تحقیق ابداء الزینہ۔

پہلے تین رسالے کتابی شکل میں علیحدہ شائع ہو کر اب تقریباً نایاب ہو چکے ہیں۔ البتہ ان کے بعد کے چاروں رسائل اور رسالہ "ملاحۃ البیان" "امداد الفتاویٰ" کا جزو ہو کر اور باقی رسائل "بوادر النوادر" حصہ دوم میں شامل ہو کر بحمد للہ شائع ہو رہے ہیں۔ ایک اور رسالہ (۱۳) "رفع البناء فی نفع السماء" بیان القرآن جلد اول کا جزو بنادیا گیا ہے۔ اسی طرح رسالہ ۱۴ "مسائل السلوک" جس میں سلوک کے مسائل پر آیات قرآنیہ سے نصاً یا استنباطاً استدلال کیا گیا ہے۔ بیان القرآن کے حاشیہ پر طبع ہو رہا ہے۔ دوسرا رسالہ (۱۵) وجوہ المثانی جس میں قراۃ سبعہ کے اختلاف سے معانی میں جو اختلاف ہوتا ہے اس کی توجیہ کی گئی ہے۔ بیان القرآن کی ہر جلد کے ساتھ لگایا گیا ہے۔ ایک رسالہ۔ (۱۶) "تائید الحقیقہ بآیات العتیقہ" "التکشف کا جزبنا

دیا گیا۔ ہمارے عزیز نوجوان طلباء علوم دینیہ کو خصوصیت سے ان نادر تحقیقات اور قیمتی جواہرات کے مطالعے کی سخت ضرورت ہے۔ مگر ہر شخص کو ان تمام رسائل کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی صاحب ہمت فرمائیں اور ان دینی علمی قیمتی جواہر پاروں کو جمع کر کے مجموعی شکل میں یکجا شائع کرنے کا اہتمام کر دیں۔ تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی اس دینی اور تفسیری اصلاحی خدمت سے استفادہ عام اور سہل الحصول ہو کر یہ خدمت قرآن بہت زیادہ نافع اور مفید ہو سکتی ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

تفسیر بیان القرآن

اس مذکورہ اصلاحی اور تجدیدی عظیم تفسیری خدمت کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے یہ نہایت بلند پایہ تفسیری خدمت انجام دی کہ سلف صالحین کے مسلک کے عین مطابق ایک معیاری تفسیر بنام "بیان القرآن" لکھی جس میں تفسیر کے ساتھ صحیح اور بامحاورہ اردو ترجمہ لکھ کر امت پر احسان عظیم فرمایا اور قرآن کریم کے صحیح معانی و مطالب کی تبیین و توضیح اور بیان و تشریح کا حق ادا کر دیا۔ جزاھم اللہ خیرا

تفسیر بیان القرآن کی زبان اور اس کا اسلوب بیان خالص علمی اور اصطلاحی ہے۔ یہ تفسیر اپنی جامعیت مضامین اور طرز استدلال کی نفاست و معقولیت کے لحاظ سے زمانہ حاضرہ کی تفاسیر میں اشرف التفاسیر کہلانے کی

مستحق ہے۔ قرآن حکیم کے اسرار و حکم اور حقائق و معارف، نکات و لطائف
کے بیان اور قرآنی دقائق و غوامض اور مشکلات کے حل کرنے میں یہ تفسیر
حددرجہ مفید اور اپنی نظیر آپ ہے۔

تبیان

یہ تفسیر بیان القرآن کے متعلق حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے
ان تقریری افادات کا مجموعہ ہے جن کو مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
ہمشیر زادہ حضرت موصوفؒ نے اس تفسیر کے پڑھتے وقت تحریر میں ضبط
کرلیا تھا۔ مگر نامکمل ہے۔ اگر مکمل ہو جاتا تو ناظرین کے ہاتھ میں بیان
القرآن کی عجیب و غریب شرح آجاتی۔ حضرت تھانویؒ اس کا تعارف کراتے
ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

"تبیان ایک مختصر مجموعہ ہے احقر کی بعض تقریرات کا جو میرے
ہمشیرہ زادہ عزیزی مولوی سعید احمد مرحوم نے مجھ سے تفسیر کے مختلف
مقامات پڑھتے وقت ضبط کرلی تھیں مگر ان کی وفات ہو جانے سے اس کی
تکمیل کی نوبت نہ آئی" (حاشیہ بیان القرآن)

تفسیری مواعظ

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس تفسیر کے علاوہ سینکڑوں کی
تعداد میں مطبوعہ مواعظ بھی موجود ہیں جو اکثر و بیشتر قرآنی آیات کی تشریح
و استنباط پر مبنی اور عجیب و غریب الہامی تفسیری حقائق و نکات پر مشتمل ہیں
اور لطف یہ ہے کہ قرآنی مشکلات اور دقائق کا بہ نسبت بیان القرآن کے ان
مواعظ میں آسان زبان اور عام فہم طریقہ سے حل اور بیان فرمایا گیا ہے، کاش
کوئی صاحب ہمت فرما کر ایسے مضامین کا مختصر مجموعہ تیار کرتا اور ترجمہ قرآن
کے حاشیہ پر یہ مجموعہ طبع ہو جاتا تو بہت سے بندگان خدا کے لیے نافع اور
مفید ہوتا۔

تفسیر سے خصوصی مناسبت

حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کو حق تعالیٰ نے جملہ علوم نقلیہ
شرعیہ اور فنون عقلیہ میزانیہ میں کامل مہارت اور تبحر کی نعمت عطا فرمائی
تھی۔ مگر منجملہ دوسرے انعامات الٰہیہ کے ایک خصوصی انعام حضرت اقدس
پر یہ تھا کہ حضرت ممدوح کو علوم القرآن اور تصوف کا خصوصی ذوق مرحمت
فرمایا گیا تھا، اور علم تفسیر اور تصوف کے ساتھ امتیازی اور معیاری مناسبت
سے حضرت موصوف کو نوازا گیا تھا۔

علم تفسیر اور تصوف حضرت موصوفؒ کے خصوصی فن تھے ان دونوں علوم
میں آپ کی تصانیف بیان القرآن کے علاوہ "التکشف عن مہمات التصوف"
اور "التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف" "مسائل السلوک" نیز دوسرے
رسائل اور سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے مواعظ آپ کی اس خصوصی

مناسبت پر شاہد عدل ہیں جو علوم قرآن و تصوف سے لبریز اور مشکلات قرآنی کے حل سے پر ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی بشارت

علم تفسیر و تصوف کے ساتھ خصوصی مناسبت کے حصول کی بشارت حضرت ممدوح کے پیر روشن ضمیر عارف باللہ قطب عالم حاجی امداد اللہ شاہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ نے پہلے ہی دے دی تھی اور اس مرشد عالم نے اپنی نگاہ بصیرت سے اس مخفی جوہر اور پوشیدہ استعداد کو پہلے ہی تاڑ لیا تھا۔ بعد میں حضرت تھانویؒ کی تصانیف اور مواعظ وغیرہ کے ذریعہ جب ان کا ظہور ہوا تو سب نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ حضرت شیخ عارف کی نگاہ بصیرت کس قدر صحیح تھی اور یہ بشارت حضرت تھانویؒ کے حق میں کیسی مبنی بر حقیقت تھی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا فیض صحبت

پھر چونکہ حکیم الامت کو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث اور اپنے زمانے کے شاہ عبدالعزیزؒ ثانی کے فیض صحبت سے فیضیاب ہونے کا شرف بھی عرصہ دراز تک حاصل رہا ہے اور "حضرت الاستاذ" کے تفسیری ذوق اور خصوصی وہبی علوم کا بھی وافر حصہ حضرت ممدوحؒ کو میسر آگیا تھا۔ اس طرح بھی فطری

صلاحیت و مناسبت اور ذاتی استعداد و قابلیت میں اضافہ ہوا اور اس شرف مجالست و مصاحبت نے مزید جلا بخشا۔ حضرت اقدس تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ خداتعالیٰ نے مشائخ ہی ایسے دیئے تھے جن کی باتوں سے ایسی تسلی آجاتی تھی جس سے کتب بینی سے استغناء ہو گیا۔ (اشرف السوانح)

اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ حکیم الامت تھانویؒ حضرت الاستاذ مولانا یعقوب نانوتویؒ کے تفسیری ذوق کے وارث اور صحیح جانشین اور ان کے علوم و معارف کے امین و محافظ تھے۔

زیر نظر مقالہ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو مفسر ہونے کی حیثیت میں دکھلانے کی مختصر طریقے سے ہی کوشش کی گئی ہے اور جہد المقل دموعہ کے طور پر حضرت حکیم الامت کے علوم و معارف قرآنیہ کی ادنیٰ سی جھلک اس میں دکھلائی گئی ہے جس سے مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کی تجویز پر عمل اور اس کے حکم کی تعمیل مقصود ہے۔ ورنہ حضرت حکیم الامتؒ علوم و معارف قرآنیہ کے بحر ذخار اور سمندر ناپیدا کنار تھے۔ تفصیلی طور پر آپ کی تفسیری حیثیت کسی ایک مقالے میں کیونکر پیش کی جاسکتی ہے اور حضرت ممدوح کے مفسر ہونے کی حیثیت کو کسی ایک تحریر سے پورے طور پر کیسے واضح کیا جاسکتا ہے۔

مفسر کے شرائط

قرآن کریم کی تفسیر کے لیے مفسر کو جن علوم و فنون میں مہارت

تامہ کا ہونا ضروری ہے اور ماہر اساتذہ اور تجربہ کار اہل فن کی نگرانی میں ان
علوم کی تحصیل کیے بغیر علم تفسیر میں قدم رکھنا جائز نہیں ہے- وہ علوم
حسب تصریح علامہ سیوطیؒ پندرہ ہیں-(۱)لغت- (۲) نحو-(۳)صرف
(۴)- اشتقاق -(۵) معانی -(۶) بیان -(۷) بدیع -(۸)علم قرأت-
(۹)اصول دین -(۱۰) اصول فقہ -(۱۱) اسباب نزول -(۱۲) ناسخ و
منسوخ-(۱۳) فقہ -(۱۴) علوم الموہبت- (۱۵)حدیث

علم الموہبت

علم الموہبت سے مراد وہ موہوب علم ہے جو اپنے علم پر عمل کرنے
کے صلہ میں بطور ثمرہ عمل قلب پر القاء فرمایا جاتا ہے' اور اکتساب کے دخل
کے بغیر اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و الطاف سے ان علوم و معارف کا انکشاف
اپنے بندے کے دل پر بطور کرامت الہام فرماتے ہیں-ایسی حالت کشفیہ کے
لیے جس سے معارف لدنیہ اور حقائق علمیہ منکشف ہوتے اور علوم وہبیہ عطا
فرمائے جاتے ہیں' شرط ہے کہ اس کا قلب بدعت' دعویٰ' اور کبر' حب دنیا
وغیرہ' رذائل سے پاک صاف ہو-بغیر تزکیۂ نفس اس کرامت موہبت سے
کسی کو مشرف نہیں کیا جاتا- اس کرامت کا حصول باطنی تزکیہ پر موقوف
ہوتا ہے-اس لیے باوجود محض موہوب ہونے' اور بغیر اکتساب کے محض
فضل الٰہی سے حاصل ہونے کے پھر بھی اس علم موہبت کی تحصیل بندے کی

قدرت کے تحت ہے-کیونکہ اس کے اسباب کی تحصیل میں بندے کے عمل
اور قدرت کا دخل ہوتا ہے-اس علم الموہبت کے عطا کی ایک شرط یہ بھی
ہے کہ تفسیر کے بارے میں کسی قول پر دلیل کے بغیر اعتماد نہ کرتا ہو ورنہ علم
موہوب سے محرومی ہوگی-

اس علم موہوب کی طرف حدیث ذیل میں بھی اشارہ ہے-

"من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم" جس نے
اپنے علم پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اس کا نامعلوم علم کا وارث بنائیں گے"

حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ' ان تمام علوم ضروریہ
متعلقہ تفسیر اور شرائط مفسر کے جامع اور حامل تھے حضرت ممدوحؒ نے ان
تمام ہی علوم و فنون کو اپنے زمانے کے ماہر اساتذہ کرام اور فضلائے عظام کی
تربیت و نگرانی میں حاصل کیا تھا اور اپنے وقت کے اہل اللہ اور مشائخ طریقت
سے تربیت باطنی اور تزکیۂ نفس کے اعلیٰ مراحل طے کیے تھے-بفضلہ تعالیٰ
حضرت ممدوحؒ اپنے اساتذہ اور مشائخ طریقت کی تعلیم و تربیت کی برکت
سے ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ اور تمام اصول و فروغ کے فاضل اور ورع و تقویٰ
کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے- علم و عمل اور ورع و تقویٰ کی جامعیت کے سبب
خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے علم موہبت بھی حضرت ممدوحؒ کو اس درجہ کا
عطا فرمایا گیا کہ اس نظیر اس زمانے میں تو کیا پہلی صدیوں میں بھی بہت ہی
کمیاب ہے-

بیان القرآن کا اجمالی تعارف اور اسکے محاسن و خصوصیات

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ضروریات زمانہ کی رعایت سے بنام بیان القرآن ایک ایسا ترجمہ مع مختصر تفسیر لکھا جس کی زبان اور طرز بیان نیز تقریر مضامین میں زمانہ کی حالت وضرورت اور مذاق وطبیعت کا لحاظ رکھا گیا اس کے ساتھ ہی ایسے ضروری مضامین جن کا تعلق قرآن کریم سے ہے سب کو اس میں جمع کر دیا گیا یہ ترجمہ و تفسیر آخر ربیع الاول ۱۳۲۰ھ کو شروع ہوا- مگر پارہ اول کا ربع لکھنے کے بعد کافی عرصے تک درمیان میں توقف رہا پھر وسط محرم ۱۳۲۳ھ سے لکھنے کا کام دوبارہ شروع اور ۱۳۲۵ھ میں اس بے نظیر تفسیر اور ترجمے کا کام مکمل ہوا- (بیان القرآن)

اکابر کی آراء

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب محدث دارالعلوم دیوبند قدس سرہ' اپ مقدمہ ترجمہ قرآن مجید میں اس ترجمہ کے بارے میں فرماتے ہیں-

"بندہ کے احباب میں بھی اول مولوی عاشق الٰہی صاحب سلمہ' ساکن میرٹھ نے ترجمہ کیا اور اس کے بعد مولانا اشرف علی صاحب سلمہ'

اللہ نے ترجمہ کیا- احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا جو ان خرابیوں سے پاک اور صاف اور عمدہ ترجمے ہیں (مقدمہ ترجمہ شیخ الہند ص ۱)

حضرت تھانویؒ کے اس ترجمہ کو تفصیلی مطالعہ کے بعد حضرت شیخ الہندؒ (جو حضرت تھانویؒ اور دوسرے اکابر علماء دیوبند کے استاذ گرامی بھی تھے اور حضرت تھانوی فرط عقیدت کی بنا پر ان کو شیخ العالم کہا کرتے تھے) کی طرف سے اس ترجمے کے عمدہ اور جملہ خرابیوں سے پاک صاف ہونے کی شہادت بڑی وزنی اور وقیع ہے اور اس ترجمے کی معیاریت اور عظمت کے لیے بہت بڑی سند کی حیثیت رکھتی ہے-

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ

دوسرے تمام مقتدر علمائے کرام کی نگاہ میں بھی اس ترجمے اور تفسیر کا مقام بہت بلند اور اس کی معیاری حیثیت سب کے نزدیک مسلم ہے حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا تاثر بھی یہی تھا کہ اس تفسیر کی افادیت کا دائرہ صرف عوام اردو دانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ تفسیر عوام سے بڑھ کر خواص اور علماء کے لیے زیادہ نافع اور قابل مطالعہ ہے چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں-

"مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اردو میں یہ تفسیر عوام کے لیے ہوگی مگر یہ تو علماء کے دیکھنے کے قابل ہے" (از ماہنامہ معارف ماہ صفر ۱۳۶۳ھ)

مولانا انظر شاہ لکھتے ہیں

بیان القرآن یعنی قرآن حکیم کی تفسیر جسے مولانا تھانوی کے علم ریز قلم نے تیار کیا جب اس کا مطبوعہ نسخہ دیوبند پہنچا اور شاہ صاحبؒ نے بالاستیعاب اس کا مطالعہ کیا تو طلبا سے درس بخاری میں ارشاد فرمایا کہ ''میں نے اپنے ذوق علمی کو محفوظ رکھنے کے لیے اردو مطالعہ سے ہمیشہ پرہیز کیا تاآنکہ اپنی نجی مراسلت کی زبان بھی عربی اور فارسی ہی رکھی اور ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ اردو کا دامن علم و تحقیق سے خالی ہے لیکن مولانا تھانویؒ کی تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اپنی رائے میں ترمیم کرنا پڑی اور اب سمجھتا ہوں کہ اردو بھی بلند پایہ علمی تحقیقات سے بہرہ ور ہے یہ واقعہ ہے کہ ''بیان القرآن'' جیسی چست تفسیر دیکھنے میں نہیں آئی'' (نقش دوام ص ۲۷۶)

علامہ سید سلیمان ندویؒ

اس ترجمے اور تفسیر کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں :-

'' قرآن کریم کا سلیس بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی جس سے احقر کی نظر میں بڑے بڑے تراجم خالی ہیں- قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے- لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے اس لیے تمام اردو خوانوں کے فہم سے بالا ہے۔ مولانا

تھانویؒ کے اس ترجمے میں دونوں خوبیاں یکجا ہیں یعنی ترجمہ صحیح اور زبان فصیح ہے اس ترجمے میں ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اس زمانے میں کم فہمی یا ترجموں کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں ان کا ترجمہ ہی ان میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی اس ترجمے کے پڑھنے سے پیش نہ آئیں اور پھر قرآن پاک کے لفظوں سے عدول بھی ہونے نہ پائے اس لیے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین میں ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہیں یہ مولانا تھانویؒ کی عظیم الشان خدمت ہے'' (از معارف مذکور)

نیز علامہ سید سلیمان ندوی تفسیر بیان القرآن کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں-

''اس تفسیر کی حسب ذیل خصوصیتیں ہیں سلیس و بامحاورہ حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ نیچے ف کے اشارہ فائدہ سے آیت کی تفسیر میں روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے- فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے- لغات اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق فرمائی گئی ہے- شبہات و شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے- صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کیے گئے ہیں- تمام کتب تفسیر کو سامنے رکھ کر ان میں کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے اہل علم کے لیے عربی لغات اور نحوی اور تراکیب کے مشکلات حل کیے گئے ہیں-(معارف مذکور)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

حضرت مفتی صاحبؒ نے بیان القرآن کا تعارف ذیل کے الفاظ میں کرایا ہے۔ سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ' نے اصل تفسیر بیان القرآن کو اس انداز میں لکھا ہے کہ متن کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ ہی اس کی تفسیر و توضیح قوسین کے درمیان فرمائی ہے' ترجمہ کو اس کے اوپر خط دے کر اور تفسیر کو بین القوسین لکھ کر ممتاز کر دیا ہے اس طرح خط کشیدہ الفاظ میں ترجمہ قرآن ہے۔ بین القوسین اس کی تفسیر"

(از معارف القران)

حضرت مفتی صاحبؒ اور لکھتے ہیں :۔

حضرت تھانوی قدس سرہ' کی تفسیر بیان القرآن میں لغت' نحو' ادب' بلاغت کے علاوہ فقہ' عقائد' کلام فلسفہ' اور ہیئت' تصوف اور متعلقہ روایات کے عنوان حواشی میں ارقام فرمائے گئے ہیں ان عنوانات کے تحت میں بڑی بڑی کتابوں کی مبسوط و مفصل بحثوں کا خلاصہ نتیجہ نکال کر رکھ دیا گیا ہے"

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں

"ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں ان تین علماء ربانیین اور راسخین فی العلم (شاہ ولی اللہ دہلویؒ شاہ عبدالقادر دہلویؒ شاہ رفیع الدین دہلویؒ

کے تین نہایت صحیح اور بے مثال ترجمے پہنچ گئے تو اب اس منزل کے طے ہونے کے بعد ضرورت اس کی تھی کہ اردو زبان میں قرآن کریم کی کوئی مختصر اور جامع تفسیر لکھی جائے۔ جس میں فقط حل مطالب اور ربط آیات کا خاص اہتمام کیا جائے۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح اقوال مختلفہ میں سے ارجح الاقوال پر اکتفا اور اقتصار کیا جائے اور لطائف و نکات اور مذاہب باطلہ کی تردید کی تفصیل سے گریز کیا جائے تاکہ خاص و عام اس سے نفع اٹھا سکیں۔ یہ خدمت اور یہ سعادت من جانب اللہ حکیم الامت حضرت مولانا حافظ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ قدس اللہ سرہ کے حصہ میں آئی اور بیان القرآن کے نام سے ۱۳۲۵ھ میں ایک تفسیر لکھی جو اپنی افادیت اور جامعیت اور مقبولیت میں ثریٰ سے ثریا تک پہنچ گئی۔

(معارف القرآن ص ۵)

ایک مشہور اہل قلم اور صاحب طرز ادیب لکھتے ہیں۔

"حضرت تھانویؒ کے ترجمے میں زبان و بیان کی جو لطافت اور شیرینی ہے اس میں بھی وہ اپنی نظیر آپ ہے رہے علمی نکات اور تفسیری لطائف ان کا تو ذکر ہی کیا"

مزید لکھتے ہیں۔

"یہ کرامت آپ کے بیان القرآن ہی میں دیکھی کہ پختہ مسلمانوں کے لیے تو ہے ہی لیکن ساتھ ہی بدمذہبوں اور مذبذبین سب کی رعایتیں

موجود ہیں'' (نقوش)

بیان القرآن کا تفصیلی تعارف

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن کی تمہید میں ترجمہ اور تفسیر کی جن خصوصیات اور التزامات کا ذکر فرمایا ہے اسی سے بیان القرآن کا تفصیلی تعارف بھی ہو جاتا ہے۔

ذیل میں ان خصوصیات اور التزامات کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ ترجمہ قرآن مجید آسان قابل فہم ہونے کے ساتھ تحت لفظی ہونے کی بھی رعایت کی گئی ہے۔ پھر کبھی تو مترادف لفظ کیساتھ ترجمہ کیا گیا ہے اور کبھی حاصل کے ساتھ ترجمہ کر دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت شیخ المشائخ شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے' اس کی کئی مثالیں بیان القرآن کے حاشیہ میں دے دی گئی ہیں۔

۲۔ ترجمے میں خاص محاورات استعمال نہیں کیے گئے بلکہ کتابی زبان لی ہے کہ فصاحت کے ساتھ اس میں سلاست بھی ہے۔ خالص محاوات استعمال نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محاورات ہر مقام کے جدا جدا ہوتے ہیں۔ مثلاً دہلی اور لکھنؤ کے محاورات جدا جدا ہیں۔ اتباع محاورے کی بہ نسبت ترجمے میں ترکیب کی رعایت زیادہ کی گئی ہے۔

۳۔ نفس ترجمے کے علاوہ جس مضمون پر ترجمے کی توضیح موقوف تھی یا کوئی شبہ مضمون سے ظاہراً پیدا ہوتا تھا اس کا جواب یا مضمون قرآنی کسی مشہور تحقیقات کے خلاف معلوم ہوتا تھا اس کی تحقیق یا اس قسم کی کوئی ضروری بات ہوئی اس کو ف بنا کر بڑھا دیا۔ محض حل قرآن ورفع ضرورت مقصود ہے۔

۴۔ جس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں ان میں سے جس کو ترجیح معلوم ہوئی صرف اس کو لے لیا بقیہ سے تعرض نہیں کیا۔

۵۔ مطالب قرآنی کی تقریر کہیں تو اس طرح کی ہے کہ مضمون کا ارتباط خود ظاہر ہو جائے اور کہیں ایک سرخی ربط کی لکھ کر اس کی تقریر کر دی گئی۔

۶۔ اختلافیات کی تقریر میں صرف مذہب حنفی لیا گیا ہے اور دوسرے مذاہب بشرط ضرورت حاشیے میں لکھ دیئے گئے۔

۷۔ چونکہ عوام کے ساتھ افادہ خواص کا بھی خیال ملحوظ رہا اس لیے ان کے فائدہ کیلئے ایک حاشیہ عربیہ بڑھایا ہے جس میں مکیت اور مدنیت سور و آیات وغیرہ مشہور لغات و ضروری وجوہ بلاغت اور مغلق ترکیب و خفی الاستنباط فقہیات و کلامیات و اسباب نزول او

روایات واختلاف قرات مغیرہ ترکیب یا حکم وتوجیہ ترجمہ تفسیر ایجاز کے ساتھ مذکور ہیں جس کو متوسط درجے کا طالب علم سمجھ سکتا ہے- یہ حاشیہ درس وتدریس کے وقت بہت کام آسکتا ہے- اس طرح بحمد اللہ یہ تفسیر مختصر یا ترجمہ مطول کہہ دیجئے عوام وخواص سب کے کام کا ہو گیا- اگر اہل علم اول صرف قرآن کریم کا مطالعہ کر کے بطور خود غور کریں اور اس میں جو امور ذہن میں مجمل رہیں یا جو اشکالات واقع ہوں ان کو مستحضر کر کے پھر اس تفسیر کا ملاحظہ فرمائیں- تو انشاء اللہ دوبالا لطف اور حظ حاصل ہو-

۸- قرآن مجید کے اول سے آخر تک ہر سورۃ اور ہر آیت کا ربط ما قبل کے ساتھ نہایت سہل اور قریب تقریر میں بالا التزام بیان کیا گیا ہے اور اکثر سورتوں کے شروع میں ان سورتوں کا خلاصہ بھی بیان کیا گیا-

۹- جتنی آیتوں کی تفسیر بوجہ اتحاد یا تقارب یا تناسب مضامین کے ایک جگہ مجتمع لکھی گئی ہے ان کے اول میں ان مضامین کا ایک جامع عنوان بطور سرخی کے لکھ دیا گیا ہے جس سے اجمالا ان تمام آیات کا خلاصہ ذہن میں مستحضر ہونے کے بعد مفصل تفصیل سے جو کچھ نفع اور حظ حاصل ہوتا ہے' ناظرین اس کو خود ملاحظہ فرما رہے ہیں- پھر ان آیات کی تفسیر ایسی کی گئی ہے کہ سب ایک مسلسل

تقریر معلوم ہوتی ہے-

۱۰- جن روایات پر تفسیر کو مبنی کیا ہے ان میں صحیح روایات کا التزام کیا گیا ہے البتہ جس جگہ کی تفسیر کسی روایات پر مبنی نہ تھی اور لفظ قرآن فی نفسہ بھی اس وجہ کو محتمل تھا تقویت احتمال کے لیے اشتراط صحت میں تسامح کیا گیا ہے-

۱۱- شبہات کے جواب دینے میں صرف ان شبہات کو خاص کیا گیا ہے جن کا منشاء کوئی دلیل صحیح تھی اور بہت سے شبہات نفس تقریر ترجمہ سے مندفع ہو گئے ہیں-

۱۲- ہر جگہ تفسیر میں اتباع سلف صالح کا کیا ہے- متاخرین کے اقوال کو جو سلف کے خلاف تھے نہیں لیا-

۱۳- تقریر مدلول آیات میں قواعد میزانیہ منطقیہ کی پورے طور سے رعایت کی گئی ہے اس کا لطف اذکیاء علماء ہی اٹھا سکتے ہیں-

۱۴- اس تفسیر سے پورا لطف حاصل ہونے کی شرط علوم متعارفہ میں مہارت اور اس میں بھی کسی مقام پر تحیر ومراجعت تفاسیر کے بعد اس تفسیر کو ملاحظہ کرنا ہے-

۱۵- دو مقام ایسے ہیں جیسا جی چاہتا تھا ویسا شرح صدر نہیں ہوا اس موقع پر اس کی تصریح کر دی ہے تاکہ اگر کسی کو اس سے اچھی تقریر وتفسیر میسر ہو جائے اس کو راجح سمجھے- (از بیان القرآن)

حقیقت یہ ہے کہ بیان القرآن تمام علوم متعلقہ قرآن کی جامع اور تفسیری علوم کی حاوی نادرہ روزگار تفسیر ہے اور اس کی افادیت و نافعیت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور عوام سے لے کر اہل علم و کمال تک کے لیے کار آمد اور مفید ہے یہ تفسیر قرآنی مشکلات کے حل کرنے میں خاص طور پر اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کے محققانہ طرز استدلال اور حکیمانہ اسلوب بیان سے قرآن مجید کے مطالب اس طرح حل اور دل نشین ہوتے جاتے ہیں جس سے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے مگر اس تفسیر کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ایسے ہی حضرات کو ہوتا ہے جنہوں نے مطالب قرآنیہ کے سمجھنے اور سمجھانے اور تفسیر قرآن کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے میں عمر کا ایک حصہ صرف کیا ہو۔ جس شخص کی نظر میں مشکلات قرآنی کے حل کے لیے متقدمین و متاخرین کے تمام اور کتب تفسیر کی ورق گردانی ناکافی ہو چکی ہو پھر بیان القرآن کی بین القوسین کی مختصر عبارت سے تمام اشکالات کا حل اور شبہات کا ازالہ ہو گیا ہو ایسے شخص کو اس تفسیر کی صحیح عظمت و وقعت کا اندازہ ہوتا ہے اس زمانے میں اس شان اور اس پایہ کی تفسیر کا وجود اہل علم کے لیے نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہے جو شخص جس قدر تفسیر بیان القرآن میں تدبیر کرے گا اور غور و فکر سے کام لے گا اسی قدر اس پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تفسیر کی جامعیت و نافعیت اور افضلیت و اشرفیت دوسری تفسیروں پر ظاہر ہوتی چلی جائے گی۔ اور جس قدر بھی بیان القرآن کا

گہری اور عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے گا اسی قدر اس تفسیر کا فہم مطالب قرآنی کے لیے کافی وافی اور حل اشکالات اور رفع شبہات کے لیے شافی ہونا ظاہر ہوتا چلا جائے گا۔

حضرت مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کے لکھنے میں بڑی محنت و مشقت برداشت فرمائی ہے بعض بعض مقامات کی تفسیر لکھنے میں آپ کو آدھ آدھ گھنٹہ تک غور و تفکر اور دعا کے بعد شرح صدر ہوا اور تفسیر سمجھ میں آئی۔ اس کے باوجود بھی جب تک اس کی تائید سلف صالحین کی تفسیر میں نہیں ملی اس پر اطمینان نہیں کیا۔ (از اشرف السوانح)

اس التزام میں اگرچہ بہت زیادہ محنت کرنی پڑتی اور بہت وقت صرف ہوا اور ہر مقام کے لیے بہت سی تفاسیر دیکھنی پڑیں مگر یہ فائدہ ہوا کہ حضرت مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم قرآن کی مطابقت سلف صالحین کے علوم سے واضح ہو گئی۔ بظاہر تو یہ تفسیر سلف کی تفاسیر سے ماخوذ ہے لیکن حقیقت میں سراسر خود حضرت مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فہم قرآن کا ثبوت اور علوم تفسیریہ سے آپ کی مناسبت تامہ کی روشن دلیل ہے۔

پھر جن دو مقامات (سورۃ براۃ پارہ نمبر ۱۰ رکوع اول و دوم اور سورۃ الحشر پارہ نمبر ۲۸ کی پہلی پانچ آیات) کے بارے میں حضرت مفسر علام کو شرح صدر نہیں ہو سکا وہاں صفائی سے اس کا اظہار فرما دیا کہ اگر اس سے بہتر تفسیر کہیں مل جائے تو اس کو اختیار کیا جائے یہ بات حضرت مفسر تھانویؒ کی

خصوصیات اور مناقب خاصہ میں سے ہے ورنہ عام طور پر اہل علم اس طرح
سے اعتراف تقصیر کے عادی نہیں ہوتے بلکہ اس طرح کے اظہار سے مانع
ہوتا ہے اور جس جگہ حضرت مفسر علام کو اپنی تفسیر کی کوئی صریح تائید سلف
سے باوجود تلاش کے نہیں ملی اس کو لکھ کر اس کے آگے ہذا من المواہب لکھ
دیا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا طرز نگارش

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اگرچہ آجکل کی اصطلاح میں اردو ادب
کے صاحب طرز ادیبوں میں شمار نہیں کیے جاتے تھے۔ مگر پھر بھی حضرت
تھانویؒ کا یہ ترجمہ مستند ترجمے کی حیثیت رکھتا ہے اور بڑے بڑے صاحب
طرز ادیب اس کی ادبیت کے معترف ہیں۔ جس کی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی
ہے اور تفسیری فوائد کے بیان میں جو لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی
لطافت کی رعایت کے ساتھ عجیب و غریب حکیمانہ انداز بیان اختیار فرمایا گیا۔
اور عقائد و کلام کے مباحث میں جس طرح کی بالغ نظری کے ساتھ
استدلال کا منطقی اور عقلی طریقہ اپنایا گیا ہے وہ تو اہل علم و نظر کے لیے بڑا ہی
وجد آفرین ہے۔

زمانہ حال کے صاحب طرز ادیب مفسر جس بات کو اپنی طویل
تشریحی عبارتوں میں بیان کرتے ہیں حضرت تھانویؒ کا اسے نہایت ہی مختصر

الفاظ میں بیان کر کے ناظرین کے دل و دماغ میں اتار دینا ایسا امتیازی وصف
ہے جو حضرت تھانویؒ کے طرز نگارش کو دوسرے ادیبوں اور مفسروں سے
ممتاز اور جدا کرتا ہے۔ حضرت تھانوی کا طریقہ تحریر اور طرز نگارش متین
اور باوقار ہوتا ہے عامیانہ اردو نویسی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ شان علمی
کے شایان شان نہیں تھی۔ ایسے محقق اور متبحر جید عالم اور عالی مقام عارف
کامل سے عامیانہ اردو نویسی کی توقع رکھنی ایسی ہے جیسے کسی شہباز عرش سے
بالائے زمین اڑنے کی فرمائش۔

سورتوں اور آیات کے درمیان ربط

قرآنی سورتوں کے درمیان ترتیب اگرچہ اجتہادی ہے اور مرفوع و
موقوف مختلف روایتیں سورتوں کی ترتیب میں وارد ہوئی ہیں اور بعد میں
صحابہ کرامؓ کا اجماع واتفاق موجودہ ترتیب پر ہو گیا اب اس کی مخالفت قطعاً
ناجائز ہے۔

لیکن آیات کی ترتیب توقیفی اور وحی کے ذریعے قائم کی گئی ہے اس
ترتیب میں کسی کے اجتہاد کو مطلقاً دخل نہیں ہے، اس کی تائید اس روایت
سے ہوتی ہے جو کہ تفسیر روح المعانی میں آیت ”واتقوایوما ترجعون
فیہ الی اللہ“ کے تحت مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے
پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ اس آیت کو بقرہ کی دو سو اسی ۲۸۰ آیت کے بعد

رکھا جائے اور دوسری روایت میں ہے کہ اس کو آیت الربوا اور آیت دین کے
بعد رکھا جائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیتوں کی ترتیب وحی پر موقوف
ہے اور وحی کے ذریعے ہی حضور اکرم ﷺ نے قائم فرمائی ہے۔

آیات کے درمیان ربط

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیات کے
درمیان ایک مناسبت اور رابطہ بھی قائم ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر
آیات کے درمیان ربط و مناسبت کا اعتبار نہ کیا گیا ہوتا تو ترتیب تلاوت
ترتیب نزول سے مختلف نہ ہوتی۔ حالانکہ ترتیب تلاوت کا ترتیب نزول سے
مختلف ہونا محقق اور ثابت ہے اگر آیات میں کسی ربط اور مناسبت کا لحاظ نہ ہوتا
تو ترتیب نزول کو کیوں بدلا جاتا۔ (حاشیہ بیان القرآن)

سبق الغایات فی نسق الآیات

اس نام سے حضرت تھانویؒ نے عربی میں ایک مستقل رسالہ بھی
تحریر فرمایا ہے۔
جس کے ڈیڑھ سو صفحات ہیں اس میں سورۃ فاتحہ سے لے کر والناس تک اہل
علم و فہم کے لیے ربط آیات کے بارہ میں بعض عجیب عجیب ارشادات فرمائے
گئے ہیں اور بیان القرآن میں بھی آیات کے درمیان ربط کا خصوصی طور پر لحاظ
رکھا گیا ہے۔ بقول مولانا عبدالباری صاحب ندوی بیان القرآن نے یہ

خدمت بقدر ضرورت پوری فرمادی کہ ہر چھوٹا بڑا حصہ اور ہر چھوٹی بڑی
آیت دوسری سے اس طرح مربوط ہوگئی ہے کہ متن قرآن اور اس کے
تحتانی ترجمہ کے بعد ہر آیت کا قوسین کے ساتھ جو تفسیری ترجمہ فرمادیا گیا
ہے۔ اگر اس کو آدمی پڑھتا چلا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک بے تکلف مسلسل و
مربوط کتاب پڑھ رہا ہے۔ (تجدید دین کامل)

ربط کی ایک مثال

ولقدار ارسلناالی امم من قبلک ...... والحمد للہ رب
العالمین (پ - ۷)
کا ربط اوپر کی آیت قل ارئیتم ان اتکم عذاب اللہ ...... وتنسون
ماتشرکون (پ ۷) سے بیان القرآن میں اس طرح تحریر فرمایا گیا ہے۔
"اوپر مشرکین پر وقوع عذاب فرض کر کے اس بنا پر ان کے دعوی
شرک کو باطل کیا گیا تھا۔ آگے اس فرض کا غیر مستبعد ہونا ثابت کرنے کے
لیے بعض امم سابقہ کا معذب و ہلاک ہونا بیان فرماتے ہیں تاکہ مخاطبین کو
اس فرض کے غلط کہنے کی گنجائش نہ ہو اور اس ہلاکت کا ذکر بھی ایک خاص
طور سے فرمایا ہے جس سے کفار موجودین کے منشاء انکار کا جواب بھی ساتھ
ساتھ ہو جاوے کیونکہ بڑا منشاء انکار کا یہ ہوتا ہے کہ بعض مصائب آکر ٹل
جاتے ہیں تو نادان کو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ سزائے اعمال نہ تھی ورنہ ٹلتی نہیں

اس لیے سنادیا تاکہ ان ہالکین کی داروگیر کی ترتیب بھی یہی ہوتی تھی کہ اول نزول بلیات ہوا کہ تضرع کریں پھر استدراجاً نزول نعم فرمایا گیا جب کفر پڑھ گیا پھر ہلاک کر دیئے گئے تو تم بعض بلیات کے ٹلنے سے دھوکہ مت کھاؤ۔
(بیان القرآن جلد ۳ ص ۹۳)

بعض اور مثالیں

قل لست علیھم بوکیل کا ترجمہ "کہہ دو کہ میں تمہارے اوپر نگہبان یا داروغہ نہیں ہوں" کر دینے سے جیسا کہ اکثروں نے کیا نہ مطلب کھلتا ہے نہ ربط معلوم ہوتا ہے' بخلاف اس کے کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے یہ فرمایا کہ "آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں" اور تفسیری ترجمہ میں یوں فرمایا کہ "کہہ دیجئے کہ میں تم پر عذاب واقع کرنے کے لیے تعینات نہیں کیا گیا ہوں کہ مجھ کو مفصل اطلاع ہو یا میرے اختیار میں ہو البتہ ہر چیز کے قوع کا وقت اللہ کی علم میں ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ عذاب آیا"

اسی طرح آگے وماعلی الذین یتقون من شیئی (پ ۷) کا ترجمہ بالعموم یہ کر دیا جاتا ہے کہ جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں ان پر ان کا کچھ حساب نہیں" حضرت تھانویؒ نے ترجمہ میں یوں فرمایا کہ "جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ ہوگا" -اور تفسیری ترجمہ میں یوں

فرمایا کہ "جو لوگ منہیات شرعیہ سے جن میں بلا ضرورت ایسی مجالس (خائضین فی آیات اللہ) میں جانا بھی ہے احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان (طاغین اور مکذبین) کی باز پرس اور گناہ طعن) کا کوئی اثر نہ پہنچے گا (یعنی بضرورت وہاں جانے والے گنہگار نہ ہونگے)" (بیان القرآن ص ۱۰۴ / ۳)

وانذر به الذین یخافون ان یحشروا الی ربھم لیس لھم من دونه ولی ولا شفیع لعلھم یتقون (پ ۷)

اس آیت کا ترجمہ مع تفسیر اس طرح کیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کو (کفرو معصیت پر عذاب الٰہی سے خاص طور پر ڈرایئے جو اعتقاداً یا احتمالاً) اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ (قیامت میں) اپنے رب کے پاس (قبروں سے زندہ کرنے کے بعد) ایسی حالت میں جمع کیے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ (کفار کے زعم میں مددگار اور مستقل شفیع سمجھے جاتے) ہیں (اس وقت) نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی مستقل شفیع ہوگا (اور ایسے لوگوں کو) اس امید پر (ڈرایئے) کہ وہ (عذاب سے) ڈر جائیں (اور کفر و معصیت سے باز آجاویں کیونکہ نہ ڈرنا کسی ولی و شفیع کے بھروسے ہوتا ہے اور وہ معدوم ہے"
(بیان القرآن ص ۹۲ جلد ۳)

ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنے والا شخص یہ محسوس کرے گا کہ وہ ایک مسلسل اور مربوط کتاب پڑھ رہا ہے جس کا ہر جملہ دوسرے جملہ سے ملا ہوا ہے اور جڑا ہوا ہے۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الآیہ- اکثر کو یہ گمان ہوگا کہ
قرآن شریف کی اس آیت اور پہلی آیت میں ربط نہیں ہے کیونکہ اوپر کی
آیت میں احکام روزے کے بیان ہیں اور یہاں ہے کہ حرام مال سے بچو اس
میں کیا جوڑ ہے؟

لیکن اگر غور کیجئے تو آپس میں بڑا جوڑ ہے روزہ میں فرماتے ہیں
وکلوا واشربوا ...... ثم اتموا الصیام الی اللیل یعنی جب تک صبح
صادق نہ ہو اس وقت تک کھاؤ پیو اور جب صبح صادق نکل آوے تو اس وقت
کھانا پینا چھوڑ دو پھر جبکہ سورج غروب ہو جائے اس وقت روزے کو ختم کردو
سو روزہ تو موقت ہے کہ اس جو چیزیں چھڑائی گئی ہے وہ ایک وقت خاص تک
چھڑائی گئی ہیں کھانے پینے کی چیزیں خاص وقت تک حرام کردی گئیں مگر
حرام سے بچنے کا روزہ کبھی ختم نہیں ہوتا گویا ایک روزہ کے ساتھ دوسرے
روزہ کا ذکر فرمایا خیال تو فرمایئے کتنا لطیف ربط ہے (احکام الجاہ)

ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا (پ ۵) یعنی حق
تعالے کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دیں گے 'اگر اسی آیت کے الفاظ پر
نظر کو مقصور کردیا جائے تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو خلاف مشاہدہ ہے
ہم تو دیکھتے ہیں بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو گیا ہے- اس کا جواب بھی
دیا گیا ہے اور اچھا جواب ہے کہ غلبہ سے غلبہ فی الحجت مراد ہے' مطلب یہ ہوا
کہ حجت میں کافروں کو کبھی غلبہ نہ ہوگا-

مشاہد اور مشاہدے کے موافق ہے حجت میں ہمیشہ اسلام ہی کو غلبہ ہوا ہے اور
ہوتا ہے گو یہ جواب فی نفسہ صحیح ہے مگر کیا اچھا ہو کہ اشکال ہی نہ پڑے جو
جواب دینے کی ضرورت ہو تو سیاق میں نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں
اوپر سے فیصلہ قیامت کا ذکر ہے اور یہ جملہ اس فیصلہ کے متعلق ہے- پوری
آیت یوں ہے- فاللہ یحکم بینکم یوم القیمہ ولن یجعل اللہ
للکفرین علی المومنین سبیلا (پ ۵) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے
درمیان فیصلہ کریں گے- قیامت کے دن اور حق تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں
پر ہرگز غلبہ نہ دیں گے' دیکھئے سیاق میں نظر کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ اشکال
وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ یہاں غلبہ فی الدنیا کا ذکر ہی نہیں بلکہ فیصلہ قیامت
میں غلبہ نہ ہونے کا ذکر ہے- (التزاحم)

ربط کی ایک عجیب مثال

سورۃ قیامۃ میں حق تعالے نے قیامت کا حال بیان فرمایا ہے کہ انسان
اس وقت پریشان ہوگا اور بھاگنے کا موقع ڈھونڈے گا- اس سلسلے میں ارشاد
فرماتے ہیں :-

ینبؤ الانسان یومئذ بما قدم واخر بل الانسان علی
نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ : ترجمہ اس روز انسان کو اس کا سب اگلا
پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جائے گا (اور انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس

جتلانے پر موقوف نہیں ہوگا بلکہ انسان خود اپنی حالت پر بوجہ انکشاف
ضروری کے خود مطلع ہوگا گویا قتضا طبیعت اس وقت بھی اپنے حیلے حوالے
پیش لاوئے"

یہاں تک تو قیامت کے بارے میں مضمون تھا آگے ارشاد فرماتے
ہیں: لاتحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه
وقرانه- فاذاقرانه فاتبع قرانه ه ثم ان علینا بیانه ترجمہ: یعنی حضور
کو ارشاد ہے کہ قرآن نازل ہوتے وقت اس کو یاد کرنے کے خیال سے زبان نہ
ہلایا کیجئے- قرآن کا آپ کے دل میں جما دینا اور زبان سے پڑھوا دینا ہمارے
ذمہ ہے تو جب ہم قرآن نازل کریں تو اس وقت فرشتے کی قرآت کا اتباع
کیجئے پھر یہ بھی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ کی زبان سے اس کو بیان کرا دیں گے"

اس کے بعد پھر قیامت ہی کا ذکر ہے- وجوه یومئذ ناضرة
الیٰ ربها ناظرة- ترجمہ بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہوں گے-
اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے-

تو اوپر بھی قیامت کا ذکر اور بعد کو بھی اس کا ذکر اور درمیان میں یہ
مضمون کہ قرآن پڑھتے ہوئے جلدی یاد کرنے کے لیے زبان کو حرکت نہ دیا
کیجئے لوگ اس مقام کے ربط میں تھک گئے اور بہت سی توجیہات کی گئیں مگر
سب میں تکلف ہے لیکن جس کو حق تعالے کے اس تعلق کا علم ہے جو حق
تعالے کو حضورؐ کے ساتھ ہے اس کو صاف نظر آتا ہے کہ اس کلام کا درمیان

میں کیا موقع اور ربط ہے چنانچہ بیان القرآن میں اس کا جو ربط تحریر فرمایا ہے وہ
یہ ہے ینبؤ الانسان یومئذ بما قدم واخر اور بل الانسان علی
نفسه بصیرة سے دو مضمون مستفاد ہوئے ایک یہ کہ اللہ تعالےٰ تمام اشیاء
کے عالم اور محیط ہیں دوسرا یہ کہ حق تعالےٰ کی عادت ہے کہ جو حکمت مقتضی
ہوتی ہے تو علوم غائبہ کثیرہ کو ذہن مخلوق میں حاضر کر دیتا ہے گو ان علوم
غائبہ کا حاضر ہو جانا خلاف عادت طبعی ہو جیسا کہ قیامت میں اس کا وقوع
ہوگا"

اب آگے اس کا ربط ملاحظہ ہو

"جب یہ بات ہے تو آپ وحی کے نزول کے وقت جیسا کہ اب تک
آپ کی عادت ہے۔ اس قدر مشقت کہ سنتے بھی پڑھتے بھی ہیں دھیان بھی
رکھتے ہیں محض اس احتمال سے کیوں برداشت کرتے ہیں کہ شائد کچھ مضمون
میرے ذہن سے نکل جائے کیونکہ جب ہم نے آپ کو نبی بنایا ہے اور آپ
سے تبلیغ کا کام لینا ہے تو یہاں مقتضائے حکمت یہی ہوگا کہ وہ مضامین آپ
کے ذہن میں رکھے جائیں اور ہمارا محصی ہونا تو ظاہر ہی ہے اس لیے آپ یہ
مشقت برداشت نہ کیا کیجئے" (بیان القرآن ص ۶۱ / ۱۲)

یہ چند مثالیں تو آیات کے درمیان ربط کی پیش کی گئی ہیں اب ذیل
میں ایک ایسی مثال پیش کی جاتی ہے جس میں ایک ہی آیت کے اجزاء میں بڑا

ہی عجیب اور نفیس ربط بیان فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولو یو اخذاللہ الناس بظلمھم ما ترک علیھا من دابۃ (پ ۱۴) ترجمہ "اور اگر اللہ تعالےٰ لوگوں پر ان کے ظلم کے سبب دار و گیر فرماتے تو سطح زمین پر کوئی حرکت کرنے والا نہ چھوڑتے"

بظاہر اس کلام میں ربط معلوم نہیں ہوتا کہ مؤاخذہ تو صرف لوگوں سے کیا جاتا اور ہلاک جانوروں کو بھی کر دیا جاتا حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اس آیت کی تقریر اس طرح فرمائی ہے۔

" تقریر ملازمت شرط و جزاء میں احقر کے نزدیک یہ ہے کہ ظالم تو اپنے ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوتے اور غیر ظالم اس لیے کہ حکمت خداوندی باعتبار اکثر اوقات کے اس عالم مجموعے کے آباد کرنے کو مقتضی ہے ورنہ نیکوں کی آبادی زمین پر بغیر ظالموں کے مثل آبادی ملائکہ کے آسمان پر ہوتی پھر آبادی زمین کو جدا کیوں کیا جاتا اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے لو لم یذ نبوا لذھب اللہ بکم اسخ یعنی لولم یکن فیکم مذنبون۔اس لیے نیک بھی نہ رہتے" اور چونکہ حیوانات انسان ہی کے منافع کے لیے مخلوق ہوتے ہیں۔یہ نہ ہوتے تو وہ بھی نہ ہوتے۔ھذا من المواھب وللہ الحمد اور اکثر اوقات کی قید اس لیے لگائی کہ بعض اوقات دنیا میں صرف غیر ظالم ہی رہیں گے جیسے زمانہ

عیسیٰ علیہ السلام میں" (بیان القرآن ص ۴۹ / ۶۲۰)

اس کی تفصیل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک وعظ میں نظر سے گزری وہ بھی افادہ عام کے لیے پیش ہے حضرت فرماتے ہیں۔

"بظاہر یہ کلام بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے۔مقدم (لو یواحذ اللہ الناس) اور تالی (ماترک علی ظھر ھامن دابۃ) میں بظاہر علاقہ نہیں معلوم ہوتا بلحہ ظاہر تو یہ ہے کہ یوں فرماتے کہ اگر آدمیوں سے مؤاخذہ فرماتے تو زمین پر کسی آدمی کو نہ چھوڑتے نہ کہ مؤاخذہ تو صرف آدمیوں سے فرماتے اور ہلاک جانوروں کو بھی کر دیتے۔بظاہر یہ بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہے بات یہ ہے کہ عین عتاب میں بھی ان کا شرف بتلایا ہے کہ مقصود بالخلق انسان ہی ہے' اور دوسری چیزیں اسی کے واسطے بنائی گئی ہیں تو اگر ان سے مواخذہ کرتے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑتے اور جب ان کو نہ رکھتے تو جانور نرے کیا کرتے کیا رحمت ہے کہ عتاب میں بھی ہمارا اشرف بیان کیا جارہا ہے کہ انسان ہی اشرف المخلوقات ہے" (الصلوۃ ص ۶۱)

ربط کی ایک اور انوکھی مثال اور منصب نبوت کا احترام

سورۃ ص کے دوسرے رکوع میں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ان کے عبادت خانے میں دیوار پھاند کر اہل مقدمہ کے آنے کا ذکر کیا گیا ہے اور قصے کے اخیر میں فرمایا گیا ہے وظن داؤد انما فتنہ فاستغفر ربہ

فتنہ کی تفسیر میں قول مشہور کسی عورت سے نکاح کرنے کے واقعہ کو محققین نے باطل قرار دیا ہے اور بعض نے داؤد علیہ السلام کا لقد ظلمک بلا تحقیق کہہ دینا اس کی تفسیر میں کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی گستاخیوں پر غصہ آگیا تھا اس سے استغفار کیا مگر غصہ آنا ثابت نہیں کر سکتے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کے صبر و تحمل کا امتحان مقصود تھا کہ آیا زور سلطنت میں متواتر گستاخیوں پر دارو گیر کرتے ہیں یا غلبۂ نور نبوت سے عفو فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس میں صابر ثابت ہوئے لیکن انبیاء کی جلالت شان عدل کے جس درج علیا اور ذروۂ قصوی کو مقتضی ہے اس سے بظاہر ایک گونہ بعید اتنا خفیف سا یہ امر پیش آگیا کہ بعد قیام برہان شرعی کہ وہ بینہ ہو یا اقرار بجائے اس کے کہ صرف ظالم سے خطاب فرماتے کہ تو نے ظلم کیا اس مظلوم سے خطاب فرمایا کہ تجھ پر ظلم کیا جس سے ایک طرف کی طرفداری متوہم ہوتی ہے۔ اور گو مظلوم ہونے کی حیثیت سے یہ طرفداری بھی عبادت ہے خصوصی مقدمہ ختم ہو چکنے کے بعد لیکن فریق مقدمہ ہونے کی حیثیت سے اور عدم تبدل مجلس تخاصم اور مجلس واحد کے جامع المتفرقات ہونے کی حیثیت سے اس توہم طرفداری کا بھی نہ ہونا اعدل و اکمل تھا سو داؤد علیہ السلام غائت تقوی سے اتنی بات کو بھی مخل کمال صبر و منافی ثبات فی الامتحان سمجھے اور انہوں نے اس سے بھی اپنے رب کے سامنے توبہ کی۔ الخ......

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ "بندہ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مبنی خود منصوص قرآنی ہے اور اصبر علی مایقولون کے ساتھ اس قصے کا یاد دلانا قرینہ ہے کہ اس میں بھی صبر علی الاقوال تھا گو دونوں جگہ اقوال میں کفر اور سوء ادب کا اختلاف ہے۔ البتہ یہ امر مظنون ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس کو مبنی سمجھا ہو سو چونکہ اور تفسیروں کا مبنی بھی قرآن میں نہیں اس لیے یہ تفسیر اوروں سے اقرب ہے" (بیان القرآن ص ۶ / ۱۰)

مطلب یہ کہ ان کے مبنیٰ کا قرآن میں منصوص ہونا تو متیقن ہے مگر یہ امر محض مظنون ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس کو مبنیٰ سمجھا ہوا اور وہ مبنیٰ یہ قول ہے لقد ظلمک (حاشیہ بیان القرآن ص ۶ / ۱۰)

بعض علما نے یہ کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان دراصل اس بات میں تھا۔ کہ انہوں نے ایک دن عبادت کے لئے اس طرح خاص کر لیا تھا کہ اس دن وہ مخلوق سے بے تعلق ہو جاتے تھے ایک دن کو عبادت الٰہی کے لئے اس طرح خاص کر لینا کہ ان کا تعلق مخلوق خدا سے منقطع ہو جائے منصب نبوت اور منصب خلافت کے منافی تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر اور خلیفۃ اللہ کے لئے کسی طرح موزوں نہیں تھا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس روش کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح آزمائش میں مبتلا کیا" (قصص القرآن جلد ۲ ص ۸۷)

اور بعض اکابر نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش ان

کی عاجزی اور بندگی میں تھی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی عبادت
کے پروگرام کا بارگاہ حق میں اظہار کیا اور اس اظہار میں عجب و بڑائی کا شائبہ تھا
اس پر گرفت کی گئی اور دو آدمی خلاف معمول اندر آ گئے اور حضرت داؤد علیہ
السلام متنبہ ہوئے کہ خدا تعالےٰ کی توفیق کے بغیر آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔

یہ دونوں توجیہیں بھی اگرچہ درست ہو سکتی ہیں مگر قرآن کریم
کے کسی لفظ میں ان کی طرف اشارہ نہیں پایا جاتا اور اوپر کی آیات سے ان کا
کوئی ربط ظاہر نہیں ہوتا اس کے بر خلاف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی
اختیار کردہ توجیہہ کا ذکر خود لفظ قرآنی لقد ظلمک میں بھی موجود ہے اور اس کا
ربط اوپر آیت اصبر علی مایقولون سے بھی قائم ہو جاتا ہے' اس لیے
اس توجیہہ کا سب توجیہات سے الطف واولیٰ ہونا بعد امعان نظر کے ثابت
ہوتا ہے فللہ در حکیم الامت التھانویؒ ما ابھی دررہ وامعن نظرہ واللہ اعلم۔

منصب نبوت کے احترام اور عظمت پیغمبرانہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے
حضرتؒ نے آیات کا باہمی ربط اور حضرت داؤد علیہ السلام کی انابت واستغفار
کرنے کے ساتھ غیر مستند روایات اور غلط توجیہات کی تردید بھی فرمادی۔
تفسیر بیان القرآن میں حضرت تھانویؒ نے اسرائیلی روایات سے حتی الامکان
احتراز کیا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن کی آیات اور مستند روایات سے
ہی فرمائی ہے خاص طور پر منصب نبوت کے احترام اور انبیاء علیہم السلام کے
واقعات کی وضاحت میں اسرائیلی خرافات سے پرہیز کرنے میں یہ تفسیر

خصوصی امتیاز رکھتی ہے' بیان القرآن میں انبیاء علیہم السلام کے تمام واقعات
کی تفسیر میں ایسے کسی واقعہ کو نقل نہیں فرمایا اور نہ کسی ایسی روایت کو تفسیر
کی بنیاد بنایا جس سے اسلام کے مسلمہ عقائد پر زد پڑتی ہو یا حضرات انبیاء
علیہم السلام کا احترام ومقام مجروح ہوتا ہو' ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

قرآن مجید میں اس واقعہ کے بعد دو واقعے حضرت سلیمان علیہ السلام
کے بیان فرمائے گئے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

ووھبنا لدا و'د سلیمان ط نعم العبد انه اواب اذ عرض
علیه بالعشی الصفنت الجیاد فقال انی احببت حب الخیر
عن ذکرربی حتی توارت بالحجاب ردوھاعلی فطفق مسحا
بالسوق والا عناق ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیه
جسد اثم اناب قال رب اغفرلی وھب لی ملکالا ینبغی
لاحد من بعدی انک انت الوھاب'

(پ ۲۳ سورۃ ص)

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا بہت اچھے بندے تھے کہ بہت
رجوع ہونیوالے تھے جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے
پیش کیے گئے تو کہنے لگے میں اس مال کی محبت میں اپنے رب کی یاد سے غافل
ہوگیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ مغرب میں چھپ گیا' ان گھوڑوں کو ذرا
میرے سامنے لاؤ سوانہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا

شروع کیا اور ہم نے سلیمان کو ایک اور امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تخت
پر ایک دھڑ لا ڈالا پھر انہوں نے رجوع کیا کہا اے میرے رب میرا قصور
معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو آپ
بڑے دینے والے ہیں؟

بیان القرآن میں ان دونوں واقعات کی ایسی تفسیر بیان کی گئی ہے
جس میں ایسی غیر مستند اسرائیلی روایات وخرافات سے مکمل طور پر پرہیز کیا
گیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی شان عالی اور منصب نبوت کی قطعی طور پر
لائق نہیں ہیں- حضرت تھانویؒ نے اپنی تفسیر کی بنیاد روایات صحیحہ پر رکھی
ہے- پہلے واقعہ کے متعلق حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں-

(وہ قصہ ان کو یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ شام کے وقت اس کے
روبرو اصیل اور) عمدہ گھوڑے (جو بغرض جہاد وغیرہ رکھے تھے) پیش کیے گئے
اور ان کے ملاحظہ کرنے میں اس قدر دیر ہو گئی کہ دن چھپ گیا اور کچھ
معمول از قسم نماز فوت ہو گیا-

کذافی الدر المنثور عن علیؓ اور بوجہ ہیبت اور جلالت کے کسی خادم کی
جرات نہ ہوئی کہ مطلع و متنبہ کرے کذافی الدرعن ابن عباسؓ پھر
جب خود متنبہ ہوا) تو کہنے لگے کہ افسوس) میں اس مال کی محبت میں لگ کر
اپنے رب کی یاد سے (یعنی نماز سے) غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پورا
(مغرب) میں چھپ گیا (پھر حشم وخدم کو حکم دیا کہ) ان گھوڑوں کو ذرا پھر

میرے سامنے لاؤ (چنانچہ لائے گئے) سو انہوں نے ان (گھوڑوں) کی
پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کیا (کذافی
الدر مرفو عابسند حسن یعنی ان کو ذبح کر ڈالا اس کو اصطلاح تصوف
میں غیرت کہتے ہیں کہ جو چیز سبب غفلت عن اللہ ہو جاوے اس کو اپنے پاس
نہ رہنے دیں- (ص ۸ ج ۱۰)

پھر فائدہ میں اس کی وضاحت اس طرح فرمادی کہ :

یہ نماز جو رہ گئی تھی اگر نفل تھی تو کوئی اشکال نہیں مگر انبیاء کی
شان اعظم ہوتی ہے اس لیے انہوں نے اس کا بھی تدارک کیا اور اگر فرض
تھی تو نسیان میں گناہ نہیں ہوتا اور یہ قطع کرنا سوق واعناق کا اتلاف مال نہ تھا
بلکہ بطور قربانی کے تھا- اور قطع سوق کو شاید خروج دم اور زہوق روح میں
آسانی ہونے کی وجہ سے اختیار کیا ہے- کذافی الروح مگر ہماری شریعت میں
قطع سوق مشروع نہیں للنهی عن لنخع کذافی تخریج الزیلعی
عن الطبرانی وھذ امثلہ (ص ۹ ج ۱۰)

اس وضاحت سے بڑی خوبی کے ساتھ تمام اشکالات کا حل اور
ذہنوں میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا جواب ہو گیا کہ نسیان فرض میں گناہ
نہیں اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ فرض نماز تھی' اور قطع سوق واعناق بظاہر
اتلاف مال معلوم ہوتا ہے' وہ بطور قربانی کے تھا جو کہ مالی اور جانی عبادت ہے
اور اب ہماری شریعت میں قطع سوق مشروع نہیں ہے-

اس تفسیر سے حضرت تھانویؒ کی فقہی بصیرت اور جامعیت اور ہر پہلو پر عمیق نظر کا ہونا ثابت ہو رہا ہے اور احترام نبوت کا لحاظ بھی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے- دوسرے قصہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ (حدیث شیخین میں ہے کہ ایک بار سلیمان علیہ السلام اپنے امراء لشکران کی کسی کوتاہی جہاد پر خفا ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں آج کی رات اپنی ستر بیبیوں سے ہمبستر ہوں گا کہ ان سے ستر مجاہد پیدا ہوں گے فرشتہ نے قلب میں القاء کیا کہ انشاء اللہ کہہ لیجئے آپ کو کچھ خیال نہ رہا چنانچہ صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور اس سے بھی ایک ناقص الخلقت بچہ پیدا ہوا جس کے ایک طرف کا دھڑ نہ تھا) اور (اسی کی نسبت کہا گیا ہے کہ) ہم نے ان کے تخت پر ایک (ادھورا) لاڈالا (یعنی قابلہ نے آپ کے سامنے تخت پر لار کھا کہ یہ پیدا ہوا کذافی الروح) پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا (اور ترک انشاء اللہ سے توبہ کی اور توبہ کرنا ایسے امر سے چونکہ دلیل ہے کمال ثبات فی الدین کی اس کو امتحان میں پورا اترنا کہیں گے (ص ۹ ج ۱۰) ان توجیہات کی تائید مستند احادیث سے ہوری ہے اور منصب نبوت کا ان میں پورا پورا احترام ملحوظ ہے اور بعض بے سروپا اسرائیلی قصے جو بعض کتب تفسیر میں نقل ہو گئے ہیں اور ان میں عظمت پیغمبرانہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا- ایسے قصوں سے اپنی اس تفسیر کو مکمل طور پر محفوظ رکھا-

ربط کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محققانہ تحقیق

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ربط کے سلسلے میں عربی رسالہ بھی لکھا اور اپنی تفسیر بیان القرآن میں بھی آیات اور سورتوں کے درمیان ارتباط کا لحاظ رکھا اور واقع میں بھی ترتیب نزول آیات اور ترتیب تلاوت کے مختلف ہونے سے ربط کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ باہم آیات میں کوئی مناسبت اور تعلق ضرور ہے، لیکن اگر آیات میں ربط نہ بھی ہو تب بھی قرآن کریم پر اعتراض کی گنجائش نہ تھی- کہہ سکتے تھے کہ قرآن میں طرز تصنیف نہیں اختیار کیا گیا بلکہ نصیحت مع لحاظ شفقت اختیار کیا گیا ہے اور اس میں ضرورت مخاطب کے لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے، جس کی بے ربطی ہزار ربط سے افضل ہوتی ہے- مثال کے طور پر سمجھئے کہ نصیحت کرنے والا ایک تو استاذ ہوتا ہے اور ایک باپ ہوتا ہے- استاذ تو ضابطہ پری کر دیتا ہے مگر باپ ضابطہ پری نہیں کر سکتا نصیحت کرتے ہوئے اس کا خیال رکھتا ہے کہ بیٹے کو ایسے عنوان اور ایسے طرز سے نصیحت کروں جو اس کے دل میں گھر کر لے- اسی لئے باپ کا کلام نصیحت کے وقت کبھی بے ربط و بے ترتیب ہو جاتا ہے مثلاً باپ بیٹے کو کھانا کھاتے ہوئے نصیحت کرے کہ بری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے اسی درمیان میں اس نے دیکھا کہ بیٹے نے ایک بڑا سا لقمہ کھانے کو لیا ہے تو وہ

فورا پہلی نصیحت کو قطع کر کے کہے گا کہ یہ کیا حرکت ہے لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے اس کے بعد پہلی بات پر گفتگو شروع کر دے گا۔اب جس کو شفقت کی اطلاع نہ ہو وہ کہے گا کہ یہ کیسا بے ترتیب کلام ہے،بری صحبت سے منع کرنے میں لقمہ کا کیا ذکر مگر جو شخص کبھی کسی کا باپ بنا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ ترتیب کلام مرتب و مرتبط کلام سے افضل ہے۔ شفقت کا مقتضی یہی ہے کہ بات کرتے ہوئے اگر دوسری بات کی ضرورت ہو تو ربط کا لحاظ نہ کرے دوسری بات کو بیچ میں کہہ کر پہلے بات کو پورا کرے یہی راز ہے اس کا کہ خدا تعالیٰ کا کلام ظاہر میں کہیں بے ربط بھی معلوم ہوتا ہے اس ظاہری بے ربطی کا منشاء شفقت ہی ہے کہ حق تعالیٰ مصنفین کی طرح گفتگو نہیں کرتے کہ ایک مضمون پر کلام شروع ہو تو دوسرے باب کا کوئی مضمون اس میں نہ آسکے"

(وعظ سبیل النجاح ص ۳۳۵ وغیرہ)

اس نصیحت و شفقت کے پیش نظر اللہ تبارک و تعالیٰ ہر سورت میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں جس میں ساری سورت کا مضمون اجمال کے ساتھ مذکورہ ہوتا ہے اور تھوڑے سے مختصر لفظوں میں بڑا مضمون ادا کر دیا جاتا ہے،جس کو بلاغت میں ایجاز کہتے ہیں اس طرح تمام احکام پر عمل کرنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔چنانچہ سورۃ آل عمران میں مختلف ابواب کے احکام بیان فرما کر کلام کو ختم نہیں کیا بلکہ اخیر کی آیت میں بطور میزان الکل کے ایک بات ایسی بتادی جو سب کو جامع ہے

اس طرح یہ آیت اخیرہ " یایھا الذین امنوااصبرو وصابروا و رابطور واتقوالله العلکم تفلحون" تمام سورت کے احکام کو اجمالاً جامع ہے جس میں بالاجمال جملہ احکام مذکور داخل ہیں اور دیکھنے میں دو تین باتیں ہیں جن پر عمل بہت آسان ہے۔

سورتوں کے درمیان ربط

آیتوں کے درمیان ربط کے علاوہ سورتوں کے درمیان ربط کا بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر اہتمام فرمایا ہے مثلاً سورۃ فاتحہ سے سورۃ بقر کا ربط اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

سورۃ فاتحہ سے اس سورت کا یہ ربط ہے کہ اس میں راہ ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اور اس میں اس درخواست کی منظوری ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے اس پر چلو" (بیان القرآن ص ۴)

اور سورۃ بقرہ کے ختم پر سورۃ آل عمران سے ربط اس طرح ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:-

" میرے نزدیک وہ تمام سورت جملہ فانصرنا علی القوم الکفرین سے مرتبط ہے کیونکہ اس سورت کے زیادہ اجزاء میں کفار کے ساتھ مجاہدہ باللسان وبالبنان مذکور ہے جیسا تتبع سے معلوم ہوتا ہے"

(بیان القرآن جلد ا ص ۱۷۶)

اگر آیتوں اور سورتوں کے روابط کو تفسیر بیان القرآن سے علیحدہ جمع کر کے شائع کر دیا جائے تو طلباء علوم دینیہ کے لئے نہایت درجہ مفید ہو سکتا ہے پھر کسی اور جگہ سے ربط کے تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ سکتی۔

حضرت حکیم الامتؒ کی بعض خاص تفسیری تحقیقات

اردو عربی محاورے کا فرق

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض الفاظ لغت عربی میں کسی معنی خاص میں صریح نہیں ہیں مگر اردو محاورہ میں وہ اس معنی میں صریح ہو گئے ہیں اب ان الفاظ کو قرآن میں دیکھ کر بعض جاہلوں کو قرآن پر اشکال ہوتا ہے کہ اس میں تو غیر مہذب الفاظ ہیں مثلاً ذکر عربی میں (نر) کو کہتے ہیں جو انثیٰ (مادہ) کا مقابل ہے وہ ذکر و انثی عربی میں نر و مادہ کو کہتے ہیں اور کبھی کنایۃً عضو مخصوص کو بھی کہتے ہیں۔ یہ تو عربی کا استعمال ہے مگر اردو میں ذکر کا استعمال عضو ہی کے لئے ہونے لگا۔ اب کوئی قرآن میں للذکر مثل حظ الانثیین دیکھ کر اعتراض کرنے لگے کہ اس میں غیر مہذب الفاظ ہیں یہ اس کی حماقت ہوگی کیونکہ جو لفظ تمہارے محاورے میں غیر مہذب ہے وہ عربی میں اس معنی کے لئے موضوع ہی نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں والحافظین فروجھم اور احصنت فرجھا بعض

جہلاء اس کو غیر مہذب سمجھتے ہیں یہ بھی حماقت ہے کیونکہ عربی میں لفظ فرج شرمگاہ۔ عورت کے لئے موضوع نہیں بلکہ اس کے اصل معنی شگاف کے ہیں کنایۃً کبھی شرمگاہ کے لئے بھی بول دیا جاتا ہے۔ چنانچہ احصنت فرجھا کا ترجمہ ہے کہ مریم علیہا السلام اپنے گریبان کو دست اندازی غیر سے بچانے والی تھیں۔ اس کا مرادف یہ ہے کہ پاکدامن تھیں کتنا نفیس عنوان ہے جس میں بتلایئے کون سا لفظ غیر مہذب ہے اور نفخنا فیہ من روحنا کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے گریبان میں دم کر دیا جس سے وہ حاملہ ہو گئیں بتلایئے اس میں کیا اشکال ہے۔ (المورد الفرنجی)

چنانچہ بیان القرآن میں اس لفظ کا اس طرح ترجمہ کیا گیا ہے "جنہوں نے اپنے ناموس کو (حرام اور حلال دونوں سے) محفوظ رکھا (بیان القرآن ص ۲۲۳ ج ۱۲)

مگر محض ترجمہ سے یہ باتیں تھوڑا ہی معلوم ہو سکتی ہیں ترجمہ دیکھنے والے ایک لفظ کا ترجمہ اپنے محاورہ کے موافق کر کے قرآن کریم پر اشکال کرنے لگتے ہیں۔ قرآن کریم عربی کلام ہے اور اس کی بلاغت و فصاحت اور اس کے معانی و مطالب کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عربیت کا پورا ماہر ہو اور عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو۔ قرآن کریم کو اسی زبان میں سمجھتا ہو۔ جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ (المورد الفرنجی)

اردو زبان کی تنگ دامانی

اردو میں جب عربی زبان کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو چونکہ اردو عربی زبانیں مختلف ہیں دونوں کے محاورات الگ ہیں اس لئے اگر کسی کو عربی میں علم کافی نہیں ہے اس کے ترجمے میں بعض دفعہ ایہام رہ جائے گا جس سے شبہادت پیدا ہوں گے اور بعض جگہ ترجمہ غلط ہو جائے گا۔

مثلاً سورۃ الضحیٰ میں ضالاً کا ترجمہ بعض نے گمراہ کردیا۔ جو باوجود فی نفسہٖ صحیح ہونے کے ایک عارض کے سبب غلط ہو گیا وہ عارض یہ ہے کہ ضال لفظ عربی ہے اس کا عربی میں مختلف استعمال ہوتا ہے یعنی اس میں بھی جس کو وضوح دلیل نہ ہوا ہو اور اس میں بھی جو بعد وضوح دلیل کے مخالفت کرے گمراہ ہمارے محاورہ میں صرف اس کو کہتے ہیں جو وضوح دلیل کے بعد حق کا اتباع نہ کرے۔ اور لغت عربیہ کے اعتبار سے لفظ ضال دو معنی کو جیسا کہ مذکور ہوا عام ہے ایک معنی ضال کے وہ ہیں جو ہمارے محاورے میں گمراہ کے آتے ہیں اور دوسرے معنی بے خبر کے ہیں اور بے خبر اس کو کہتے ہیں جس پر دلائل ظاہر ہی نہیں ہوئے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ظہور حق کے بعد اس کا اتباع نہ کرنا محال ہے لہٰذا اس جگہ گمراہ ترجمہ کرنا غلط ہے بلکہ بے خبری سے ترجمہ کرنا مناسب ہے۔

اور گو بے علمی بھی بے خبری کا مرادف ہے مگر اس سے بھی ترجمہ

مناسب نہیں کیونکہ ہمارے محاورہ میں بے علم جاہل کو کہتے ہیں جو علوم صحیحہ سے بالکل عاری ہو اور رسول ﷺ نبوت سے پہلے گو علوم نبوت سے بے خبر ہوں مگر علوم عقلیہ میں کامل تھے۔ پس بے علمی سے بھی ترجمہ مناسب نہیں بلکہ بے خبری ہی سے ترجمہ کرنا مناسب ہے اور کسی بات سے بے خبری کچھ عیب نہیں کیونکہ ذاتی اور علم محیط سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ ہر شخص علم میں تعلیم الٰہی کا محتاج ہے بالخصوص علوم سمعیہ نقلیہ میں جن کے ادراک کے لئے عقل محض ناکافی ہے اور ہر شخص کو جو علم حاصل ہوتا ہے معلوم کرنے سے پہلے وہ غیر معلوم ہی ہوتا ہے۔ پس علم بعد عدم علم کوئی عیب نہیں۔ مناسب ترجمہ ضالاً کا اس جگہ ناواقف ہے اس لفظ کا یہ صحیح ترجمہ موجود تھا مگر مترجمین کی نظر اس پر نہیں پہنچی اور وہ ضالاً کا ترجمہ گمراہ کر گئے حاصل یہ کہ الفاظ عربیہ کا ترجمہ ہر جگہ کافی نہیں ہوتا اور مقصود کے سمجھنے میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اس لئے ترجمہ کے لیے خود عربی کا بھی پوری طرح جاننا اور اس زمانے کے محاورات سے بھی جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے پورا واقف ہونا ضروری ہے۔ (زکوٰۃ النفس)

آجکل اردو میں محاورہ بدل گیا گمراہ کا استعمال پہلے ہی معنی میں ہوتا ہے۔ دوسرے موقع میں ناواقف اور بے خبر کہا جاتا ہے۔

اسی طرح لا تکونن من الجاھلین ترجمہ دیکھنے والوں کو خیال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو ایسے سخت لفظ سے خطاب فرمایا گیا یہ شبہ اصل میں غلط

محاورہ سے ہوا ہے ہمارے محاورہ میں جاہل بہت سخت لفظ ہے اور اس کا اگر ترجمہ کیا جائے تو آسان لفظ ہو جاتا ہے جاہل کا ترجمہ نادان ہے یہ کتنا پیارا لفظ ہے اس سے توہین لازم نہیں آتی بلکہ شفقت کے موقع پر یہی بولا کرتے ہیں ظاہر میں تو جاہل کا لفظ کتنا سخت ہے مگر ترجمہ کے بعد اس کی حقیقت بالکل آسان ہے یہ اشکالات خلط محاورہ سے ہوتے ہیں۔ (آداب التبلیغ)

محاورہ کے درپے ہونا

لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن کریم کے ترجمے میں یہ ضروری ہے کہ قرآن کا مدلول باقی رہے۔ آج کل کے ترجموں میں ان کو بامحاورہ کرنے کے درپے ہو کر اس کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا حالانکہ قرآن مجید کے ترجمہ میں محاورہ کرنے کے درپے ہو کر اس کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا حالانکہ قرآن مجید کے ترجمہ میں محاورہ کی اتباع کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی مدلول کے باقی رکھنے کی ضرورت ہے۔

زمانہ حال کے بعض ترجمہ کرنے والوں نے محاورات کے اتباع کی پابندی میں اصل مدلول قرآنی کا لحاظ نہیں رکھا اور بعض ایسے محاورات استعمال کئے جو فصاحت کے مقام سے گرے ہوئے ہیں حالانکہ ترجمہ قرآن کریم میں زبان فصیح ہونی چاہیے اور محاورہ بھی شاہانہ انداز کا استعمال کرنا چاہیئے جس سے کلام کی عظمت وھیبت قلوب میں باقی رہے اور عامیانہ بازاری محاوروں

سے کلام کی وقعت متاثر ہو سکتی ہے مگر عامیانہ طبائع ایسے ہی محاورات پر فریفتہ اور لٹو ہیں۔

مثلاً ایک ایسے ہی مترجم صاحب نے جن کی محاورات دانی پر لوگ فریفتہ ہیں یعمهون کا ترجمہ "ٹامک ٹوئیاں مارنا" لکھا ہے اور ذهبنا نستبق میں استباق کا ترجمہ "کبڈی کھیلنا" کیا ہے یہ ترجمہ لغت کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ لغت میں استباق کے معنی آپس میں اس طرح دوڑنے کے ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے نکلنا مقصود ہو اور عقلاً بھی یہ ترجمہ غلط ہے اس لئے کبڈی کھیلنے میں بھی اتنی دور نہیں جایا کرتے جس سے محافظ بچے کی نسبت بھیڑیئے کے کھا جانے کا احتمال ہو اگر ایسا ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس پر ضرور جرح فرماتے۔ اسی طرح وعلی الذین یطیقونه فدیة کی تفسیر میں اس مفسر نے لکھ دیا "کہ جو شخص روزہ نہ رکھے وہ فدیہ دے دے" یہ تفسیر اس آیت کی بالکل غلط ہے (وعظ الصوم)

حالانکہ روزہ کے بدلے میں فدیہ کا یہ حکم شروع اسلام میں مشروع تھا پھر فمن شهد منکم الشهر فلیصمه سے منسوخ ہو گیا البتہ جو شخص بہت بوڑھا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہیں ایسے لوگوں کے لئے یہ حکم اب بھی باقی ہے مگر روزہ کی طاقت رکھنے والوں کے لئے یہ حکم منسوخ ہے جیسا کہ بیان القرآن ص ۱۰۳ ج ۱ مع حاشیہ میں مذکور ہے۔

قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے عربی لغت اور صرف، نحو، کے علاوہ

دوسرے قواعد' (عقلیہ) منطقیہ جاننے کی ضرورت بھی ہے کیونکہ آجکل
عقول سلیمہ بہت کم ہیں اگر عقل سلیم ہو تو نتیجہ نکالنے کا سلیقہ اور اس کی
غلطیاں خود معلوم ہو جاتی ہیں مگر جب عقل سلیم نہ ہو تو قواعد منطقیہ کی
ضرورت ہے۔اس سے صحت استدلال اور نتیجے کا صحیح وغلط ہونا معلوم ہو جاتا
ہے۔بدون اس کے قرآن میں بعض جگہ غلطی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ مثال
کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ ہے ولو علم الله فیهم خیر الاسمعهم
ولو اسمعهم لتولوا وهم معرضون یہاں اشکال ہوتا ہے کہ ان
دونوں مقدموں سے نتیجہ یہ نکلتا ہے لو علم الله فیهم خیرا لتولوا
وهم معرضون اور اسکا بطلان ظاہر ہے اس اشکال کا حل علم معقول جاننے
والا جلد دے سکتا ہے کہ یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کیونکہ صحت نتیجہ تکرار حد
اوسط پر موقوف ہے اور یہاں حد اوسط مکرر نہیں۔کیونکہ مطلب یہ ہے۔

ولو علم الله فیهم خیرالا سمعهم ولو اسمعهم
لتولواوهم معرضون اور اس پر کوئی اشکال نہیں اس لئے بقدر ضرورت
علم معقول کی بھی ضرورت ہے۔

(المورد الفرخی)

بیان القرآن کے عربی حاشیہ میں حضرتؒ نے اس اشکال اور جواب
کی تقریر ان لفظوں میں کی ہے "اندفع بهذا مایوهم من الشرطیتین
من استلزم علم الله منهم خیرا لتولیهم بناء علی ان لازم
اللازم لازم وجه الاندفاع ظاهر فان الاسماع الازم غیر

الاسماع الازم و قدرایت التصریح بهذ المعنی فی الدرا
المنثور عن ابن زیدؒ نصر هکذ اولو اسمعهم بعدان یعلم ان
لاخیر فیهم مانفعهم بعدان علم بانهم لاینتفعون به اه۔

(ص ۳۷ ج ۴)

اسی طرح آیت انما یخشی الله من عباده العلماء میں
علماء کو یہ شبہ ہوا کہ ہم عالم ہیں تو ہم میں خشیت بھی ہے اور جب خشیت بھی
ہے تو اس فضیلت میں داخل ہوئے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ محض علم سے
خشیت ہونا ضروری نہیں اس کے لئے تدبیر مستقل کی حاجت ہے اور عوام کو
یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے
خشیت ہوتی ہے حالانکہ ہم نے تو بہت سے عالم دیکھے ہیں کہ ان کو خوف خدا
کچھ بھی نہیں۔عوام کے اعتراض کا اکثر یوں جواب دیا جاتا ہے کہ جس عالم کو
خوف خداوندی نہ ہو اس کا علم متعدبہ نہیں ہے پس جہاں علم متعدبہ ہوگا
وہاں خشیت ضروری ہے۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ
جواب فی نفسہ تو صحیح ہے مگر اس مقام پر نہیں چلتا۔حضرتؒ کی تقریر سمجھنے
کے لئے علوم الیہ اور اصطلاحات منطقیہ کی ضرورت ہوگی۔چنانچہ فرماتے
ہیں کہ اس پر مفہوم آیت کا یہ ہوگا کہ خشیت علم پر ضرور مرتب ہوگی اور علم
سے مراد علم مع الخشیت ہوگا۔پس خشیت مرتب ہوگی خشیت پر پس تقدم
الشئ علی نفسہ لازم آئے گا اور یہ دور صریح ہے۔خلاصہ یہ ہوا خوف کا پیدا کرنا
ضروری ہے اور اس کا موقوف علیہ ہے علم اس کو حاصل کرو لیکن علم حصول

خشیت کی علت تامہ نہیں ہے بلکہ اس علت کا ایک جزو ہے دوسرا جزو تقویٰ
ہے- غرض دو چیزوں کی ضرورت ہوئی ایک تو علم دین کی کیونکہ یہ نہ ہو تو
خشیت ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اذافات الشرط فات المشروط اور
دوسری چیز خلوت ہے- (فضائل العلم والخشیت)

اب ظاہر ہے کہ ان دونوں آیتوں کا مطلب اور مقصد بغیر قواعد
مطقیہ کے کیسے سمجھا جا سکتا ہے ؟

دوسری مثال

قرآن کریم کی آیت " ولقد کتبنا فی الزبور من بعد
الذکران الارض یرثھا عبادی الصلحون "اور ہم نے زبور میں نصیحت
کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ اس زمین کے وارث و مالک میرے نیک بندے ہوں
گے" کے بارہ میں حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک عالم نے سوال کیا
کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ زمین کے مالک کفار ہو گئے ؟

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ " مولانا آپ تو عالم میں مگر ذرا یہ تو
دیکھئے کہ یہ قضیہ دائمہ ہے یا مطلقہ چونکہ وہ عالم تھے اتنی ہی بات سے سمجھ گئے
(حاصل جواب کا یہ ہوا کہ آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ زمین کے مالک ہمیشہ
نیک ہی بندے ہوں گے بلکہ اس میں اطلاق کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ
میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے اور اطلاق کے صدق کے لئے
ایک بار وقوع کافی ہے- چنانچہ صحابہؓ کے زمانے میں اس کا وقوع ہو چکا- یہ

جواب اس تقدیر پر ہے کہ آیت میں ان الارض سے مراد یہی دنیا کی زمین
ہے ورنہ ظاہراً آیت کے سیاق و سباق یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد
ارض جنت ہے اور جنت کی زمین کے مالک نیک بندے ہوں گے اس پر کچھ
بھی اشکال نہیں- (النعم المرغوبہ)

بیان القرآن میں حضرتؒ نے اس زمین سے جنت کی زمین ہی مراد
لی ہے -فرماتے ہیں کہ "اس زمین (جنت) کے مالک میرے نیک بندے
ہوں گے" ص ۵۹ ج ۷) اور اسی صفحہ کے حاشیہ عربیہ میں فرماتے ہیں کہ
جنت کے لفظ سے اشارہ اس طرف ہے کہ الارض محمول ہے ارض جنت پر
جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد و او رثنا الارض نتبوء من الجنة حیث
نشاء میں الارض سے مراد جنت کی زمین ہے"

تیسری مثال

"اور مسئلہ رویت باری تعالیٰ کی دقیق تحقیق"

ایک صاحب نے سوال کیا فلما تجلی ربہ الی خرموسی
سے معلوم ہوتا ہے کہ خرور بعد تجلی کے ہوا پس رویت ثابت ہو گئی پھر لن
ترانی کے کیا معنی ؟ جواب یہ دیا کہ تقدم زمانی نہیں تقدم ذاتی ہے- پس تجلی
اور خرور میں کوئی زمانہ نہیں ہوا جس میں رویت ہو (ملفوظ نمبر ۹۳ از مقالات
حکمت) ایک اور سوال و جواب جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی رویت کی توضیح
کے لئے مفید معلوم ہوتا ہے- سوال کیا گیا کہ وادی ایمن میں موسیٰ علیہ

السلام کو جو نور نظر آیا وہ اگر نور مخلوق نہ تھا تو رویت میسر ہو گئی پھر رب ارنی
انظر الیک کی درخواست کی کیا وجہ ؟ اور اگر نور مخلوق تھا تو موسیٰ علیہ السلام
میں اور ہم میں کہ دوسرے انوار مخلوقہ کو مثل نور شمس و قمر دیکھتے ہیں کیا
فرق ہوا؟ جواب دیا

"کہ وہ نور غیر مخلوق نہ تھا مخلوق تھا مگر چونکہ مخلوق بلاواسطہ تھا اس
لئے اس کو بنسبت دوسرے انوار کے حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ تلبس و تعلق
تھا کہ اس تلبس زائد سے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا یعنی ایک معنی
کر نور حق کہنا بھی صحیح ہے جیسے کلام لفظی کہ ماتریدیہ کے نزدیک مخلوق
ہے مگر اس خاص تلبس کی وجہ سے اس کا کلام اللہ کہنا صحیح ہے ۔ بخلاف کلام
زید و عمرو کہ اس کو کلام اللہ کہنا جائز نہیں پس سب اشکالات دفع ہو گئے ۔

(ملفوظ ص ۸۴)

واقعی وادی ایمن میں نور حق نظر آنے کے بعد رویت کی وجہ اور
دونوں رویتوں میں اور پھر اس رویت نور وادی ایمن اور دوسرے انور میں
فرق کو بڑی عجیب مثال کلام لفظی سے واضح فرما کر ہر طرح کے اشکالات کو
رفع کر دیا گیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ علم کلام سے پوری مناسبت اور اس میں
مہارت تامہ کے بغیر ایسے دقیق علوم کا سمجھنا سمجھانا ممکن نہیں ۔ اسی طرح
کی دقیق تحقیق مسئلہ رؤیت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان القرآن میں کی
گئی ہے ۔ جو قابل ملاحظہ ہے جس سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دقت
نظر اور علوم عقلیہ منطقیہ میں بھی کامل مہارت کا اندازہ ہو سکتا ہے فرماتے
ہیں "حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے کلام فرمایا مگر یہ کہ اس کی
حقیقت کیا تھی اللہ ہی کو معلوم ہے جن احتمالات عقلیہ کی شریعت نفی نہ
کرے ان سب کے قائل ہونیکی گنجائش ہے لیکن بلا دلیل عدم تعین اسلم ہے
تفصیل اس کی کتب کلامیہ میں ہے البتہ قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے اتنا
ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام کو بہ نسبت اس کلام کے جو عطائے نبوت
کے وقت ہوا تھا ۔ کچھ زیادہ اختصاص متکلم سے ہے چنانچہ یہاں مطلق
کلمہ ربہ ہے ۔ وہاں نودی من شاطئی الواد الایمن فی البقعة
المبارکة من الشجرة آیا ہے اور غالباً زیادہ اختصاص کے سبب یہ کلام
مورث اشتیاق رویت ہوا وہ نہیں ہوا ۔ واللہ اعلم

اس تقریر سے دونوں کلاموں میں فرق واضح ہو کر سوال رویت کی
وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ زیادت اختصاص تکلم ہے اور آگے فرماتے ہیں ۔

"پہاڑ پر تجلی ہونے کے معنی واللہ اعلم یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ حق
تعالیٰ کا نور خاص بارادۂ خداوندی خلائق سے محجوب ہونے کے جو وسائط ہیں
وہ حجب اور موانع ہیں تعیین ان کی اللہ کو معلوم پس غالباً ان حجب میں بعض
حجب مرتفع کر دیئے ہوں اور چونکہ وہ حجب مرتفعہ قلیل تھے اس لئے ترمذی
کی حدیث مرفوع میں تمثیلاً اس کی علت کو انملہ خنصر سے تشبیہ دی ہے ورنہ
صفات الٰہیہ تجزی و مقدار سے منزہ ہے اور چونکہ افعال حق تعالیٰ کے

اختیاری ہیں اس لئے ممکن کہ وہ حجب جبل کے اعتبار سے مرفوع ہوئے ہوں اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر خلق کے اعتبار سے مرتفع نہ ہوئے ہوں یہ معنی ہو جاویں گے للجبل کے صفات حق اور افعال حق کے درمیان فرق واضح فرما کر صفات الہیہ میں تجزی کے سخت اشکال کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ہی مختصر اور جامع لفظوں میں حل فرمادیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ اب تجلی للجبل کے معنی بھی واضح ہو گئے اور صفات الہٰیہ کی تجزی کا اشکال بھی رفع ہو گیا"۔ آگے فرماتے ہیں۔

"اور چونکہ ارتفاع حجب کا خاصہ احراق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے لاحرقت بسحات النور ماانتهى اليه بصره اس لئے پہاڑ کی یہ حالت ہوئی اور یہ ضرور نہیں کہ سارے پہاڑ کی یہ حالت ہو جائے کیونکہ تجلی فرمانا باختیار خود کسی خاص قطعہ پر ممکن ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی ان پر تجلی فرمانے سے نہ تھی چونکہ ظاہر اللجبل کے خلاف ہے بلکہ پہاڑ کی یہ حالت دیکھ کر نیز محل تجلی کے ساتھ ایک گونا تعلق و تلبس ہونے سے یہ بے ہوشی ہوئی"

سبحان اللہ کیا عجیب علمی تحقیق ہے ورنہ تو نظر اس تجلی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہونا بھی ثابت ہوتا ہے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ بصیرت نے اس کو للجبل کی قید سے خارج سمجھا اور یہ اشکال بھی اس سے مرتفع ہو گیا کہ جس طرح جبل پر تجلی ہوئی ایسے ہی ایک گونا حضرت موسیٰ

علیہ السلام بھی تجلی کے مورد ہوئے اور کسی نہ کسی درجے میں گو ادنی سے ادنی درجہ کیوں نہ ہو رویت ہو گئی اور یہ لن ترانی کے خلاف ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ کی اس تقریر بلیغ سے سمجھ میں آگیا کہ تجلی صرف پہاڑ پر تھی اور یہ تجلی فرمانا چونکہ فعل حق تھا اور افعال حق اختیاری ہیں اسی لئے پہاڑ کے علاوہ دوسری کسی مخلوق سے یہ حجابات مرتفع نہیں کئے گئے۔

آگے استقرار جبل کی تقریر رویت کے وقوع اور عدم استقرار کی تقریر پر رویت کے عدم وقوع میں باہم علاقہ کی تحقیق فرماتے ہیں۔ "ظاہر فان استقر مكانه فسوف تراني سے استقرار کی تقدیر پر رویت کا وقوع اور عدم استقرار کی تقدیر پر رویت کا عدم وقوع مفہوم ہوتا ہے اس میں قابل تحقیق یہ امر ہے کہ ان میں باہم علاقہ کیا ہے سو عدم استقرار اور عدم وقوع رویت میں تو علاقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاسہ بصر یہ موسویہ ترکیب عنصری میں جبل سے اضعف والطف ہے جب اقوی واشد متحمل نہ ہوا تو اضعف کیسے متحمل ہو گا اور اس تقریر پر گو استقرار مستلزم تحمل بصر موسوی عقلاً نہ ہو گا لیکن اس کو وعدے پر محمول کرنے سے اشکال رفع ہو جائے گا۔ یعنی باوجود دونوں کی عدم تساوی ہم تبرعاً وعدہ کرتے ہیں کہ اگر یہ متحمل ہو گیا تو تمہارے حاسہ بصریہ کو بھی متحمل کر دیا جائے گا"

واقعۃً یہ اشکال بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے کہ استقرار جبل سے رویت کا تحمل کیسے لازم ہو گا اور ان دونوں میں عقلاً کیا ملازمہ ہے کہ استقرار جبل

سے رویت کا تحمل بھی ثابت ہو سکے - جب یہ ملازمہ ثابت نہ ہو گا تو اشکال
رویت پر رہے گا لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے استقرار جبل اور رویت
موسوی میں بنابر وعدہ عطائے تحمل کے مساوات اور ملازمہ ثابت کر کے اس
اشکال کی اساس کو ہی منہدم کر دیا-

نیز فرماتے ہیں "وقوع تجلی سے وقوع رویت کا شبہ نہ کیا جاوے
کیونکہ دونوں مترادف یا متلازم نہیں ہیں بلکہ تجلی کا معنی کسی شے کا ظہور ہے
گو دوسرے کو اس کا ادراک نہ ہو پس تجلی کا انفکاک رویت سے ممکن ہے جیسے
آفتاب کو متجلی و طالع کہہ سکتے ہیں لیکن خفاش کو رائی اور مدرک کہنا لازم
نہیں آتا چونکہ ممکن ہے کہ مبادی تجلی کے سبب چشم خفاش معطل ہو جاتی
ہو- تجلی کے قبل بہ قبلیت زمانیہ یا تجلی کے ساتھ معیت زمانیہ و قبلیت ذاتیہ
" (بیان القرآن ص ۱۴۱ ج ۴)

وقوع تجلی سے وقوع رویت کے شبہ کو کس طرح واضح مثال کے
ساتھ دور فرمایا گیا ہے کہ باید و شاید' واقعی سخت سے سخت تر شبہ کا حل کر کے
پھر اس کو ذہن نشین کر دینا حضرتؒ ہی کی خصوصیات میں سے ہے-

اس بحث کے متعلق آیت لاتدرکہ الابصار و ھو یدرک
الابصار (پ ۷) کے تحت حضرتؒ فرماتے ہیں- "حال مقام کا یہ ہے کہ
حق تعالیٰ کے سوا کوئی مبصر و مرئی خواہ کیسا ہی اکبر و اعظم ہو ایسا نہیں کہ اس
کا احاطہ کسی رائی کی بصر سے خواہ وہ کیسا ہی اصغر و احقر ہو محال ہو چنانچہ اس کا

امکان باقتضائے عقل ظاہر ہے بخلاف حق تعالیٰ کے باوجودیکہ دنیا میں عقلاً
مبصر ہونا فی حد ذاتہٖ ممکن ہے جیسا کہ رب ارنی کی درخواست سے ظاہر
ہے گو شرعاً ممتنع ہے جیسا کہ لن ترانی سے یقینی ہے- نیز احادیث میں علی
الاطلاق اس کی تصریح ہے اور آخرت میں مبصر ہونا واقع ہے لیکن احاطہ ہر
حالت میں محال ہے' اور یہ امر خواص باری تعالیٰ سے ہے پس یہ شبہ دفع
ہو گیا کہ بعض اجسام عظیمہ پر بھی یہ امر صادق آتا ہے کہ لاتدرکہ
الابصار وجہ دفع ظاہر ہے کہ وہاں ادراک بمعنی الاحاطہ محال تو نہیں
پس نفی ادراک مذکور فی الآیت مرتبہ استحالہ میں خواص واجب سے ہوا اور ا
حاطہ عقلیہ کا محال ہونا مستقلاً بھی کتب کلامیہ میں مذکور ہے اور لا تدرکہ
الابصار بھی بالا ولی اس پر دال ہے- اس کی تقریر اثنائے ترجمہ میں کر
دی گئی اور یدرک الابصار میں تخصیص ابصار کی باقتضائے خصوصیت
مقام ہے کہ مقام بیان ابصار کا ہے خصوصیت حکم کی مقصود نہیں- کیونکہ
عموم دوسرے دلائل سے ثابت ہے اور اس کا مضمون خواص واجب سے اس
طور پر ہے کہ ممکنات میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ دوسری چیز کا اس کو محیط ہونا
محال ہو اور اس کا احاطہ اس دوسری چیز کو واجب ہو پس لاتدرکہ الابصار
میں نفی مرتبہ استحالہ میں معتبر ہو گی اور یدرک الابصار میں اثبات مرتبہ
وجوب میں معتبر ہو گا اب دونوں حکموں کا خواص باری میں سے ہونا ظاہر و
متقین ہو گیا- (بیان القرآن ص ۱۱۷ ج ۳)

اس آیت مبارکہ کی تفہیم میں مسائل کلامیہ اور قواعد میزانیہ کے علم کی سخت ضرورت ہے' ورنہ اس کی صحیح تفسیر و تفہیم ممکن نہیں لاتدرکہ الابصار کے ظاہر سے یہ عقلی شبہ ہوتا ہے کہ بعض اجسام عظیمہ کا بھی ادراک ابصار سے نہیں ہوتا تو پھر اس میں باری تعالیٰ کی کیا خصوصیت ہوئی؟ مگر حضرتؒ کی تقریر بالا سے یہ شبہ دور ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت واضح ہو گئی کہ ایک تو کسی ممکن چیز کا منفی ہونا اور اس کے وقوع کی نفی کرنا ہے اور ایک اس کا محال ہونا ہے' اس آیت میں ابصار سے احاطہ کے وقوع کی صرف نفی مقصود نہیں بلکہ ادراک کا محال ہونا ثابت کرنا مقصود ہے۔ اور یہ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کہ اس کا ادراک ابصار سے محال ہے بعض اجسام عظیمہ کا احاطہ اور ادراک ابصار سے اگرچہ منفی اور غیر واقع ہو مگر غیر ممکن اور محال نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ ادراک کی نفی مرتبہ استحالہ میں معتبر ہے جیسا کہ ھو یدرک الابصار میں اثبات ادراک مرتبہ وجوب میں معتبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے خواص میں سے ہے کہ ابصار سے اس کا ادراک محال ہے اور ابصار کا ادراک باری تعالیٰ کے لئے مرتبہ وجوب میں ثابت ہے۔ اور وھو یدرک الابصار میں جو بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابصار کے علاوہ اور سب چیزوں کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے پھر صرف ابصار کے ادراک واحاطے کا اس جگہ خصوصیت سے کیوں ذکر فرمایا گیا۔ تو اس تخصیص ذکری کی وجہ مقام کی خصوصیت ہے کہ مقام بیان ابصار کا

ہے خصوصیت حکم کی مقصود نہیں کیونکہ عموم اور اللہ تعالیٰ کا ہر چیز کو محیط ہونا دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر ابصار سے احاطہ کی نفی کا ذکر تھا تو باری تعالیٰ کے لئے اسی کے احاطہ اور ادراک کا اثبات فرما دیا گیا۔

لاتدرکہ الابصار کا ترجمہ "اس کو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی" فرمایا گیا ہے اس کے بارے میں حضرتؒ ارشاد فرماتے ہیں "اور ادراک کا جو ترجمہ کیا گیا اس سے معتزلہ کا استدلال دربار انکار رویت الہیہ کے اہل جنت کے واسطے ساقط ہو گیا اور ادراک کے یہ معنی ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔ چنانچہ درمنثور میں ہے۔

اخرج ابن جریر عن ابن عباسؓ لاتدرکہ الابصار ولا یحیط بصر احد باللہ تعالیٰ آہ اور روح میں ہے۔ والیہ ذھب الکثیر من ائمۃ اللغۃ وغیر ھم پس مطلق رویت ثابت اور احاطہ منفی۔ اور حدیثوں میں جو حضور ﷺ سے اس سوال کے جواب میں ھل رایت ربک دو جواب آئے ہیں ایک "نورانی اراہ" دوسرا "رایت نورا پہلے جواب میں احاطہ مراد ہے دوسرے میں مطلق رویت

(بیان القرآن ص ۱۱۷ ج ۳)

رویت اور عدم رویت کی حدیثوں میں تطبیق کی یہ کیسی عجیب و غریب صورت تجویز فرمائی گئی ہے جس میں نقلی اور عقلی ہر ہر پہلو کی رعایت

کے ساتھ مذہب اہلسنت والجماعت کی موافقت بھی حاصل ہے- آگے ایک
اور شبہ کا جواب ارقام فرماتے ہیں جو بظاہر اس تقریر پر ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ
کی رویت دنیا میں شرعاً ممتنع ہے فرماتے ہیں-

"جاننا چاہیئے کہ لیلۃ المعراج مین آپؐ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جیسا کہ
جلالین سے بتخریج مستدرک حاکم بروایت حضرت ابن عباسؓ حضور
ﷺ کا ارشاد منقول ہے رایت ربی عزوجل الحدیث وہ اس حکم امتناعی شرعی
فی الدنیا سے مخصوص ہے اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ سمٰوٰت وما فوقھا کو
دنیا سے خارج فرماتے ہیں اور آخرت میں داخل کرتے ہیں اس بناء پر کہ
آخرت کا ایک .مانہ ہے جو قیامت میں آوے گا اور ایک مکان ہے جو اوپر مذکور
ہوا پس یہ رویت آخرت میں ہوئی تھی فلا حاجۃ الی القول
بالتخصیص (بیان القرآن ص ۱۱۸ ج ۳)

شروع میں گزر چکا ہے کہ تفسیر قرآن کے لئے بہت سے علوم کی
ضرورت ہے جیسا کہ تفصیل مذکور سے ناظرین پر واضح ہو چکا بغیر علوم
عربیہ اور قواعد ضروریہ کے قرآن کریم کی آیات کا صحیح مفہوم و مطلب نہیں
سمجھا جاسکتا بلکہ تعارفض اور اشکالات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور انسان
شبہات میں گھر جاتا ہے اس کی ایک مثال اور پیش ہے- ایک جگہ اللہ تعالیٰ
نے قد افلح من زکھا (جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا)
فرمایا ہے جس سے تزکیہ کا مدار فلاح اور مامور بہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے- فلا تزکوا انفسکم (تم اپنے کو مقدس
مت سمجھا کرو) اس کا ترجمہ ناواقف یوں کرے گا کہ اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ
کرو کیونکہ لاتزکوا نہی کا صیغہ ہے مشتق تزکیہ سے تو اب اس کو اشکال
واقع ہوگا کہ ایک جگہ تو تزکیہ کا امر ہے اور ایک جگہ اس سے نہی ہے؟ جواب
اس کا یہ ہے کہ اگر اس آیت میں لاتزکوا انفسکم کو اس کے مابعد سے
ملا کر غور کیا جائے تو شبہ حل ہو جائے گا- قرآن کریم میں اکثر شبہات ماسبق
اور مابعد کو نہ ملانے سے پیدا ہوتے ہیں اگر شبہ وارد ہونے کے وقت آیت
کے ماسبق اومابعد میں غور کر لیا جائے تو خود قرآن ہی سے شبہ رفع ہو جایا
کرے تو اس جگہ شبہے کا جواب موجود ہوگا- چنانچہ لاتزکوا انفسکم پر جو
قد افلح من زکھا سے تعارض کا شبہ ہوا تھا اس کا جواب اسی جملے کے
ساتھ ساتھ دوسرے جملے میں مذکور ہے. یعنی ھواعلم بمن اتقیٰ کیونکہ
اس میں نہی مذکور علت کا ذکر ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ
کرو کیونکہ حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہیں اس میں حق تعالیٰ نے
دو باتیں بیان فرمائی ہیں ایک اپنا زیادہ علیم ہونا دوسرے من اتقیٰ کے ساتھ
اپنے علم کا متعلق ہونا اور نصوص شرعیہ میں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہے
کہ تقویٰ باطنی عمل ہے- نیز تقویٰ کے معنی لغۃً ڈرنے اور پرہیز کرنے کے
ہیں یعنی معاصی سے بچنا اور ڈرنا تو ظاہر ہے کہ باطن کے متعلق ہے اور
معاصی سے ڈرنا خود اصلاح باطنی ہے- لہٰذا تقویٰ اور تزکی دونوں مرادف

ہوئے آیت کا حاصل یہ ہوا ھو اعلم بمن تزکی ایک مقدمہ تو یہ
ہوا- اب یہ سمجھو کہ اس میں تزکی کو عبد کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس
سے اس کا داخل اختیار ہونا مفہوم ہوتا ہے تو وہ مقدور ہوا پھر یہ کہ اعلمہ
فرمایا ہے اقدر نہیں فرمایا اس سے بھی اشارۃً معلوم ہوا کہ بندہ کی قدرت کی
نفی نہیں ہے پس اس سے بھی تقویٰ اور تزکی کا مقدور عبد ہونا مفہوم ہوا اور نہ
اعلم نہ فرماتے بلکہ اقدر علی جعلکم متقین یا اس کے مناسب اور کچھ
فرماتے جب تقویٰ اور تزکی ایک ٹھہرے اور مقدور عبد ٹھہرے اب غور کرنا
چاہئے کہ ھو اعلم بمن اتقی لا تزکو انفسکم کی علت بن سکتی ہے یا
نہیں اگر لا تزکوا کے معنی یہ لئے جائیں کہ نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو یعنی
نفس کو رذائل سے پاک کرنے کی کوشش نہ کرو تو ھو اعلم بمن اتقی
اس کی علت نہیں ہو سکتی- کیونکہ ترجمہ یہ ہو گا کہ اپنے نفسوں کو رذائل سے
پاک نہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے تزکی اور تقویٰ
کیا ہے اور یہ ایک بے جوڑ سی بات ہے- یہ تو ایسا ہوا جیسے یوں کہا جائے کہ "
نماز نہ پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کس نے نماز پڑھی ہے ظاہر ہے
کہ حق تعالیٰ کا بندے کے کسی فعل کو جاننا اس کے ترک کی علت نہیں ہو سکتی
ورنہ پھر سب افعال کو ترک کر دینا چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ بندہ کے سب افعال
کو جانتے ہیں بلکہ اس کے مناسب یہ علت ہو سکتی تھی کہ ھو اقدر علی
جعلکم متقین یعنی یوں فرماتا کہ تم نفس کو رذائل سے پاک نہ کرو کیونکہ

تم کو متقی بنانے پر حق تعالیٰ زیادہ قادر ہیں تم پورے قادر نہیں پھر کیوں
کوشش کرتے ہو جب یوں نہیں فرمایا بلکہ اعلم بمن اتقیٰ فرمایا ہے تو
معلوم ہوا کہ یہاں تزکیہ کے وہ معنی نہیں بلکہ کچھ اور معنی ہیں جس کے
ترک کی علت ھو اعلم بن سکے سو وہ معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ
کہو یعنی پاکی کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کون متقی ہیں
اور کون پاک ہوا ہے یہ بات تم کو معلوم نہیں اس لئے دعوی بلا تحقیق مت
کرو اب کلام میں پورا جوڑ ہے اور علت معلول میں کامل ارتباط ہے-

(وعظ زکوۃ النفس)

لا تزکو انفسکم پر جو قد افلح من زکھا سے تعارض کا شبہ
ہو رہا تھا تقریر مذکور سے وہ رفع ہو گیا اور آیت کے اگلے حصے ھو اعلم
بمن اتقی میں غور کرنے کے بعد یہ شبہ جاتا رہا حسب تقریر سابق علت و
معلول میں ارتباط اور کلام میں اتصال سے یہ ثابت ہو گیا کہ تزکیہ کے دو معنی
ہیں پاک کرنا' اور پاک کہنا' ایک آیت میں ایک معنی مراد ہیں اور دوسری میں
دوسرے معنی اگر دونوں آیتوں میں ایک ہی معنی مراد لئے جائیں تو تعارض
پیدا ہوتا ہے اب تزکیہ کے دو معنی ہونے کی علت اور اس کی حقیقت حضرت
رحمۃ اللہ علیہ کی زبان فیض ترجمان سے سنئے- فرماتے ہیں-

"اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ تزکیہ باب تفعیل کا مصدر ہے اور
تفعیل کی خاصیتیں مختلف ہیں جس طرح اس کی ایک خاصیت تعدیہ ہے اس

طرح ایک خاصیت نسبت بھی ہے۔ پس قد افلح من زکھا میں تزکیہ کا استعمال خاصیت تعدیہ کے ساتھ ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا اس میں نفس کو رذائل سے پاک کرنے کا امر ہے اور لاتزکوا انفسکم میں تزکیہ کا استعمال خاصیت نسبت کے ساتھ ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو۔ اس میں نفس کو پاک کہنے کی ممانعت ہے۔ اب ان دونوں میں کچھ بھی تعارض نہیں۔ کیونکہ جس چیز کا ایک جگہ امر ہے دوسری جگہ اس کی ممانعت نہیں۔ بلکہ ایک نئی چیز کی ممانعت ہے حکم تو نفس کے پاک کرنے کا ہے۔ اور ممانعت پاک کہنے سے ہے۔ (زکوۃ النفس)

مگر اس حقیقت کو وہی سمجھے گا جو غربیت اور ابواب کی خاصیت سے واقف ہوگا اس لئے فہم قرآن کے لئے لغت اور صرف ونحو وغیرہ جاننے کی سخت ضرورت ہے ایسے علوم کے حاصل کئے بغیر قرآن کا صحیح ترجمہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ جو شخص خاصیت ابواب کو نہ جانتا ہوگا وہ دونوں آیتوں میں ایک ہی معنی سمجھے گا اور شبہات میں پڑے گا۔ اور جو شخص جانتا ہو گا وہ سمجھ لے گا کہ باب تفعیل کی خاصیت جس طرح تعدیہ ہے اس کی ایک خاصیت نسبت بھی ہے۔ اور پاک نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کو تزکیہ کی طرف منسوب نہ کرو یعنی یہ (دعویٰ نہ کرو کہ ہم پاک ہو گئے یعنی گفتن کے دو معنی ہیں ایک تو مطلق کہنا کہ بقصد قبول حق کے دوسرا کمال کا دعویٰ کرنا پس لاتزکوا میں تزکیہ بمعنی پاک گفتن سے مراد دعویٰ پاکی کردن ہے۔ (زکوۃ النفس)

علم باری کی وسعت

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید کی تفسیر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:۔

"یہ گردن کی رگیں ورید اور شریان دونوں کو محتمل ہیں مگر شریان مراد لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ ان میں روح غالب اور کون مغلوب رہتا ہے اور ورید میں بالعکس یہاں جس کو روح میں زیادہ دخل ہو اس کا مراد لینا مناسب ہے۔ اور سورۃ حاقہ میں وتین بمعنی رگ دل سے تعبیر کرنا اس کو مؤید ہے کیونکہ جو رگیں قلب سے ناشی ہیں شرائیں ہیں اور گو قرآن میں لفظ ورید ہے مگر معنی لغوی اس کے عام ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ ہم باعتبار علم کے اس کی روح اور نفس سے بھی نزدیک تر ہیں یعنی جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ علم حصولی میں انسان کو اپنی بہت سی حالتوں کا علم نہیں ہوتا اور جن کا علم ہوتا ہے بعض اوقات ان کا نسیان یا ان سے ذہول ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ میں یہ احتمالات گنجائش ہی نہیں رکھتے اور علم حضوری میں گو حضور معلوم کا لازم ہے مگر بوجہ حادث ہونے کے خود وہ وجود معلوم سے متاخر ہے، اور حق تعالیٰ کا علم جو اس سے متعلق ہے جو اس کے وجود سے متقدم ہے اور ظاہر ہے کہ جو علم ہر

حالت میں ہو اس کا تعلق بہ نسبت اس کے کہ ایک حالت میں ہو زیادہ ہوگا غرض علم باری کا جمیع احوال انسانیہ کے ساتھ متعلق ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

(بیان القرآن ص ۵۳ ج ۱۱)

اور سورۃ الحاقہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

"اور سورۃ ق میں جان کو رگ گردن سے تعبیر فرمایا اور یہاں رگ دل سے جس سے ظاہر مراد شرائین ہیں جن کا منبت قلب ہے بات یہ ہے کہ اسی رگ قلب کی شاخیں گردن تک بھی پہنچی ہیں پس دونوں تعبیروں کا حاصل ایک ہی ہے' اور اگر وہ مراد ہوں جن کا منبت کبد ہے اور وہ دل میں ہو کر بدن میں پھیل گئی ہیں اور اسی لئے اس کو رگ دل کہہ دیا ہو تو اس کی شاخ بھی گردن میں گئی ہے۔ (بیان القرآن ص ۳۸ ج ۱۲)

لغوی تحقیق کے ساتھ دونوں آیتوں میں مطابقت کیسے اچھے اور عمدہ طریقے سے فرمادی گئی ہے علم لغت میں مناسبت اور مہارت کے بغیر ایسی عجیب تحقیق اور حسین تطبیق کا سمجھنا اور لکھنا ممکن نہیں ہے۔

قرب حق کی تحقیق

اسی آیت کے سلسلے میں مزید تشریح سنئے حضرتؒ فرماتے ہیں۔

"حق تعالیٰ کو بندہ سے جتنی محبت ہے اتنی بندہ کو حق تعالیٰ سے نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور ظاہر ہے کہ

جیسی معرفت بندہ کی خدا کو ہے بندہ کو خدا کی نہیں اور یہی معنی ہے آیت ونحن اقرب الیہ من حبل الورید کے کہ علماً و معرفۃً بندہ سے ہم قریب ہیں ونعلم ماتوسوس بہ نفسہ اسی وجہ سے نحن اقرب فرمایا ہے کہ ہم قریب ہیں انتم اقرب الینا نہیں فرمایا کہ تم بھی ہم سے قریب ہو سو اگر اس سے قرب حقیقی مراد ہوتا تو دونوں طرف سے قرب ہوتا چونکہ یہ قرب نسب متکررہ سے ہے اگر ایک طرف سے قرب ہوگا تو دوسری سے بھی ضرور ہوگا۔ رہا قرب علمی سو اس میں یہ ضرور نہیں کہ اگر ایک طرف سے قرب ہو تو دوسری طرف سے بھی ہو تو قرب علمی خدا کی طرف سے تو ہے اس لئے ان کا علم کامل ہے اور بندہ کی طرف سے نہیں چونکہ بندہ ہے غافل۔ پس بندہ تو خدا سے دور ہوا اور اللہ تعالیٰ بندہ سے قریب۔

(الصلوٰۃ ص ۴۰)

چونکہ "قرب حق کا یہ مسئلہ نہایت دقیق اور عمیق تھا اور اس کا کنہ اور حقیقت و کیفیت تک رسائی ناممکن تھی اس لئے قرب علمی مراد لے کر تفسیر کی جاتی ہے اور اسی سے یہ اشکال بھی حل ہو جاتا ہے کہ قرب تو نسبت متکررہ سے ہے جس میں دونوں طرف سے قرب کا تحقق ہونا چاہیے یہاں ایسا نہیں اس کا حل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر مذکور سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ قرب علمی میں یہ بات ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک طرف سے قرب علمی ہو اور دوسری طرف سے نہ ہو یہ تقریر تو عام فہم اور

علمی اصطلاحی تھی جو علماء کرام میں مشہور اور متعارف ہے۔ آگے ایک نہایت عجیب و غریب تحقیق اور بڑی ہی لطیف تقریر سنئے ارشاد ہوتا ہے۔

"اب رہا یہ سوال کہ (اقرب الیہ من حبل الورید) "رگ گردن سے زیادہ قریب" کیسے ہیں؟ اس کا حقیقی جواب یہ ہے اس مسئلہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ بعض نے تو یہ کہہ دیا ہے کہ یہاں قرب علمی مراد ہے مگر من حبل الورید کا لفظ بتلا رہا ہے کہ یہاں قرب علمی سے زیادہ کوئی دوسرا اقرب بتلانا مقصود ہے کیونکہ حبل الورید ذی علم نہیں ہے کہ اس سے اقرب ہونا اقربیت فی العلم پر دال ہو کیونکہ یہاں قرب ذات پر دلالت مفہوم ہوتی ہے۔ مگر اس کیفیت کو ہم بیان نہیں کر سکتے چونکہ حق تعالیٰ کیفیت سے منزہ ہیں ان کا قرب بھی کیفیت سے منزہ ہے مگر تقریب فہم کے لئے اتنا بتلائے دیتا ہوں کہ ہم کو جو اپنی ذات سے قرب ہے یہ قرب وجود کی فرع ہے اگر وجود نہ ہوتا تو نہ ہم ہوتے نہ ہم کو اپنی ذات سے قرب ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ وجود میں حق تعالیٰ واسطہ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہمارے اور اس تعلق کے درمیان میں واسطہ ہیں جو ہم کو اپنی جان کے ساتھ ہے تو ہم کو اول حق تعالیٰ سے تعلق ہے پھر اپنی جان کے ساتھ تعلق ہے اس تقریر کے انحصار سے قرب حق کا مشاہدہ گو بہت کچھ ہو جائے گا مگر کیفیت اب بھی واضح نہ ہو گی۔ البتہ عقلاً یہ معلوم ہو جائے گا کہ حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ ہماری جان سے بھی زیادہ قرب و تعلق ہے اور یہی مقصود ہے"

(وعظ عصم ص ۲۰)

اس تقریر انیق کی خصوصیت اور اس کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ قرب سے علمی قرب کے علاوہ غیر معلوم الکیفیت قرب مراد ہے، صفات الٰہیہ کے کلامی مسائل میں دسترس اور ان میں عبور و مہارت حاصل کئے بغیر اس تقریر کی تہہ تک نہیں پہنچا جا سکتا اور اس کی دقت و غموض تک رسائی نہیں حاصل ہو سکتی۔

رحمۃ للعالمین کا مطلب

"وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین"

اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی ذات کے واسطے (رسول بنا کر) نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر (اپنی) مہربانی کرنے کے لئے (وہ مہربانی یہی ہے کہ لوگ رسول سے ان مضامین کو قبول کریں اور ہدایت کے ثمرات حاصل کریں اور جو قبول نہ کرے یہ اس کا قصور ہے اس مضمون کی صحت میں کوئی خلل نہیں پڑتا)۔

(بیان القرآن ص ۳ ج ۷)

اس پر ایک طالب علمانہ اشکال عام طور پر ہوتا ہے اس کی تقریر اور رفع اشکال ذیل میں پڑھیئے۔ اگرچہ اس تفسیر پر جو اوپر کی گئی ہے کوئی اشکال متوجہ نہیں ہوتا" یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہے۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ جب رحمۃ للعالمین ہیں تو ابو جہل پر بھی کچھ رحمت ہونا چاہیے کیونکہ عالمین میں تو وہ

بھی داخل ہے یہ تو ہوا اشکال اب اس کا جواب سنئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں "یہاں رحمت سے مراد ہے رحمت تبلیغ وارسال ہے۔ نجات و
آخرت کے اعتبار سے رحمت مراد نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ الارحمۃ اس جگہ
ارسال کی غایت ہے یہ اس کا قرینہ ہے کہ یہاں رحمت سے وہی مراد ہے جو
ارسال پر مرتب ہوتی ہے۔ نیز اس سے پہلے ارشاد ہے ان فی ھذا لبلاغا
لقوم عابدین۔ یہ بھی اس کا قرینہ ہے کہ یہاں تبلیغ کی برکات کا ذکر ہے
پس مطلب یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے اس سے اہل عالم پر
مہربانی کرنا منظور ہے کہ آپؐ کے ذریعے سے لوگوں کی طرف وحی پہنچائیں
اور ظاہر ہے کہ یہ رحمت تمام عالم کو ہے کوئی فرد بشر اس سے محروم نہیں رہا
چاہے کوئی ہدایت قبول کرے یا نہ کرے۔

(المورد الفرخی)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں تفسیر ہی ایسے طریقے
سے کر دی ہے جس پر کوئی اشکال وارد ہی نہیں ہوتا جس کے جواب کی
ضرورت ہو اور عام طور پر جو اشکال الفاظ کے اطلاق کی وجہ سے ذہنوں میں
پیدا ہو سکتا ہے اس کا حل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس واضح تقریر و بیان سے
ہو جاتا ہے۔

ملفوظات الترجمہ عربی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ
بیان کرتے ہوئے جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا حاصل مطلب اس طرح ہے

کہ ترجمے میں اور کسی بات کے واسطے) بڑھا کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ
رحمت علت اور مفعول لہٗ ہے اور تمام علتوں میں سے ایک علت رحمت
مستثنیٰ ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے رسول بنا کر بھیجنے کی سوائے رحمت
کے اور کوئی وجہ نہیں اور مہربانی سے پہلے (اپنی) کا لفظ بڑھا کر اشارہ اس
طرف ہے کہ رحمت مصدر کا فاعل اللہ ہے۔ (بیان القرآن)

ظاہر ہے اس تقریر کو علم نحو میں مناسبت کے بغیر اچھی طرح ذہن
نشین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مسئلہ علم نحو کا ہے کہ مفعول لہ کا فاعل وہی ہوتا ہے
جو اس کے فعل عامل کا فاعل ہوتا ہے اور وما ارسلنک میں ارسال فعل
عامل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے مفعول لہ کا فاعل بھی اللہ ہے اس نحوی
قاعدہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مفعول لہ کے ترجمے سے پہلے اپنی لفظ
بڑھا کر ظاہر کر دیا ہے۔

ایک آیت کی تفسیر میں علم معانی کی رعایت

آیت ذیل کی تفسیر میں علم بیان و معانی اور قواعد عربیت کی رعایت
جس عجیب انداز سے کی گئی ہے وہ اہل علم کی توجہ کی طالب ہے۔ فرماتے ہیں
" والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا وانابوا الی اللہ لھم
البشری جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں یعنی اس کی عبادت سے بچتے ہیں اس
ترجمے ہی سے معلوم ہو گیا کہ ان یعبدوھا الطاغوت سے بدل ہے اور

طاغوت سے مراد شیطان ہے جو ہر شیطان کو شامل ہے- وانا بوا الی اللہ یہ تقابل بدیع ہے یعنی وہ لوگ شیطان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اسی کو مقصود و معبود سمجھتے ہیں- اس کے بعد مبتداء کی خبر ہے- لھم البشری کہ جنکی یہ شان ہے بشارت سنائے کے مستحق ہیں جیساکہ مفہوم ہے لام کا اس کے بعد ہے فبشر عباد الذین یستمعون کہ اچھا پھر ان کو بشارت سنا ہی دیجئے- سبحان اللہ قرآن بھی کس قدر بلیغ ہے کہ اول تو ان کا مستحق بشارت ہونا بیان فرمایا پھر بشارت فرمانے کا حکم دیا کہ انکو بشارت سنا ہی دیجئے اس طرز تشویق کا جس درجے مخاطب پر اثر ہوتا ہے اہل ذوق پر مخفی نہیں-

اب یہ سمجھئے کہ یہاں عباد الذین یستمعون القول سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ وہ شیطان سے بچتے ہیں اور اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں کیونکہ عربیت کا قاعدہ ہے اذا اعیدت المعرفۃ کانت الثانیۃ عین الاولیٰ کہ جب معرفہ کو دوبارہ معرفہ ہی بنا کر اعادہ کیا جائے تو ثانی سے مراد وہی ہوگا جو اولیٰ سے مراد ہے مگر اعادہ معرفہ کی بھی ظاہر صورت یہ تھی کہ یہاں ضمیر لائی جاتی اسم اشارہ یعنی فبشرھم یا فبشر ھؤلاء فرمایا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ضمیر کو چھوڑ کر وضع الظاہر موضع المضمر اختیار کیا- اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس عنوان سے تحصیل کمالات کا طریقہ بتلایا ہے اور یہ بتلایا ہے

کہ تحصیل کمالات میں ترتیب ہے حاصل اس ترتیب کا یہ ہے کہ تم کو اول استماع القول لازم ہے جس کا حاصل طلب علم ہے- اس کے بعد اس کا اتباع لازم ہے اس کا حاصل عمل ہے خلاصہ یہ ہوا کہ تحصیل کمال کا طریقہ علم و عمل ہے" (وعظ الاستماع والاتباع)

اس آیت مبارکہ کی کیا ہی عجیب و غریب اور مربوط و مربط نفیس تفسیر فرمائی گئی ہے جس سے پوری آیت کا مفہوم بڑا ہی وجد ہی وجد آفرین ہو جاتا ہے اور علم معانی و بیان اور دوسرے قواعد عربیت کی ضرورت کس درجہ واضح ہو جاتی ہے وہ اہل علم کے غور کرنے کی چیز ہے- اب رہا یہ کہ القول سے مراد آیت مبارکہ میں کونسا قول ہے- اور اس کی کیا دلیل ہے- حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں-

"اب سمجھئے کہ یہاں یستمعون القول قول سے مراد کلام اللہ ہے" وجہ سے ایک یہ کہ اس میں لام عہد کا ہے اور یہاں معہود کلام اللہ ہی ہے دوسرے قاعدہ عربیت کا ہے المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل کہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے پس یہاں بھی مطلق قول سے مراد قول کامل ہونا چاہئے اور قول کامل قرآن ہی ہے- یہ تو عقلی دلیل تھی القول سے قرآن کی مراد ہونے کی اور اس آیت کے چند آیات بعد ہی نقلی دلیل بھی مذکور ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ نزل احسن الحدیث کتا بامتشابھا مثانی اس میں قرآن کو احسن

الحدیث کہا گیا ہے اور یہاں احسنہ فرمایا جس کا مرجع قول ہے تو حاصل احسن
القول ہوا اور احسن الحدیث واحسن القول کے ایک ہی معنی ہیں اور اس سے
یعنی قرآن کو احسن الحدیث واحسن القول کے ایک ہی معنی ہیں اور اس سے
یعنی قرآن کو احسن الحدیث کہنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ فیتبعون احسنہ
میں احسن کی اضافت تغائر کے لئے نہیں ہے بلکہ بیانیہ ہے یہاں تک یہ بات
ثابت ہو گئی کہ طریقہ تحصیل کمال کا یہ کہ اول علم قرآن حاصل کیا جائے
پھر اس پر عمل کیا جائے اور علم قرآن کو استماع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس
سے شبہ نہ کیا جائے کہ صرف الفاظ کا سننا مراد ہے معنی کا جاننا مطلوب نہیں
کیونکہ آگے فیتبعون احسنہ بھی ہے اور اتباع الفاظ مجردہ کا نہیں
ہو سکتا۔ بلکہ اتباع بعد علم معانی کے احکام کا ہو گا۔ اس قرینہ سے معلوم ہوا
کہ مراد تو علم معانی ہیں مگر اس کو استماع سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ معانی کا
سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ اول الفاظ کو غور سے سنا جائے جو شخص تحصیل علم
کے وقت معلم کی تقریر کو توجہ سے نہیں سنتا وہ مراد بھی نہیں سمجھ سکتا"

(الاستماع ص ۲۲)

مسائل سائنس

مسائل سائنس کے بارہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق
درج ذیل کی جاتی ہے جس سے معلوم ہو گا کہ یہ مسائل قرآن کریم کے

موضوع لہ نہیں ہیں اس لئے ان مسائل پر تفسیر قرآن کی بنیاد رکھنا درست
نہیں۔ ویسے بھی یہ مسائل یقینی نہیں ہیں۔ محض ظن و تخمین کے درجہ کی
چیزیں ہیں جو آئے دن تجربات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں اس وجہ سے
بھی قرآن کریم کی تفسیر مسائل سائنس پر مبنی نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"آج کل لوگوں نے قرآن کے ماوضع لہ کو بالکل نہیں سمجھا قرآن
میں وہ چیزیں تلاش کی جاتی ہیں جو کہ قرآن کا موضوع نہیں ہے پھر جب
کوئی فلسفہ کی نئی تحقیق ظاہر ہوتی ہے تو اس کو زبردستی قرآن مجید میں ٹھونس
کر بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے قرآن نے تیرہ سو برس پہلے ہی اس کی خبر
دی ہے اور اس سے قران کی بلاغت ثابت کی جاتی ہے۔ قرآن کریم ایک
قانون کی کتاب ہے سائنس وغیرہ کا ذکر اگر اس میں آئے گا تو مقصود کے تابع
ہو کر آئے گا۔ چنانچہ سائنس کے متعلق جو گفتگو ہو گی محض اس قدر کہ سب
مصنوعات ہیں اور ہر مصنوع کے لئے ایک صانع کی ضرورت ہے لہٰذا ان کے
لئے بھی کسی صانع کی ضرورت ہے مگر اس استدلال کے لئے اس کی ضرورت
نہیں ہے کہ اس چیز کی حقیقت بھی دریافت ہو جائے بلکہ مجملاً ان کا علم ہونا
کافی ہے"۔

"قرآن کریم نے توحید کا دعویٰ کیا اس کی دلیل میں ان فی خلق
السموت والارض الآیہ فرمایا جس سے مطلب یہ ہے کہ ان کائنات میں

بھی توحید کے دلائل ہیں تو ان کائنات میں چند حیثیتیں ہیں اول ان کا دلیل
توحید ہونا دوسرے ان کے پیدا ہونے کے طریق اور تیسرے ان کے
تغیرات کے ڈھنگ قرآن کریم کو صرف پہلے حیثیت سے ان سے تعلق ہے
اس کے بعد اگر کوئی یہ سوال کرنے لگے کہ بادل کس طرح پیدا ہوتے ہیں اور
بارش کیونکر ہوتی اور اس قسم کے حالات تو قرآن سے ان کا تلاش کرنا غلطی
ہے" (ضرورت العلم)

کائنات سے وجود صانع پر بیان القرآن میں اس طرح عقلی استدلال
فرمایا گیا ہے۔

"اس استدلال عقلی کا مختصر طریق یہ ہے کہ یہ اشیاء مذکورہ سب
ممکن الوجود ہیں بعض تو بداہتہً بہ سبب مشاہدہ وجود بعد العدم یا تغیر و تبدل
احوال کے اور بعض بدلیل ترکیب من الاجزا یا افتقار بعض الی البعض کے اور
ممکن بوجہ متساوی الوجود والعدم ہونے کے محتاج ہوتا ہے کسی مرجح کا وہ مرجح
اگر ممکن ہے تو اس میں پھر یہی کلام ہوگا تو قطع تسلسل محال کے لئے انتہا
واجب ہے کسی واجب الوجود کی طرف یہ تو دلیل ہے وجود صانع کی"

تقریر توحید صانع

آگے رہا اس کا واحد ہونا سو اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر نعوذ باللہ متعدد
مثلاً دو فرض کئے جاویں تو ان میں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہے یا دونوں کا

قادر ہونا ضرور ہے' شق اول محال ہے کیونکہ عجز منافی ہے وجوب وجود کے
اور شق ثانی پر اگر ان مین سے ایک نے کسی امر کا مثلاً ایجاد زید کا ارادہ کیا تو
دوسرا اس کے خلاف ارادہ کر سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کر سکتا تو اس کا عجز لازم
آوے گا جو منافی وجوب وجود کے ہے اور اگر ارادہ کر سکتا ہے تو اس پر ترتیب
مراد کا ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری نہیں تو تخلف مراد کا ارادہ قادر مطلق
سے لازم آوے گا جو کہ محال ہے' اور اگر ضروری ہے تو دو مختلف مرادوں کا
اجتماع لازم آوے گا کیونکہ ایک واجب کے ارادے پر ایک مراد مرتب ہوا
دوسرے واجب کے ارادے پر دوسرا' اس مراد اول کی ضد مرتب ہوا تو
اجتماع ضدین لازم آیا۔ اور وہ محال اور مستلزم محال کو محال ہے تو تعدد وجب کا
محال ہے' پس وحدت واجب ہے اور یہ یہی مطلوب تھا خوب سمجھ لو"

(بیان القرآن ص ۹۲ ج ۱)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اگر دلائل توحید میں سائنس
کے مسائل مذکور ہوتے تو توحید کو سمجھنا ان کے علم پر موقوف ہوتا اور
مسائل سائنس خود نظری ہیں تو توحید بدون ان کے سمجھے ہوئے ثابت نہ
ہوتی اور مخاطب ان دلائل کے عرب کے بادیہ نشین تک ہیں تو وہ توحید کو
کیسے جانتے یہ نقصان ہوتا سائنس کے مسائل کو قرآن میں داخل کرنے کا
کہ اصل مقصود ختم ہو جاتا"

ایک مثال

"یہی وجہ ہے گو قرآن میں جگہ جگہ سموات اور ارض (مذکور) ہیں لیکن سموٰات بصیغہ جمع اور ارض بصیغہ واحد لایا گیا تاکہ مقدمات میں شغب نہ ہونے لگے پھر مستقل دلیل سے بتلا دیا کہ زمیں بھی سات ہیں چنانچہ بعض کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ ہم تو سب جگہ پھرے ہم کو تو کوئی دوسری زمین نہیں ملی اور ارض کا ترجمہ حدیث تعدد ارض میں اقلیم کا کیا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن شریف میں بعد سبع سموات کے من الارض مثلھن فرمایا ہے تو اقلیم ترجمہ کرنے کی گنجائش کہاں ہے اور حدیث میں صاف آگیا ہے کہ آسمان سات ہیں اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو برس کی راہ ہے پانچ سو برس سے مراد کثرت ہے اس کے بعد زمین کے متعلق بھی فرمایا اب اقلیم کی تاویل کیسے چل سکتی ہے۔" باوجودیکہ یہ ثابت تھی مگر پھر بھی قرآن نے ارضین نہیں فرمایا بلکہ ارض بصیغہ واحد ارشاد فرمایا وجہ اس کی یہ ہے کہ مقصود صرف یہ ہے کہ ان مصنوعات سے توحید پر استدلال کیا جائے اور استدلال مقدمات مسلمہ سے ہوا کرتا ہے تو اگر ارضین فرماتے تو اصل مقصود تو ثابت نہ ہو سکتا اور مسئلہ گفتگو کے قابل ہو جاتا۔ اور اب یہ ہوا کہ جو واقف ہیں وہ لفظ ارض ہی سے جو کہ اسم جنس ہے قلیل کثیر سب کو شامل سمجھ لیتے ہیں اور جو لوگ واقف

نہیں وہ بھی بوجہ ایک ارض کے محسوس ہونے کے نفس استدلال کو بخوبی سمجھ گئے۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن میں کسی ایسے مسئلہ سے کام نہیں لیا گیا۔ جس سے سامع کو الجھن ہو اگر سائنس کے مسئلے اس میں ہوتے تو سامعین ان کی تحقیق میں پڑ جاتے اور ہر شخص کو اس کے آلات و ذرائع کی تحصیل ممکن نہ تھی تو ہر شخص ایک الجھن میں پڑ جاتا۔ نیز ان میں اختلاف اس قدر ہے کہ آج تک بھی کوئی بات محقق نہیں ہوئی۔

خاتمہ

دل چاہا کہ 'اس "مقالہ اشرف" کو حضرت حکیم الامتؒ کی بیان کردہ اس لطیف مناسبت اور عجیب و غریب ارتباط کے بیان پر ختم کیا جائے جس کو حضرتؒ نے قرآن مجید کے آغاز سورۃ فاتحہ اور انجام سورۃ الناس کے مضامین میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ تفسیر بیان القرآن کے خاتمہ پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"اور ایک عجیب لطیفہ اس سورت میں جس سے قرآن کا حسن آغاز و انجام بھی ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کے اور فاتحہ کے مضامین میں غائیت درجے کا تقارب کہ حکم اتحاد میں ہے متحقق ہے۔ چنانچہ رب الناس کے مناسب رب العالمین اور ملک الناس کے مناسب مالک یوم الدین اور الہ الناس کے مناسب ایاک نعبد اور استعاذہ کے مناسب

ایاک نستعین اورالوسواس الخناس الخ کے مناسب اھدنا الخ ہے“

(بیان القرآن ص ۷ ۱۲ ج ۱۲)

اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم و اعذنامن شرالوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔ وسلام علی المرسلین۔ والحمد للہ رب العالمین

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

۲۶-رجب المرجب ۱۴۰۴ھ

۲۹-اپریل ۱۹۸۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت محی السنّت

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

بحیثیت محدث

اور

آپ کی حدیثی خدمات جلیلہ

یادگار اسلاف فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی **سید عبدالشکور صاحب** رحمۃ اللہ علیہ

بانی و مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت جامع شریعت و طریقت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ' اس صدی میں تمام کمالات علمی و عملی کی جامع شخصیت تھے۔ ایک طرف فقہ اور فتاوی کی مسند نشینی' دوسری طرف تصنیف و تالیف' اور وعظ و تذکیر کے ذریعہ دعوت و تبلیغ سے ہدایت خلق' اور ردبدعات و منکرات' دفع وساوس و شبہات' تیسری طرف تربیت باطنی اور تزکیہ نفوس' کی صدر نشینی' غرضیکہ تمام ظاہری اور باطنی اوصاف و کمالات اور علوم و فنون کی جامعیت اور اجتماعیت میں آپ کی شخصیت اس زمانے میں منفرد حیثیت کی حامل تھی۔ اور منصب تجدید پر آپ فائز تھے۔

حکیم الامت تھانویؒ کی علمی خدمات اور باطنی افاضات و فیوضات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ آپ دین کے دوسرے شعبوں کے لحاظ سے اگر حکیم الامت اور جامع المجددین ہیں تو تصوف و طریقت کے مجدد اعظم ہیں' اور تمام علوم منقولہ اور معقولہ' تفسیر' حدیث' فقہ' کلام' منطق و فلسفہ' ہیئت وغیرہ میں آپ کو

مدینہ طیبہ میں حاصل کر کے آئے اور علم حدیث اور احیائے سنت کا شجرہ طوبیٰ دہلی میں لگا دیا۔ علم حدیث کے اس شجرہ کی آبیاری آپ کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ محمد اسحٰقؒ، شاہ عبدالغنیؒ محشی ابن ماجہ شریف، وغیرہ نے کی، پھر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری محشی بخاری شریف، مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ، محشی نسائی شریف، مولانا مظہر نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور ان کے نامور تلامذہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن محدث دیوبندیؒ، مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی محدث تھانویؒ وغیرہ نے اس شجرہ طوبیٰ کو پرورش کیا اور اسے ایک چمن بنا دیا۔ نیز اپنی تالیفات جلیلہ، مواعظ حسنہ و ملفوظات طیبہ سے جہالت کی تاریکی میں گھرے ہوئے ماحول کو علم کی شمع سے منور کر دیا۔

ملک میں قرآن کے نام پر جب فتنہ انکار حدیث کھڑا کیا گیا۔ تو اسی دہلویؒ خاندان ولی اللٰہی سے علم حدیث کا فیض پانے والوں نے اللہ تعالیٰ کی اعانت و امداد سے اس فتنے کی سرکوبی کے لئے سر توڑ کوشش کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فتنہ انکار حدیث کے جال میں پھنسنے سے مسلمانوں کو محفوظ کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم ایک منضبط اور جامع قانون ہدایت ہے جس کی تمام تصریحات اور ارشادات واجب العمل ہیں لیکن اس کا اول

خطاب اس ذات بابرکات سے ہوا جو اولین و آخرین کا سردار اور تمام علمی و عملی کمالات کی مظہر اتم تھی جو سارے انبیاء علیہم السلام سے پہلے نبی تھی اور سب کے مدارج کی خاتم اور احکام کی ناسخ ہوئی۔

علام الغیوب نے اپنی شان کریمی سے اس کو وہ علوم عطا فرمائے تھے جو اس سے پہلے کسی کو القاء نہیں کئے گئے اور جس کا فضل اس پر سب سے زیادہ تھا۔ یہی وہ علوم نبوت تھے جن کی بناء پر قرآن مجید جیسی جامع کتاب اللہ کی تبلیغ و تفہیم کا فرض آپ کے سپرد کیا گیا اور ارشاد ہوا وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون "آپ کی طرف خدا کے ذکر و تذکیر کی عظیم الشان کتاب اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ لوگوں کو اس کے ارشادات اچھی طرح واضح کر کے سمجھایئے"

اس عظیم ترین جلیل القدر کتاب کے بیان اور وضاحت کی خدمت حضور ﷺ کے سپرد کی گئی اور آپ کو قرآن ہی میں معلم کتاب و حکمت بھی فرمایا گیا اور ظاہر ہے کہ معلم کی حیثیت صرف قاری ہی کی نہیں ہوتی۔ درحقیقت معلم کے لفظ سے آپ کی خصوصی شان تعلیم و تربیت اور حیثیت رسالت کو نمایاں کیا گیا ہے، مذکورہ بالا مختصر بیان سے حدیث رسول کی حجیت اور اہمیت اور اس کا تشریعی مرتبہ و مقام واضح ہو رہا ہے۔

کتابت حدیث

حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں چونکہ قرآن مجید کے جمع و کتابت کا اہتمام زیادہ ضروری تھا اس لئے اسی کو لکھا گیا اور ابتداء میں حدیث کی کتابت سے روکا بھی گیا' تاکہ قرآن و حدیث میں اختلاط نہ ہو جائے' دوسرے اس لئے بھی اس کی ضرورت نہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے حافظے قوی تھے' جو احادیث انہوں نے سنی تھیں' ان کے سینوں میں محفوظ تھیں' ان کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے صرف لکھنے کی ممانعت کی تھی۔ زبانی طور سے ایک دوسرے کو حدیث روایت کرنے کی ممانعت نہ تھی چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ " مجھ سے سنی ہوئی چیزوں سے سوائے قرآن کے کچھ مت لکھو اور جو کچھ کسی نے لکھ لیا ہو اس کو مٹادے' البتہ مجھ سے حدیث کی روایت زبانی کر سکتے ہو اس میں کچھ حرج نہیں ہے' اور جو شخص میری طرف سے جھوٹ بنا کر حدیث منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا"

قرون ثلاثہ" واضح ہو کہ قرون ثلاثہ سے وہ قرون مراد ہوتے ہیں جنکی بابت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب زمانوں سے بہتر و برتر ہونے کی بشارت دی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ "ان تینوں کے بعد جھوٹ کی کثرت ہو گی"

قرن اول سے مراد زمانہ بعثت مبارکہ سے سنہ ۱۱۰ھ تک کا زمانہ ہے جو عہد رسالت اور عہد صحابہؓ کہلاتا ہے۔

قرن دوم سنہ ۱۱۱ھ سے سنہ ۱۷۰ھ تک ہے جو عہد تابعین ہے۔

قرن سوم سنہ ۱۷۱ھ سے سنہ ۲۲۰ھ تک ہے۔ شیخ عبدالحقؒ وغیرہ نے قرن سوم کی مدت سنہ ۲۶۰ھ تک قرار دی ہے۔

"عہد رسالت میں کتابت حدیث"

اس کے بعد قرآن مجید کے حفاظ صحابہؓ میں کثرت سے ہو گئے اور قرآن کے ساتھ غیر قرآن کے اختلاط کا اندیشہ باقی نہ رہا تو معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے کتابت حدیث کی بھی اجازت فرمادی تھی۔ چنانچہ حضور ﷺ کے زمانہ میں حدیث کے نوشتوں کا بھی وجود ملتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں کچھ احادیث لکھی ہوئی تھیں اور بخاری میں ہے کہ ایک دن آپ نے طویل خطبہ دیا جس میں حرم مکہ کا بھی بیان تھا راوی حدیث مذکور ابو ہریرہؓ نے بتلایا کہ ایک یمنی شخص نے حضور علیہ السلام سے درخواست کی کہ یہ میرے لئے لکھوا دیجئے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کے لئے لکھ دو'

ابو ہریرۃؓ ہی کتاب العلم میں راوی ہیں کہ مجھ سے زیادہ کسی کو صحابہ

میں احادیث یاد نہ تھیں سوائے عبداللہ بن عمروؓ کے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں
نہیں لکھتا تھا۔

اور ان ہی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے سنن ابوداؤد میں روایت
ہے کہ حضور ﷺ سے جو کچھ بھی سنتا تھا۔ سب لکھ لیا کرتا تھا۔ ان کے پاس
ایک ہزار احادیث کا مجموعہ تھا جس کا نام صادقہ تھا' علامہ ابن عبدالبر نے بھی
جامع بیان العلم میں حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ
نے ارشاد فرمایا "علم کو لکھ کر محفوظ کرو' اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث
وارد ہیں جو سنن دارمی اور جامع بیان العلم میں دیکھی جاسکتی ہیں (تذکرۃ
المحدثین از مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوریؒ شارح بخاری)

حضرت علیؓ کے پاس کچھ احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ (ابوداؤد)
حضرت انسؓ کے پاس بھی کچھ احادیث لکھی ہوئی تھیں (بخاری) قبائل کے
نام حضور اکرم ﷺ کے فرامین' تحریری احکام اور معاہدات حدیبیہ وغیرہ
(طبقات ابن سعد) مکاتیب مبارکہ بنام سلاطین وامراء دنیا (بخاری) صحیفہ
احکام وصدقات زکوٰۃ جو رسول کریم ﷺ نے ابوبکر بن حزم والی بحرین کو
لکھایا تھا۔ اس صحیفہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۹۹ھ میں آل ابن حزم
سے حاصل کیا تھا۔ (دارقطنی) عمرو بن حزم والی یمن کو بھی ایک تحریر احکام
صلوٰۃ' صدقات' طلاق وعتاق وغیرہ کی دی تھی (کنزالعمال) حضرت معاذ بن
جبل کو ایک تحریر مبارک یمن بھیجی تھی جس میں سبزی ترکاری پر زکوٰۃ نہ

ہونے کا حکم تھا (دارقطنی) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت ابوہریرہؓ'
حضرت سعید بن عبادہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ کے پاس بھی
احادیث کے مجموعے تھے' (جامع بیان العلم وغیرہ) وائل بن حجرؓ صحابی کو
حضور اکرم ﷺ نے نماز' روزہ' سود' شراب وغیرہ کے احکام لکھوائے تھے'
(معجم صغیر' از تذکرۃ المحدثین)

نشر حدیث

اوپر کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ کتابت حدیث کا سلسلہ عہد
رسالتؐ میں ہی شروع ہوگیا تھا مگر تحدیث وروایت کے ذریعہ احادیث کی
نشر واشاعت کا اہتمام صحابہ کرامؓ میں برابر رہا اور عام طور سے کتابت کا رواج
نہیں ہوا۔ اور نہ تدوین حدیث اس دور میں ہوسکی' حضور ﷺ بھی ترویج
سنت واشاعت حدیث کی ترغیب فرمایا کرتے تھے'

ایک بار جب وفد عبدالقیس حاضر خدمت ہوا اور آپ نے ان کو
چار باتوں کا حکم فرمایا اور چار باتوں سے منع فرمایا تو یہ بھی فرمایا کہ ان باتوں کو یاد
کرلو اور دوسرے لوگوں کو بھی پہنچادو' بخاری باب اداء الخمس من الایمان)

ایک مرتبہ فرمایا خدا اس بندے کو خوش عیش کرے جو میری بات
سن کر یاد کرلے اور دوسرے تک پہنچائے کیونکہ بہت سی دین کی سمجھ کی
باتیں کم سمجھ والے کے پاس ہوتی ہیں وہ دوسرے زیادہ سمجھ والے کے پاس
پہنچ جائیں تو اس کو زیادہ نفع ہوسکتا ہے' (مشکوٰۃ کتاب العلم)

"ضرورت تدوین حدیث"

اس طرح قرنِ اول گذر گیا بعد میں تدوین حدیث سامنے آکر رہی، صحابہ کرامؓ جن کے حافظوں پر اعتماد تھا، فتوحات اسلامیہ کی کثرت کے ساتھ دور دراز ملکوں پر منتشر ہو گئے تھے وہ اکثر وفات پا گئے، تابعین میں اس درجہ کی قوت حفظ وضبط نہ تھی جو پہلوں میں تھی، اس لئے علماء وقت نے تدوین حدیث اور کتابت کی منظم طور پر ضرورت محسوس کی، سب سے پہلے اس ضرورت کا احساس خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۱۰۱ھ) کو ہوا- جو امت کے سب سے پہلے مجدد تھے اور ان کی امامت، اجتہاد، معرفت، احادیث و آثار مسلم تھی، چنانچہ آپ نے نائب والی مدینہ ابوبکر بن حزم کو فرمان بھیجا کہ رسول اکرم ﷺ کی احادیث اور عمر رضی اللہ عنہ کے آثار جمع کر کے لکھو، (تنویر الحوالک)

موطاء امام محمد میں اس طرح ہے احادیث رسول اور سنن یا حدیث عمرؓ یا مثل اس کے دوسرے صحابہؓ کے آثار سب جمع کر کے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے-

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تعلیم حدیث وفقہ، کے لئے تمام شہروں کو احکام بھیجا کرتے تھے ابوبکر بن حزم کو حکم دیا تھا کہ احادیث کو جمع کر کے لکھوائیں- انہوں نے بہت سی کتابیں لکھوائی تھیں- مگر عمر بن عبدالعزیز کی زندگی میں ان کو نہ بھیج سکے،

جامع بیان العلم میں نقل کیا ہے کہ ابن شہاب زہری کو بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جمع احادیث کا حکم کیا تھا- اور انہوں نے دفتر کے دفتر جمع کیے جن کی نقول حضرت عمرؒ نے اپنی قلمرو میں بھجوائیں-

حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام شعبی نے بھی احادیث جمع کی تھیں اور غالباً ان سب میں وہی متقدم تھے، پھر زہری متوفی ۱۲۰ھ اور پھر ابوبکر بن حزم متوفی ۱۲۴ھ نے-

قرنِ ثانی: قرن ثانی میں احادیث اور اقوال صحابہؓ و تابعینؒ ساتھ ساتھ ذکر ہوتے تھے- جیسا کہ امام اعظمؒ کی کتاب الآثار، اور امام مالکؒ کی موطا سے ظاہر ہے- تین بڑے بڑے فقہاء، حفاظ حدیث اور اپنے وقت کے امام و مقتدا جنہوں نے قرن ثانی میں احادیث رسول و آثار و اقوال صحابہؓ کو جمع کیا اور ان کو کتابی شکل میں مدون کیا، امام شعبیؒ، امام مکحولؒ اور امام زہریؒ ہیں-

(تذکرۃ المحدثین)

ان کے بعد سراج الامت فقیہ الملت، حافظ حدیث، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دور شروع ہو جاتا ہے- جو حسب تصریح اقران و معاصرین اس زمانہ کے تمام فقہاء و محدثین پر اپنے غیر معمولی حفظ "تفقہ اور کمال زہد ورع کی وجہ سے فائق تھے، امام صاحبؒ نے حسب تصریح مؤرخین چار ہزار ائمہ حدیث سے احادیث کا ذخیرہ جمع کیا تھا، اور امام موفق مکیؒ کی

تصریح کے موافق امام اعظمؒ نے چالیس ہزار احادیث سے منتخب کر کے کتاب الآثار کو مرتب فرمایا تھا۔ آپ سے آپ کے تلامذہ کبار امام محمدؒ' امام ابو یوسفؒ' امام حسن بن زیاد' امام زفرؒ وغیرہ محدثین وفقہاء نے اس کو روایت کیا ہے۔

امام صاحب نے احادیث صحاح اور اقوال صحابہ وتابعین ترتیب فقہی پر جمع کئے' پھر آپ کے بعد امام مالکؒ کی موطاء اور امام سفیان ثوریؒ کی جامع مرتب ہوئی اور ان تینوں کے نقش قدم پر بعد کے محدثین نے کتب حدیث تالیف کیں دوسری صدی کے نصف آخر میں امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے بڑے بڑے اصحاب تلامذہ نے حدیث وفقہ میں بہت کثرت سے چھوٹی بڑی تصانیف کیں' چنانچہ امام ابو یوسفؒ کی تالیف تو غیر معمولی کثرت سے بتائی جاتی ہیں جن میں اکثر کا ذکر فہرست ابن ندیم میں ہے اور امالی ابو یوسف کا تذکرہ کشف الظنون میں ہے کہ وہ تین سو مجلّہ میں تھیں۔ حافظ قرشی نے جواہر مضیئہ میں کہا کہ جن لوگوں نے امام ابو یوسف کے امالی روایت کئے ہیں ان کی شمار نہیں ہو سکتی۔

غرض کہ قرنِ ثانی ہی میں امام اعظم امام مالکؒ اور ان دونوں کے اصحاب کے ذریعہ حدیث وفقہ کی خدمت تصانیف کثیرہ سے اور تدوین فقہ حنفی و مالکی احادیث اور آثار صحابہؓ و تابعینؒ کی روشنی میں ہو چکی تھی' اور ان حضرات نے پوری دنیاء اسلام کو علم فقہ و حدیث کی روشنی سے منور اس

وقت کر دیا تھا کہ ابھی امام بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین اصحاب صحاح اس دنیا میں تشریف بھی نہ لائے تھے'

خلاصہ یہ ہے کہ تدوین حدیث کے سلسلے میں سب سے پہلا اقدام تدوین حدیث وکتابت سنن و آثار کے لئے وہ تھا جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کیا انہوں نے مجموعہ حدیث تالیف کیا جس کا نام صادقہ رکھا تھا اور ان کی طرح دوسرے حضرات صحابہؓ نے بھی انفرادی طور سے اس خدمت کو انجام دیا۔ جیسا کہ اوپر گذرا'

دوسرا اقدام حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ہوا اور امام شعبی' زہری' ابوبکر بن حزم نے احادیث و آثار کو جمع کیا' اگرچہ ترتیب و تبویب اس دور میں بظاہر نہ تھی۔

تیسرا اقدام امام اعظمؒ نے کتاب الآثار کی تالیف سے اٹھایا اور فتاوی صحابہ و تابعینؒ کو جمع کیا اور ترتیب و تبویب فقہی کی بھی طرح ڈالی جس کی متابعت میں بعد کو امام مالکؒ اور دوسرے معاصرین نے تالیفات کیں'

(تذکرالمحدثین)

"حفاظت حدیث"

حکیم الامت تھانویؒ سے ایک صاحب نے سوال کیا کہ حدیث کے جوں کا توں محفوظ رہنے کی کیا دلیل ہے' وحی کے محفوظ رہنے کا سبب تو یہ

ہے کہ رسول کریم ﷺ اس کو لکھادیا کرتے تھے، مگر حدیث کے متعلق کیسے باور کیا جاوے کہ جو کچھ آپ فرماتے تھے اور لوگ اس کو سنتے تھے بس ان کو سننے سے لفظ بلفظ یاد ہو جاتا تھا، کیونکہ بہت سی حدیثیں ہیں جو بہت طویل ہیں، اگر کوئی شخص پانچ سطریں ایک مجمع کے سامنے کہے اور پھر پوچھے میں نے کیا کہا تھا، تو کوئی ان میں ایسا نہ ہوگا جو لفظ بلفظ کہہ دے کہ اس نے یہی الفاظ کہے تھے اسی طرح جو کچھ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے ان کی نسبت یہ کس طرح باور ہو سکتا ہے کہ سننے والوں کو وہی الفاظ یاد رہے اور دو سو برس کے بعد جب حدیثیں جمع ہوئیں تو وہی الفاظ جوں کے توں منقول ہوتے چلے آئے لہٰذا اس امر کا دعویٰ کرنا کہ حدیث کے وہی الفاظ ہیں گویا عادۃً محال ہے؟

حضرت حکیم الامتؒ نے اس شبہ کا مفصل جواب لکھا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

حدیث کے محفوظ رہنے کے بارے میں جو شبہ کیا ہے یہ نیا نہیں ہے مدت سے لوگ نقل کرتے چلے آتے ہیں، چنانچہ سیدؔ صاحب بھی اس شبے کو بہت سے مباحث میں اپنا متمسک بناتے تھے لیکن یہ شبہ چند امور میں غور کرنے سے محض مضمحل ہے۔

۱۔ اول صحابہؓ تابعینؒ و محدثین کی قوت حافظہ کی حکایات و قصص تواریخ میں اس قدر مذکور ہیں کہ قدر مشترک متواتر المعنی ہیں، چنانچہ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ سو شعر کا قصیدہ ایک بار سن کر بعینہٖ اعادہ فرمادیا کرتے تھے، امام بخاریؒ کا کسی مقام پر تشریف لے جانا اور ان کی خدمت میں سو سو حدیثوں کا خلط ملط کر کے پیش کرنا اور پھر ان سب کا بعینہٖ نقل کر کے پھر سب کی تصحیح کر دینا مشہور و مذکور ہے۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ایسا حافظہ خلاف فطرت ہے اس لئے یہ حکایات غلط ہیں؟ سو اول تو آج تک اس فطرت کے حدود و اصول منضبط نہیں ہوئے جس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ فطرت کے موافق ہے یا مخالف ہے؟ جن امور کو بکثرت مشاہدہ کیا جارہا ہے یقینی بات ہے کہ اگر ان کا وقوع ہوتا، مگر مشاہدہ نہ ہوتا، تو ضرور اس کو خلاف فطرت سمجھا جاتا جس کا غلط ہونا اس کے وقوع بکثرت سے معلوم کر کے عاقل سخت افسوس کرتا اور فوراً اپنے اس بے بنیاد قاعدہ کا موجب مغالطہ ہونا تسلیم کر لیتا، دوسرے اس پر آج تک کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی کہ جو خلاف فطرت ہو وہ محال ہے اور اس کا وقوع کسی دوسرے وقت ہو ہی نہیں سکتا، بہر حال یہ غدر محض بناء الفاسد علی الفاسد ہے، تیسرے اس کے خلاف فطرت نہ ہونے پر دلیل مشاہدہ قائم ہے۔ چنانچہ قریب زمانہ ہوا کہ الہ آباد میں مولوی حافظ رحمہ اللہ صاحب نابینا گذرے ہیں، ان کے حافظہ کے واقعات بچشم خود دیکھنے والے موجود ہیں جن کو سن کر عقل دنگ ہوتی ہے، کہاں تک کوئی تکذیب کر سکتا ہے، حافظ محمد عظیم صاحب پشاوری کی ایسی ہی حکایتیں، ایک عالم رامپور میں ابھی گذرے

ہیں ایسے ہی ان کے واقعات ہیں اور احقر ان تینوں بزرگوں کو دیکھنے والوں سے ملا ہے اور واقعات سنے ہیں۔

۲۔ ثانی جب اللہ تعالیٰ کو کسی وقت کسی سے کوئی کام لینا ہوتا ہے اپنی قدرت و حکمت سے اس وقت کے لوگوں کے قویٰ ظاہرہ و باطنہ ایسے ہی بنا دیتے ہیں' اور یہ قاعدہ بھی منجملہ قواعد فطرت ہے' دیکھئے اس زمانہ میں کیسے عجیب و غریب صنائع ایجاد ہو رہے ہیں۔ کوئی پوچھے کہ اتنی عقل ہونا خلاف فطرت ہے یا نہیں؟ شق اول پر وقوع کیسے ہوا۔ شق ثانی پر پہلے کیوں نہیں وقوع ہوا' اگر کہا جائے کہ طبیعت یوماً فیوماً ترقی کرتی ہے' میں کہتا ہوں کہ ترقی طبیعت انسانیہ میں ہونی چاہئے۔ کیونکہ مقتضا ماہیت کا افراد میں بدلا نہیں کرتا' پھر یہ تخصیص قوم دون قوم کیسی؟

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس زمانہ میں ایسی چیزوں کا ایجاد کرانا منظور ہے ایسے قویٰ فرما دیئے اسی طرح اگر حق سبحانہ و تعالیٰ کو جس وقت حفاظت دین مقصود و منظور ہو اس وقت حاملان دین کے ایسے حافظے بنا دیئے' تو اس میں تعجب و استبعاد کیا ہے۔ اس امر کا ارتکاب تو وہی کر سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کو علیم و قدیر نہ مانتا ہو' تو ایسے شخص سے خطاب ہی لا حاصل ہے۔

۳۔ ثالث بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم احادیث بھی لکھا کرتے تھے جیسے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعض کو خود حضورؐ نے حدیث لکھوا کر دی ہے' چنانچہ حدیثوں میں ہے۔

اکتبو الابی شاہ' اور عمر بن عبدالعزیزؒ جو پہلی صدی میں ہوئے ہیں ان کا اہتمام جمع احادیث کے لئے ابو داؤد میں موجود ہے' پھر برابر اپنے طور پر لکھتے رہے' البتہ کتابی' شکل امام مالک سے شروع ہوئی جو ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ظاہر ہے کہ اتنے قریب زمانہ تک نہ لکھا جانا مضر نہیں ہوتا' بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب کسی دیکھنے سننے والے قریب بانقراض ہونے لگتے ہیں اس وقت تدوین ہوتی ہے۔

۴۔ رابع قطع نظر قوت حافظہ کے وہ حضرات غیبی طور پر مؤید من اللہ تھے' چنانچہ احادیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بسط رداء اور حضور ﷺ کے اس میں کچھ پڑھ دینے اور پھر ان کا سر کو سینہ سے لگا لینے کا قصہ مذکور ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دعاء فقط قرآن و حدیث کی تعلیم فرمانا اور اپھر ان کا آیات و احادیث کو نہ بھولنا اور حضور ﷺ کا اس پر ایمان کامل کی بشارت دینا مروی و منقول ہے۔

۵۔ خامس' فطری طور پر یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے دلدادہ و عاشق جو حضور ﷺ کے قطرات وضو پر تقابل و تجادل کرنے والے آپ کے بزاق و مخاط کو اپنے ہاتھوں اور مونہوں پر لینے والے' کیا آپ کے الفاظ کو ایسا بے وقعت سمجھ سکتے ہیں کہ اس کو مدون و محفوظ نہ کریں' یوں ہی ضائع کر دیں' خصوصاً جب کہ حضور فرماویں بلغو اعنی اور نضر اللہ عبداسمع مقالتی و حفظھا و وعاھا واداھا کما

سمعها اور یوں فرماویں لیبلغ الشاھد الغائب اور صحابہؓ کو اس قدر اہتمام تھا کہ تناوب کا معمول کرر کھا تھا۔

یہ سب دلائل ہیں ان کی شدت اہتمام کے اور نقل و قبول میں احتیاط حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قصوں سے کہ بعض دفعہ خبر واحد پر قناعت نہیں کی، ظاہر ہے ایسی حالت میں ایسے احتمال کی کب گنجائش ہے،

پس جب محفوظ کرنا ضروریات فطرت سے ہوا تو آگے سمجھنا چاہیے کہ محفوظیت کے دو ہی طریقے ہیں، یا کتابت یا حفظ فی الذہن اور یہ معلوم ہے کہ کتابت کی عام عادت نہ تھی اور بوجہ احتمال خلط فی القرآن کے ممانعت بھی تھی۔

پس معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے حافظوں پر پورا اعتماد تھا اگر ایسا اعتماد نہ ہوتا تو یہ ضرور لکھتے لکھواتے، بلکہ حضور ﷺ خود فرماتے کہ تم لکھتے کیوں نہیں، بدون اس کے تبلیغ کیسے کرو گے "اور کوئی اہتمام نہ کرتا تو آپ خود مثل قرآن کے اس کا اہتمام فرماتے، خصوصاً بعد اس ارشاد کے کہ دیکھو مجھے قرآن کی مثل ایک اور چیز بھی ملی ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ تو اثبات الحدیث بالحدیث ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ ظاہر ہے کہ شبہ عدم حفظ احادیث کا باعتبار الفاظ خاصہ کے ہے نہ درجہ اطلاق کے، پس یہ واقعات جو بناء جواب قرار دیئے ہیں ان کا بناء جواب ہونا الفاظ خاصہ پر موقوف نہیں، ایک واقعہ کی نقل ہے جس کے الفاظ خواہ کچھ ہی ہوں ہر حال میں اس سے تمسک صحیح ہے۔

۶- سادس، کالشمس فی نصف النہار مشاہدہ ثابت ہے کہ حضرات محدثین رضی اللہ عنہم نے قطع نظر حفظ و ضبط کے رواۃ کے تقویٰ و طہارت و دیانت کی سخت تحقیق کی ہے، خصوصاً صفت صدق کی جب ایک شخص کا صدق یقیناً ثابت ہوا اور وہ ثابت الصدق دعویٰ کرے کہ یہ الفاظ میں نے اس طرح سنے ہیں اور جتنے رواۃ اس سلسلہ کے ہوں سب کا یہی دعویٰ ہو، پس دو حال سے خالی نہیں یا ایسا حفظ ممکن ہے یا ممکن نہیں ہے، اگر ممکن ہے تو اب انکار کی کیا وجہ؟ اور اگر ناممکن ہے تو اتنے بڑے بڑے عقلاء نے اس کو ناممکن سمجھ کر رد اور کیوں نہیں تکذیب کی، اور اس کا نام فہرست صادقین میں سے کیوں نہیں خارج کیا، اور پھر جب روایات اس قاعدہ سے مقبول نہیں تو تحقیق صدق سے کیا فائدہ ہوا اور یہ کہہ دینا کہ سب کے سب مجنون تھے اپنے جنون پر دلیل قائم کرنا ہے۔

۷- سابع، کتب حدیث میں رواۃ کا بکثرت یہ کہنا کہ یہ لفظ یا یہ لفظ بعد تسلیم ان حضرات کی دینداری کے جو مشاہدہ تواتر سے ثابت ہے واضح دلیل ہے ان کے صاحب حافظہ قویہ ہونے کی اور اس کی کہ اور الفاظ جہاں انہوں نے ایسا شک نہیں ظاہر کیا، ان کو خوب ہی یاد ہیں، اور ان کو پورا اعتماد ہے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ پھر بھی حدیث میں مختلف رواۃ مختلف الفاظ کیوں لاتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ احادیث میں وارد ہے کہ اکثر حضور ﷺ کی عادت

شریف تھی کہ ایک بات کو تین بار اعادہ فرماتے تھے' پس ممکن ہے کہ ایک نے لفظ نقل کر دیا دوسرے نے دوسرا لفظ اور احیاناً سہو بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں ایسا احتمال ہوا اس جگہ استدلال مسائل میں اس لفظ سے نہیں کیا گیا' بلکہ واقعہ مشترک الثبوت سے کیا گیا ہے پھر الفاظ کی کمی بیشی کیا مضر ہے؟

۸۔ ثامن' تواریخ جن کی سند احادیث کے برابر تو کیا اس سے ہزارویں حصہ میں بھی نہ متصل نہ اس میں اتنی احتیاط پھر بھی تمام عقلاء اس پر مدار کار کرتے ہیں۔ احادیث جن میں اس قدر احتیاطیں کی گئیں ہیں ان کے مقبول نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ تمام شبہات کا اثر صرف الفاظ احادیث کے محفوظ ہونے پر پڑتا ہے' اگر سب اجوبہ مذکورہ سے قطع نظر بھی کر لی جائے' تو اس قدر جواب کافی ہے کہ علماء نے روایت بالمعنی کے جواز کی تصریح کی ہے اس میں کیا خلل ہے؟ اور اکثر استدلالات واقعات ہی سے ہیں۔

۹۔ تاسع' متواتر تمام اہل عقل کے نزدیک خواہ صاحب ملت ہو یا نہ ہو حجت ہے' اور حد تواتر کی یہی ہے کہ قلب اس کے ثبوت پر شہادت دینے لگے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات دو تین شخصوں کے یہ اخبار کہ فلاں حاکم نے یہ لفظ کہا تھا درجہ متواتر میں سمجھا جاتا ہے پھر ایک لفظ مختلف روایات واسانید سے تمام صحاح میں موجود ہے' فطرۃً قلب اس کے ثبوت پر گواہی دے گا ہرگز اس کے تواتر میں شبہ نہ رہے گا۔

ان امور عشرہ میں جو شخص خالی الذہن ہو کر نظر غائر سے دیکھے گا انشاء اللہ شبہ مذکور کا اس کے قلب میں اثر نہیں رہے گا۔

اب اس مضمون کو ایک شبہ کے جواب پر ختم کرتا ہوں' وہ یہ کہ شاید کوئی شخص کہے کہ اگر صحابہؓ کا ایسا حافظہ تھا تو قرآن لکھانے کا کیوں اہتمام ہوا؟ جواب یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ علاوہ اثبات احکام کے تحدی بھی مقصود تھی اور الفاظ متقاربہ اس کے لئے مضر تھے' بخلاف احادیث کے کہ الفاظ سے تحدی مقصود نہیں۔ لہٰذا تصنیف الفاظ گوارا کیا گیا کہ استدلال کے لئے کافی ہے لہٰذا اس کا اہتمام کیا گیا' اس کا نہیں کیا گیا (امداد الفتاویٰ)

اوپر کی تفصیل سے واضح ہو گیا کہ علم حدیث ایک بحر ذخار اور سمندر ناپیدار کنار ہے اور ہر زمانے میں اس کی مختلف طریقوں سے خدمت کی جاتی رہی ہے' اس کی حفاظت جمع و تدوین' تالیف و تصنیف غرضیکہ مختلف پہلوؤں پر مختلف زمانوں میں علم حدیث کی خدمت کا فریضہ انجام دیا جاتا رہا ہے اور یہ فرض صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر ہر زمانے میں تسلسل کے ساتھ انجام دیا جارہا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں اگرچہ زیادہ تر حفظ حدیث اور زبانی درس و تبلیغ کے ذریعے دوسروں تک حدیث کے پہنچانے کا کام انجام پاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے حافظے ایسے بنائے تھے کہ جوبات سن لیتے تھے اس کو ان الفاظ میں محفوظ کر لیتے تھے' پھر بھی صحابہ کرامؓ کے زمانے میں ہی حدیث کے متعدد مجموعے تالیف کئے گئے اور خود حضور اکرم ﷺ کے حکم سے بھی حدیث کے بعض مجموعے لکھ کر دوسروں تک پہنچائے گئے تھے۔

صحابہ کرامؓ کے بعد پھر تابعینؒ سے احادیث کی تحصیل کی اور باقاعدہ کتابت حدیث اور اس کی تالیف کا دور شروع ہوا۔ مسند امام ابو حنیفہؒ، جامع الآثار، امام ابو یوسفؒ، موطاء امام مالک کو اس زمانے کی حدیثی خدمات میں امتیازی حیثیت حاصل ہے، پھر تیسری صدی ہجری میں امام ابن حنبل کی مسند، اور صحاح ستہ کے علاوہ مسند بزار اور مسند ابو یعلیٰ وموصلی وغیرہ کی تدوین عمل میں آئی۔

"برصغیر میں علم حدیث"

برصغیر پاک وہند میں علم حدیث کی ابتداء سندھ میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ پہلی صدی ہجری سے ہوگئی تھی، چوتھی صدی ہجری میں یہ سلسلہ وسیع ہو کر لاہور تک پہنچا اور شیخ محمد اسمٰعیل بخاری لاہوری سے ہوتا ہوا دسویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تک آگیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ شریف کی دو شرحیں لکھیں ایک فارسی زبان میں اشعۃ اللمعات کے نام سے دوسری عربی زبان میں لمعات کے نام سے جو تمام مدارس عربیہ میں اساتذہ اور طلباء کے زیر مطالعہ رہتی ہیں اور حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے نہایت درجے مفید ہیں۔

حضرت کے صاحبزادے شیخ نور الحقؒ (متوفی ۱۰۷۳ھ) نے بخاری شریف کی شرح بزبان فارسی لکھی جس کا نام تیسر الباری ہے، گیارہویں صدی

ہجری میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور آپ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم ۱۰۷۹ھ نیز دوسرے محدثین بھی علم حدیث کی خدمات سرانجام دیتے رہے بارھویں صدی ہجری میں برصغیر کے مسلمانوں نے حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ ولی اللہ جیسے مایہ ناز نابغہ روزگار محدث شہیر اور مفسر کبیر کو دیکھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے عرب وعجم کے کبار اساتذہ کرام اور محدثین عظام سے استفادہ کیا اور علوم قرآن وحدیث کی اشاعت کی اور جہالت کی تاریکی میں علم کی شمع روشن کی، ۱۱۷۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تلامذہ میں سے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) جو اپنے زمانہ میں بیہقی وقت کہلائے اور شاہ عبدالعزیز کے نواسہ اور تلمیذ خاص شاہ محمد اسحٰق دہلوی (۱۲۶۲ھ) نے علم حدیث کی خدمات انجام دیں۔

شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ کے شاگردان رشید شاہ عبدالغنی مجددیؒ اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ ۱۲۹۷ھ نے تدریس وتالیفات کے ذریعہ علم حدیث کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں شاہ عبدالغنیؒ نے ابن ماجہ کا عربی حاشیہ بنام انجاح الحاجہ لکھا اور مولانا محدث سہارنپوریؒ نے بخاری شریف کا حاشیہ عربی میں لکھا جس سے خلق کثیر کو نفع پہنچا اور پہنچ رہا ہے، برصغیر میں شائد ہی کوئی شخص بخاری شریف کا درس دینے والا محدث اور

حاصل کرنے والا شاگرد اس کے استفادہ سے مستغنی رہا ہو- اساتذہ اور تلامذہ پر محدث سہارنپوریؒ کا یہ بہت بڑا احسان ہے-

شاہ عبدالغنیؒ اور مولانا احمد علیؒ کے ارشد شاگردوں میں مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی تھے' مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے استاذ مولانا احمد علی محدث کے ارشاد پر بخاری شریف کے آخری پانچ پاروں کا عربی حاشیہ لکھا- انہی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے اپنے استاذ محدث سہارنپوریؒ اور اپنے ہمدرس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نیز دیگر اکابر دیوبند کے مشورہ سے برصغیر میں علم حدیث کی خدمات عالیہ کا مرکز دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا- سلسلہ ولی اللہی کے محدثین کا یہ کارنامہ امتیازی حیثیت کا حامل ہے-

"دارالعلوم دیوبند"

۵- محرم ۱۲۸۲ھ کو اس کا افتتاح ہوا اور دیکھتے دیکھتے ہی ایک عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی کی صورت اختیار کرلی-

اس اسلامی یونیورسٹی سے محدثین' مفسرین' مصنفین' مدرسین' مشائخ طریقت' خطیب و مناظر' اور طبیب و صحافی تیار ہو کر برصغیر کے کونہ کونہ میں پھیل گئے اور جگہ جگہ علم کی شمع روشن کی- اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے' برصغیر پاک و ہند کا درو دیوار قال اللہ و قال رسول کی صداؤں سے گونج اٹھا- ۱۲۸۲ھ سے ۱۳۸۲ھ تک صرف ایک صدی میں دارالعلوم کے

فضلاء کی تعداد ۷۲۶۵ تھی جو باقاعدہ طور پر مکمل نصاب پورا کر کے وہاں سے سند فراغ حاصل کرنے کے مستحق ہوئے-

اور ان کی تعداد کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا جنہوں نے دارالعلوم سے استفادہ کیا مگر تکمیل نصاب سے پہلے ہی تعلیم کو ترک کردیا'

دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محدثین اور قابل صد افتخار' مفسرین مصنفین اور مشائخ طریقت کی اس قابل افتخار جماعت میں دوسرے حضرات کے علاوہ حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ کا نام نامی اور اسم گرامی ایک امتیازی حیثیت کا حامل ہے' برصغیر میں علم حدیث کی خدمات کے سرسری جائزہ کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمات حدیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو اس مقالہ کا اصل موضوع ہے مگر اس سے پہلے آپ کا مختصر تعارف کرادینا مناسب معلوم ہوتا ہے-

حکیم الامتؒ نے ایک طرف مغرب زدہ ذہنوں کی تفسیر' حدیث اور علم کلام میں تصانیف کے ذریعہ اصلاح کی' تو دوسری طرف اپنے مواعظ و ملفوظات اور سینکڑوں تالیفات سے علم و عمل سے محروم لوگوں کی علمی اور عملی تربیت کا بڑا گرانقدر کارنامہ انجام دیا-

مختصر تعارف

ہندوستان کے صوبہ یو-پی ضلع مظفر نگر' قصبہ تھانہ بھون میں حکیم الامت ۵- ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸ھ کو پیدا ہوئے آپ والد کی

طرف سے فاروقی النسب اور والدہ کی جانب سے علوی النسب تھے' پہلے قرآن مجید حفظ کیا' ابتدائی تعلیم میرٹھ میں شروع کی پھر وطن مالوف تھانہ بھون آکر وہاں مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ سے متوسط کتابیں پڑھیں اور بعد ازاں ۱۲۹۷ھ میں درس نظامی کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۰۱ھ میں بعمر ۲۱ سال سند فراغ حاصل کی' دارالعلوم دیوبند سے اکابر علماء محدثین' ومفسرین اور جامع معقول ومنقول آپ کے اساتذہ کرام تھے جن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ' مولانا سید احمد دہلویؒ' ملا محمود دیوبندیؒ' مولانا عبدالعلیؒ' مولانا محمود الحسن شیخ الہندؒ جیسے مشاہیر شامل ہیں۔

تحصیل علم کے بعد کانپور کے سب سے قدیم مدرسہ فیض عام میں وہاں کے مشہور معقول عالم مولانا احمد حسن صاحبؒ کی جگہ اپنی تدریسی خدمات کا آغاز کیا' پھر وہاں کی جامع مسجد میں جامع العلوم کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور اس میں صفر ۱۳۱۵ھ تک تقریباً ۱۴ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں اور مدرسہ کے صدر مدرس' شیخ الحدیث اور دارالافتاء کے صدر مفتی کے فرائض سرانجام دیتے رہے اس کے ساتھ ہی عوام وخواص کی روحانی تربیت تزکیہ نفوس اور تصفیہ قلوب کا سلسلہ بھی شروع فرمایا خصوصی مجلس بابرکت میں ملفوظات کے ذریعہ اور عوامی مجمع میں وعظ وارشاد کے ذریعہ خصوصی اور عمومی اصلاحات میں مشغول رہے' دارالعلوم دیوبند میں

تحصیل علم کے زمانہ ۱۲۹۹ھ ہی میں عارف باللہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ نے آپ کو بذریعہ خط اپنی بیعت میں قبول فرمالیا تھا' تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۰۱ھ میں سفر حج وزیارت مدنیہ منورہ کی سعادت کے ساتھ اپنے مرشد کے دست حق پرست پر بالمشافہ بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

۱۳۱۰ھ میں دوبارہ حج وزیارت سے مشرف ہوئے تو حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد کے موافق حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں چھ مہینہ قیام کر کے تربیت اور فیوضات حاصل کئے' ذکر واذکار' ریاضات و اشغال کیساتھ باقاعدہ تصوف کی کتابیں مثنوی مولانا رومؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ کی تعلیمات واوراد پر مشتمل کتاب ضیاء القلوب حضرت حاجی صاحبؒ سے براہ راست سبقاً سبقاً پڑھیں' اور مثنوی شریف پر حضرت حاجی صاحبؒ کی تحقیقات خاصہ بصورت نوٹ قلم بند فرمائیں' بعد میں ان کی مدد سے ہی مثنوی شریف کی عالمانہ اور عارفانہ دونوں شانوں کی جامع بے نظیر شرح کلید مثنوی کے نام سے لکھی' حضرت حاجی صاحب نے حکیم الامتؒ کی تعلیم وتربیت اور صلاحیت واستعداد کا اندازہ لگانے کے بعد آپ کو خلعت خلافت سے نوازا اور یہ وصیت فرمائی۔

"دیکھو جب کبھی کانپور میں مدرسہ کی ملازمت سے برداشتہ خاطر ہو تو پھر اپنے وطن تھانہ بھون میں ہماری دیرینہ خانقاہ اور مدرسہ کو از سر نو آباد

کرنا اور توکلاً علی اللہ وہاں قیام پذیر ہو جانا انشاء اللہ تم سے خلائق کثیرہ کو نفع پہنچے گا میری دعائیں اور توجہات تمہارے شامل حال ہیں"

آخر کار حضرت حاجی صاحبؒ کی وصیت کے مطابق ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے قطع تعلق کر کے تھانہ بھون "خانقاہ امدادیہ" اور مدرسہ "امداد العلوم" میں توکلاً علی اللہ مستقل قیام کے ارادہ سے تشریف لے آئے اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے یہ خانقاہ امدادیہ جس کا لقب "دکان معرفت" تھا اور اقطاب ثلاثہ' مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ' حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ' حافظ محمد ضامن صاحبؒ' کے ارشاد و ہدایت کا مرکز تھی پھر سے مرجع عام و خاص بن گئی۔

حکیم الامتؒ خانقاہ میں آنے والوں کی ملفوظات و تعلیمات کے ذریعہ تربیت بھی فرماتے اور مدرسہ میں زیر تعلیم طلباء کی تعلیم ظاہری کے ساتھ تربیت باطنی اور اصلاح بھی کرتے' ان دو کاموں کے علاوہ تصنیف و تالیف میں بھی مشغول رہتے اور فتاویٰ کا کام بھی انجام دیتے' پھر گاہ بگاہ ہدایت و ارشاد خلق کے لئے مواعظ کے ذریعہ ملک کے گوشہ گوشہ تبلیغی اسفار بھی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حکیم الامتؒ کے اوقات میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی تھوڑے وقت میں اس قدر کام کر لیتے تھے آج اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حکیم الامتؒ اپنی تصنیفی اور تربیتی' تبلیغی' حتیٰ کہ خانگی زندگی میں بھی اوقات کے نظم و ضبط اور معمولات کے بے حد پابند تھے' ہر کام کے لئے ایک وقت متعین تھا اور وہ کام اپنے متعینہ وقت پر ہی انجام دیا جاتا تھا' اس انضباط اوقات کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوقات میں جو برکات عطا فرمائیں تھیں وہ تصورات سے بالاتر ہیں۔

حکیم الامت کے ایام حیات اور آپ کی ہمہ جہت علمی و دینی اور اصلاحی خدمات دیکھ کر آپ کے اوقات میں برکات کا اندازہ ہوتا ہے' کہ نصف صدی سے کچھ زاید عرصہ میں اس قدر طویل کام اور متنوع دینی خدمات کا انجام پانا اس انضباط اوقات کے بغیر ناممکن تھا۔

علم تفسیر' حدیث' عقائد و کلام' فقہ' تصوف' منطق' مناظرہ غرضیکہ ہر علم و فن میں حکیم الامتؒ کی بیش بہا قابل تصنیفات و تالیفات موجود ہیں' اور مواعظ و ملفوظات کے مجموعے بڑی بڑی مجلدات میں ان کے علاوہ ہیں۔

علم و فن کے تنوع کے علاوہ کہ ہر علم و فن میں آپ کی تصانیف لکھی گئی ہیں' تصانیف کی افادیت کے لحاظ سے بھی تصانیف میں تنوع پایا جاتا ہے۔

بعض کتابیں خالص علمی اصطلاحی انداز میں علماء و طلباء کے افادہ کے لئے ہیں ان میں دقیق مسائل کا علمی انداز میں حل بتلایا گیا ہے۔ اور اہل علم کی

رہنمائی اہم مسائل میں فرمائی گئی ہے ان کتابوں سے صرف علماء کرام اور منتہی طلباء ہی استفادہ کرسکتے ہیں جیسے ' تفسیر بیان القرآن ' اس کی زبان خالص علمی اور اصطلاحی ہے ' جب تک علوم متعلقہ حاصل نہ ہوں گے ' اس وقت تک اس کے مطالب کو کماحقہ نہیں سمجھا جاسکتا۔

اور بعض کتابیں عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ہیں جن کی زبان آسان اور عام فہم ہے ' جیسے بہشتی زیور اس میں روزمرہ کے مسائل ضروریہ بڑے ہی آسان انداز میں بیان کئے گئے ہیں ' عامۃ المسلمین کے لئے یہ کتاب دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسی طرح ایک طرف المصالح العقلیہ اور الانتباہات المفیدۃ عن الاشتباہات الجدیدۃ کی تالیف ہے ' تو دوسری طرف حیوۃ المسلمین بھی تالیف فرمائی اس طرح حکیم الامتؒ کی کتابوں سے خواص و عوام مستفید ہوتے چلے آرہے ہیں اللہ تعالیٰ اس چشمہ فیض کے افاضات و افادات کو رہتی دنیا تک قائم دائم رکھے امین ثم امین۔

"طرز تعلیم"

حکیم الامت کا طرز تعلیم اس درجہ سلیس اور نفیس تھا کہ جو طالب علم دو چار سبق بھی حضرتؒ سے پڑھ لیتا پھر کسی اور استاذ سے اس کی تسلی نہ ہوتی تھی۔

کیونکہ حضرت پڑھاتے وقت خود اپنے اوپر بہت مشقت برداشت کرتے تھے اور پڑھانے سے پہلے سبق کی تقریر کو منضبط کر لیتے تھے پھر پڑھاتے تھے ' اس لئے ساری تقریر نہایت سلیس اور سہل اور مرتب ہوتی تھی اور مشکل سے مشکل مضامین بھی طالب علم کے لئے بالکل پانی اور آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہوجاتے تھے حضرتؒ کو تقریر میں تعب ہوتا تھا مگر طالب علم کو کسی مقام کے سمجھنے میں ذرا الجھن نہیں ہوتی تھی ' دوسرے کا بوجھ حضرت اپنے اوپر لے لیتے تھے۔

غرضے کہ حضرت حکیم الامتؒ درس و تدریس میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑنے کے بعد بھی مجلس میں اکثر مضامین علمیہ علماء و طلباء کے کام کے بیان فرماتے رہتے تھے ' جو آپ کے ملفوظات میں محفوظ ہوتے رہتے تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ کی عادت پڑھانے میں یہ تھی کہ ضرورت سے زیادہ کبھی تقریر نہیں کرتے تھے صرف حل کتاب پر اکتفا کرتے تھے ' استعداد اس سے ہی پیدا ہوتی ہے اور جب استعداد پیدا ہوجائے گی تو پھر نکات و دقائق خود ہی سمجھ میں آنے لگیں گے ' لہذا استاذ کا مطمح نظر یہی ہونا چاہیے کہ اصل کتاب حل ہوجائے۔ حضرت حکیم الامت کا ارشاد ہے کہ جب کتابیں خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں گی تو تقریر و تحریر ' مناظرہ کی استعداد خود بخود ہی پیدا ہوجائے گی۔ اور اگر تقریر کا ایسا ہی شوق ہے تو جو

طالب علم جو کتاب پڑھ رہا ہو' اسی کے متعلق اس سے تقریر کرائی جایا کرے اس سے تقریر کی بھی مشق ہو جائے گی اور کتابیں بھی پختہ ہو جائیں گی

حضرت حکیم الامتؒ نے ۱۳۰۱ھ تا آخر صفر ۱۳۱۵ھ چودہ سال جامع العلوم کانپور میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی اور ہر علم و فن کی بڑی بڑی کتابیں کامیابی سے پڑھائیں' حالانکہ کانپور کے جس مدرسہ فیض عام میں' دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو بلایا گیا تھا وہ مدرسہ سب سے قدیم اور مولانا احمد حسن صاحبؒ جو مشہور عالم اور ماہر معقولات تھے' کی وجہ سے مقبول عام تھا' انہوں نے کسی وجہ سے اس مدرسہ سے علیحدہ ہو کر دوسرا مدرسہ دارالعلوم کے نام سے قائم کر لیا تھا' اس چھوٹی عمر اور نا تجربہ کاری کے زمانہ میں ان کی جگہ بیٹھ کر پڑھانا کوئی معمولی بات نہیں تھی' مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی دقت پیش نہیں آئی بہت آسانی کے ساتھ پڑھاتے چلے گئے' وہاں کے تمام مدرسین اور اہل شہر میں بہت جلد آپ کی قابلیت کی شہرت ہو گئی اور ہر دلعزیز ہو گئے' یہاں تک کہ مولانا احمد حسن صاحبؒ بھی بہت محبت اور وقعت سے پیش آنے لگے' اور کچھ دنوں کے بعد کانپور کی جامع مسجد میں ایک مدرسہ معقولات و دینیات کا جامع بنام جامع العلوم قائم ہو گیا جو اب تک بحمداللہ قائم ہے اس میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرما دیا' اور تمام علوم و فنون کی کتابوں کا درس دیا' حضرت تھانویؒ کی وجہ سے اس مدرسہ کی ان اطراف میں اتنی شہرت ہوئی کہ

اس کو دارالعلوم دیوبند کا ثانی سمجھا جانے لگا- چنانچہ یہاں سے دورۂ حدیث پڑھ کر بڑے بڑے محدث تیار ہوئے-

مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانیؒ بھی جامع العلوم کانپور کے زمانہ کے ہی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ارشد تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے' وہ اپنے زمانہ کے بڑے پایہ کے محدث تھے بخاری شریف کے گویا حافظ تھے ہر روز اس کے ایک پارہ کی تلاوت کیا کرتے تھے' حج کے موقع پر ایک نجدی عالم نے ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ بخاری میں کتنی جگہ آئی ہے؟ آپ نے فرمایا چھ مقامات پر وہ عالم حیران رہ گئے کہ ہندوستان کے علماء دین بھی اتنے زبردست حافظہ کے مالک ہوتے ہیں- مولانا کا حافظہ مثالی تھا' آپ کو نحو میں کافیہ پورا حفظ یاد تھا اور قرآن کریم صرف بیاسی ۸۲ روز میں حفظ کر لیا تھا' حضرت مولانا بردوانیؒ کی علم حدیث میں جلالت شان کا سب سے بڑا ثبوت' محدث کبیر' فقیہہ خبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا آپ کے تلامذہ میں سے ہونا ہے-

معقولات میں امتیازی حیثیت

علم معقول میں بھی حضرتؒ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی تیسیر المنطق کا حاشیہ جس سے عام طور پر درس نظامی کا ہر طالب علم مستفید ہو سکتا ہے' حضرت کی درسی زمانہ کی یاد تازہ کرا رہا ہے-

صدرا فلسفہ کی مشہور درسی اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے' اس کا ایک مشہور مقام مثناۃ بالتکریر ہے اس کو بہت ہی مشکل سمجھا جاتا ہے مگر حضرتؒ نے اس کی ایک سلیس تقریر فرمادی اور بہت ہی آسان کر کے تقریر کی تو طالب علم جن کا نام مولوی فضل حق تھا ان کی سمجھ میں خوب اچھی طرح آگئی اور ذہن نشین ہوگئی' اتفاق سے مولوی فضل حق کے سالانہ تحریری امتحان میں مثناۃ بالتکریر کا سوال آگیا' ممتحن مولانا عبدالغفار صاحب تھے جو کانپور کے ذکی جامع عالم تھے۔ مولوی فضل حق نے جواب ایسی اچھی تحریر لکھی کہ ممتحن صاحب کو بہت پسند آئی اور اس کی بڑی تحسین فرمائی' مدرسہ والوں نے بھی اس کو طالب علموں کے لئے مفید سمجھ کر مدرسہ میں محفوظ رکھ لیا' اگر وہ طبع ہو جاتی تو طالب علموں کے لئے بلکہ اساتذہ کے لئے بھی بڑے کام کی چیز ہوتی"

علم منطق اور معقولات کے اہم مسائل میں حضرت الامتؒ کی اپنی خاص تحقیق ہوتی تھی جس کے بڑے بڑے معقولی حضرات بھی تحسین و تصویب فرماتے تھے' جس نے منطق کا ایک رسالہ بھی حضرت سے پڑھ لیا اس کو منطق سے پوری مناسبت ہو جاتی تھی اس لئے تدریس چھوڑ دینے کے بعد بھی اپنے خاص تعلق والوں کو منطق کی کم از کم ایک ابتدائی کتاب خود پڑھا دیتے تھے۔

تلامذہ حکیم الامتؒ

تمام حضرات تلامذہ کے اسماء گرامی کی تعداد کا احاطہ مشکل ہے مگر جن فارغ التحصیل حضرات کے اسماء گرامی مع پتہ اور تاریخ فراغ کا علم ہو سکا صرف ان کی فہرست اشرف السوانح ج ۳ میں درج کردی گئی ہے۔ جن کی تعداد باون ۵۲ ہے۔

جامع العلوم کانپور کے زمانہ تدریس حدیث میں آپ سے بہت سوں نے حدیث کا علم حاصل کیا اور آپ کے شاگردوں میں بکثرت محدث پیدا ہوئے جن میں مولانا محمد اسحٰق بردوانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا نام سب سے زیادہ روشن ہوا' حضرت حکیم الامتؒ نے اگرچہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مستقل قیام کے زمانہ میں باقاعدہ درس حدیث جاری نہیں فرمایا مگر افادہ حدیث کا سلسلہ اس زمانے میں بھی جاری رہا اور علماء اس زمانہ میں بھی آپ سے حدیث کی سند حاصل کرتے رہے'

علامہ محقق محمد زاہد کوثری مصر کے مشہور علماء محققین و مصنفین میں سے تھے' انہوں نے بھی بذریعہ خط حضرت حکیم الامتؒ سے حدیث کی سند حاصل کی اس طرح آپ کے تلامذہ اور افادہ حدیث کا سلسلہ ہندوستان سے بیرونی ملک تک پہنچا۔

حکیم الامت تھانویؒ کی تصانیف وتالیفات

حضرت حکیم الامتؒ زمانہ طالب علمی ہی سے جبکہ آپ کی عمر ۱۸ سال کی تھی مصنف تھے اور آخر عمر تک مصنف رہے اس عمر میں آپ نے مثنوی مولانا رومؒ کے طرز پر فارسی زبان میں ایک مثنوی زیروبم کے نام سے لکھی تھی' ایسا مصنف جس نے تقریباً ہر علم وفن میں گرانقدر تصانیفی خدمات انجام دی ہوں اور اتنی کثیر تعداد میں کتابیں لکھی ہوں غالباً امام سیوطیؒ کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔

درس وتدریس کے ساتھ ہی ملک کے گوشہ گوشہ میں سفر کر کے اپنے مواعظ حسنہ اور اصلاحی پروگراموں سے بھی عام مسلمانوں کی اصلاح و تربیت فرماتے تھے' وعظ و خوش بیانی میں آپ کو ایسا بے نظیر ملکہ حاصل تھا کہ جس جلسہ میں آپ تقریر کو کھڑے ہوتے پھر کسی کی تقریر سامعین کو پسند نہ آتی تھی' اور آپ کے سامنے کسی اور کی تقریر کو اکثر اہل جلسہ پسند نہ کرتے

علم تفسیر

تفسیر کا تو کہنا ہی کیا حکیم الامتؒ کے ترجمہ اور تفسیر بیان القرآن کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ عالم وغیرہ عالم جو بھی اس کو پڑھنے لگے' اس طرح بے تکلف سمجھتا چلا جائے گا کہ جن مقامات پر بڑوں بڑوں کو اکثر ٹھوکریں لگی ہیں وہاں یہ بھی محسوس نہ ہو گا کہ راستہ میں کوئی تنکا ہی پڑا ہے'

باقی صحیح طور پر داد تو وہی اہل بصیرت دے سکتے ہیں جن کی خود بھی مشکلات قرآنی پر نظر ہے' بیان القرآن میں قرآن کریم کے نظم وربط کی یہ خدمت انجام دی گئی ہے کہ ہر چھوٹا بڑا حصہ اور ہر چھوٹی بڑی آیت دوسری سے اس طرح مربوط ہو گئی کہ متن قرآن اور اس کے تحتانی ترجمہ کے بعد ہر آیت کا قوسین میں ساتھ جو تفسیری ترجمہ فرمادیا گیا' اگر اس کو آدمی پڑھتا چلا جائے تو معلوم ہو گا کہ بے تکلف مسلسل و مربوط کتاب پڑھ رہا ہے۔

تفقہ

فقہ دانی اور تفقہ کی بڑی کسوٹی کسی فقیہ کے لئے اس کے فتاویٰ کی تحقیق اور معیاری حیثیت ہوتی ہے' حضراتؒ کے فتاوی امداد الفتاوی کے نام سے ضخیم چھ جلدوں میں طبع شدہ ہیں' حضرات اہل فتاوی کی نگاہ میں وہ بڑی ہی قدر و قعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں یہ فتاویٰ حضرت حکیم الامتؒ کے کمال تفقہ پر گواہ ہیں خصوصیت سے نو پید مسائل جدید معاملات سے متعلق حوادث الفتاوی کے عنوان سے حضرت کے فتاویٰ اور تحقیقات قابل دید ہیں آلات جدیدہ فلم و سینما' گراموں فون' مسمریزم' فریمیس' ثبوت ہلال خبر تار' طویل النہار مقامات میں حکم صوم وصلوٰۃ' ہوائی جہاز میں نماز' غرضیکہ کوئی نئی بات مشکل ہی سے ایسی ہو گی جس کی نسبت عام فتاویٰ کے علاوہ حضرت کی خاص عمیق فقہی تحقیق موجود نہ ہو بلکہ وسیع معنی میں تفقہ

فی الدین ہی تو حضرت حکیم الامت کا سب سے نمایاں وصف ہے' فقہاء حکمائے امت ہیں یہی حکیمانہ نظر و فکر حضرت کا ایسا ہمہ گیر کمال ہے جو صرف اصطلاحی فقہ تک محدود نہیں بلکہ سارے مواعظ و ملفوظات اور ساری تعلیمات و تجدیدات کی روح ہے۔

تصوف

حکیم الامتؒ اپنے مرشد کامل حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی طرف سے اجازت پاکر مسلمانوں کو تلقین وارشاد کے ذریعہ ظاہری تعلیم کے ساتھ باطنی تربیت و خلافت میں بھی لگے ہوئے تھے' اور آپ کی توجہ باطنی سے ترتیب حاصل کرنے والوں پر عجیب و غریب حالات طاری ہوتے تھے' مگر جب ۱۳۱۵ھ میں مستقل طور پر اپنے پیر روشن ضمیر کی غیر آباد خانقاہ کو آباد کرنے کے ارادہ سے تھانہ بھون تشریف لائے تو اس وقت ہمہ تن تزکیہ نفوس اور تربیت قلوب اور اصلاح باطن میں مشغول ہوگئے اور تصوف کے مجدد اعظم ثابت ہوئے۔

حکیم الامتؒ کا سب سے وسیع و محیط تجدیدی کارنامہ تصوف کامل و جامع تجدید واصلاح ہے حق یہ ہے کہ یہ خدمت حضرت والا سے ایسی لی گئی ہے کہ جس کی نظیر پہلے بہت کم نظر آتی ہے' تصوف یا طریقت کی ساری تعلیمات' کلیات و جزئیات' حضرت والا کی تجدید کے بعد عین شریعت بن

گئیں اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ تصوف کے بغیر دین کامل ہی نہیں ہوتا۔ شریعت و طریقت کی دوئی کی بحث ہی انشاء اللہ ختم ہوگئی۔

اس مقالہ کے موضوع کی مناسبت سے اس وقت صرف حکیم الامتؒ کی خدمت حدیث پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور مختصر طریقہ پر آپ کی حدیثی تالیفات' تقریرات کا تعارف کرایا جاتا ہے کہ اصل موضوع اس مقالہ کا حضرت حکیم الامتؒ کی حدیثی خدمات کا تعارف کرانا ہی ہے۔

عام طور پر آپ کو حکیم الامت اور مجدد الملت اور تصوف و طریقت کے مجدد' مفسر اعظم' فقیہ ملت اور مشہور خطیب ہونے کی حیثیت سے بھی جانا پہچانا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حکیم الامتؒ کو تمام علوم نقلیہ و عقلیہ میں بڑی دستگاہ حاصل تھی اور وہ اپنے زمانہ کی نابغہ روزگار اور بڑی جامع اور بے نظیر شخصیت تھی لیکن اس بات سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ اس زمانہ میں حکیم الامت' محدث اعظم بھی تھے اور خدمت حدیث بھی حکیم الامت کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو آپ کے تاج مجددیت کا درخشاں گوہر ہے۔

حکیم الامت تھانوی نے جس جس انداز اور مختلف طریقوں سے علم حدیث کی خدمات انجام دی ہیں ان کو کئی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے' ایک قسم وہ ہے جس کو آپ نے درس و تدریس کے ذریعے انجام دیا ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ وعظ و تقریر اور ملفوظات کے ذریعہ حدیث کی تشریح فرمائی ہے' اور تیسری قسم وہ ہے جو آپ نے اپنے قلم سے تحریری طور پر

انجام دی ہے اور اس علم شریف میں خود کوئی کتاب لکھی ہے' یا اپنے فتاویٰ وغیرہ کتب میں اپنے قلم سے احادیث کی تشریح اور متعلقہ علوم حدیث کو ضبط تحریر میں لائے ہیں۔ اور ایک قسم آپ کی خدمت حدیث کی یہ ہے کہ آپ کے زیر اہتمام اور نگرانی میں علم حدیث کی خدمت انجام پائی ہے۔ ان خدمات کے تعارف کے ضمن میں اس کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ حکیم الامتؒ تھانوی کو علم حدیث سے کس قدر شغف حاصل تھا۔ اور اس علم شریف میں آپ کو کیسی دسترس عطا فرمائی گئی تھی اور حدیث کی تشریح و توضیح کا کیسا خداداد ملکہ آپ کو ودیعت ہوا تھا۔

"سند حدیث"

حضرت حکیم الامتؒ کی سند حدیث لکھنے سے پہلے یہ معلوم کر لینا مفید ہے کہ سند حدیث کی حیثیت اور اس کا کیا درجہ ہے۔

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں رسول اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کو سند کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے اور ہر ہر قول و فعل کی سند بیان کی گئی ہے' بغیر سند کے کوئی بات قبول نہیں کی گئی یہ بات اسلام کے سوا کسی مذہب کو حاصل نہیں ہے' حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں میں سے کسی امت کو یہ توفیق میسر نہیں ہوئی کہ اپنے رسول کے کلمات صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے' یہ صرف اس امت کا طغرۂ امتیاز ہے کہ اس کو اپنے

رسول کے ایک ایک کلمہ کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق بخش دی گئی ہے آج روئے زمین پر کوئی مذہب ایسا نہیں جو اپنے پیشوا کے ایک کلمے کی سند بھی صحیح طریقہ پر پیش کر سکے۔ اس کے برخلاف اسلام ہے جو اپنے رسولؐ کی سیرت کا ایک ایک شوشہ پوری صحت واتصال کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔

فن اسماء الرجال

یہ عظیم الشان فن بھی مسلمانوں کی خصوصیات میں سے ہے اور اس ضرورت سے مسلمانوں نے ایجاد کیا ہے کہ جن جن راویوں کے ذریعہ حدیث پہنچی ہے ان کے حالات کا علم ہو سکے' اور پھر ان واسطوں اور ذرائع کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کی بناء پر حدیث پر حکم لگایا جا سکے' اس فن میں ہزاروں راویوں کے حالات درج ہیں ڈاکٹر سپرنگر لکھتا ہے "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے" (ترجمان السنۃ)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فن اسماء الرجال کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "انہوں نے راویوں کے تذکرے (اسماء الرجال) لکھے کہ کون راوی قوی الحافظہ' کون ضعیف الحافظہ ان کی ولادت ووفات کی

تاریخیں اور ان کے سفر، تحصیل علم کے واقعات جمع کئے کہ کس نے اس سے سیکھا اور اس نے کس سے سیکھا انہیں اعتبارات سے احادیث کے بہت سے اقسام بن گئے اور اب کسی حدیث میں شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ خوب پرکھ لیا گیا کہ کون حدیث کس درجے کی ہے پھر حدیثوں سے احکام مستنبط کر کے مدون کر دیئے کہ احکام کے سمجھنے میں گڑبڑ نہ ہو" (الدعوت الی اللہ ص ۱۲)

"حکیم الامتؒ کی سند حدیث"

حکیم الامت نے علم حدیث کی باقاعدہ تعلیم ملا محمود دیوبندیؒ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے حاصل کی اور ان حضرات سے سند حدیث حاصل کی۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور ملا محمود صاحبؒ نے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلویؒ سے حدیث پڑھی اور شیخ الہندؒ نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے اور انہوں نے شاہ عبدالغنی صاحبؒ اور مولانا احمد علیؒ سے۔ حکیم الامت تھانویؒ کو حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی سے بھی سند حدیث حاصل تھی اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ سے بھی بعض کتب حدیث حصن حصین وغیرہ پڑھ کر سند حدیث حاصل کی تھی، مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ نے حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے مولانا شاہ محمد اسحٰق اور حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ دونوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے سند حاصل کی اور

انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی سے صحاح ستہ، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور موطا امام مالک کی اپنی سندیں حضرت حکیم الامتؒ نے بزبان عربی اپنے رسالہ السبعۃ السیارہ میں لکھ دیں ہیں، نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی سندیں ان کے استاذ شیخ محمد طاہر الکردی مدنیؒ سے لے کر امام بخاری اور دوسرے ائمہ کتب حدیث کے مصنفین تک متصل کر دی ہیں اور سلسلہ استاذ کے تمام شیوخ واساتذہ کے اسماء گرامی لکھ دیئے ہیں۔

آگے ان کتابوں کے حضرات مصنفین نے ہر ہر حدیث کی سند راوی کے نام بنام آنحضرت ﷺ تک بیان فرمادی ہے۔

خلاصہ یہ کہ سند حدیث کے تین حصہ ہیں، ایک حضرت حکیم الامتؒ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک، دوسرا حصہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر صحاح ستہ اور موطاء امام مالک کے مصنفین تک، ان دو حصوں کو تو حضرت حکیم الامت نے خود تفصیل سے بیان فرمادیا، اور تیسرا حصہ ان کتابوں کے مصنفین نے ہر حدیث کیساتھ خود ہی بیان فرمایا ہوا ہے۔

اس طرح حضرت حکیم الامتؒ سے لے کر آنحضرت ﷺ تک سند حدیث کا اتصال ثابت ہو جاتا ہے، اور حضرت شیخ الہندؒ والی سند کے لحاظ سے حکیم الامتؒ سے آنحضرت ﷺ تک ۲۵ واسطے ہوتے ہیں پہلے حصہ کے پانچ دوسرے کے تیرہ اور تیسرے حصہ کے سات واسطے ہیں۔

"علوم سند" سند کا عالی ہونا اور واسطوں کا کم ہونا بھی ایک وجہ فضیلت کی رکھتا ہے اور علوم سند باعث مزید فضیلت ہے' حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی سندوں میں سب سے عالی سند وہ ہے جو حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے واسطہ سے ہے۔ کیونکہ اس میں سب سے کم واسطے ہیں۔ اس میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک صرف دو واسطے ہیں ایک واسطہ خود حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ کا اور دوسرا واسطہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ہے اور سب سے سافل سند حضرت شیخ الہندؒ والی ہے کہ اس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تک پانچ واسطے ہیں اور متوسط سند وہ ہے جس میں حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی کا واسطہ ہے اس میں صرف تین واسطے ہیں اور جس سند میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا واسطہ ہے اس میں چار واسطے ہیں۔

غرضیکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تک دو واسطے بھی ہیں اور تین اور چار واسطے بھی ہیں اور پانچ بھی'

حکیم الامتؒ کی حدیثی خدمات

اوپر گذر چکا ہے کہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ سال تک مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں وہاں تمام علوم وفنون کے درس کے علاوہ حدیث بخاری' ترمذی شریف وغیرہ کا درس

بھی آپ نے دیا اور آپ وہاں کے شیخ الحدیث تھے طلباء علم حدیث نے آپ کے درس کی بعض تقریرات بھی جمع کی تھیں جن کا اجمالی ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ ان کتابوں اور مضامین کا بھی تعارف کرایا جائے گا جو حدیث کے موضوع پر آپ نے تحریر فرمائی ہیں۔

۱۔ المسک الزکی

یہ وہ تقریر ہے جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ جامع ترمذی شریف کے درس کے وقت فرماتے اور آپ کے بعض شاگردوں نے اس کو اردو میں قلم بند کر لیا تھا۔

۲۔ الثواب الحلی

یہ المسک الذکی کا تتمہ ہے اور چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے' اس کی مستقل اشاعت کا پہلی مرتبہ اہتمام مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی محشی موطا امام مالکؒ نے کیا' اور دوسری مرتبہ مرکز علم وادب کراچی نے جامع ترمذی کے ساتھ اس کو شائع کیا' اس میں ترمذی شریف کی بعض مشہور ومقبول احادیث کے حواشی حکیم الامتؒ نے اپنے قلم سے عربی میں تحریر فرمائے ہیں:

ف' الثواب بمعنی العسل الحلی من الحلاوۃ (اشرف السوانح)

۳- ”ضمیمہ الثواب الحلی“

الثواب الحلی کے آخر میں المسک الذکی کا جس قدر مضمون حکیم الامت کے قلم سے لکھا ہوا تھا کچھ عربی میں زیادہ کچھ فارسی میں اس کو بھی اس کے ساتھ ہی بطور ضمیمہ کے ملحق کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔

۴- ”فوائد موطاء امام مالک

جلالین شریف اور ترمذی شریف کی تقریروں کی طرح موطاء امام مالک پر یہ فوائد بھی مدرسہ جامع العلوم کانپور کی یادگار ہیں ان فوائد کے جامع مولانا ناظر حسن تھانویؒ ہیں مولانا نور الحسن صاحب کاندھلوی فرماتے ہیں کہ فوائد موطاء امام مالک کا پیش نظر نسخہ جو حسب سابق مولانا ناظر حسن کے قلم سے ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے‘ مولانا ناظر حسن اسکی کتابت سے بارہ رجب ۱۳۱۳ھ میں فارغ ہوئے‘ یہ حضرت تھانویؒ کے علوم و ملفوظات کے سب سے پہلے مرتب ہیں‘ از مولانا نور الحسن صاحب کاندھلویؒ (ماہنامہ الحق شمارہ ۶ جلد ۲۱ (از فہرست تالیفات حکیم الامتؒ)

۵- جامع الآثار

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بعض لوگوں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ حنفیہ کے پاس اپنے مذہب کی دلیل احادیث سے نہیں ہے‘ دلائل حدیثیہ کے جمع کرنے کا ارادہ کیا اور احیاء السنن کے نام سے احادیث کو

ابواب الفقیہ پر جمع کیا اس کا مسودہ طبع ہونے سے پہلے ہی ضائع ہو گیا‘ بعد میں مذہب حنفیہ کے حدیثی دلائل کو فقہی ابواب کی ترتیب پر اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ابواب الصلوٰۃ تک وہ حدیثیں جمع کی گئی ہیں جو حنفیہ کی دلیل ہیں اور ان احادیث کے حوالے مع صفحہ نمبر درج فرمائے‘ اس کے مقدمہ میں اختلاف ائمہ کے اسباب اور بعض دوسری مفید بحثیں اور استدلال کی کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے‘ زبان سلیس اور نفیس ہے اہل علم کو عموماً اور طلباء و مدرسین علوم حدیث کو خصوصاً مفید ہے مطبع قاسمی دیوبند میں شائع ہوئی۔

۶- تابع الآثار

یہ رسالہ جامع الآثار کی تعلیق ہے اس میں بھی حنفیہ کی تائیدی احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور ان احایث کی توجیہ کی گئی ہے جو بظاہر حنفیہ کے معارض ہیں

۷- احیاء السنن مع ترجمہ اطفاء الفتن

جامع الآثار اور تابع الآثار میں کتاب الصلوٰۃ تک کے دلائل حدیثیہ جمع کئے گئے تھے‘ اس کتاب میں حضرت حکیم الامتؒ نے تمام ابواب فقہیہ کے دلائل کا استیعاب کرنا چاہا اور ضخیم کتاب ابواب الحج تک تالیف فرمائی مکمل کتاب عربی میں ہے کتاب الصلوٰۃ کا اردو ترجمہ بھی ساتھ ہی شائع ہوا ہے جس کا نام اطفاء الفتن ہے‘

۸- اطفاء الفتن

اسی کا اردو ترجمہ ہے' احادیث بھی ساتھ ہی درج کی گئی ہے احیاء السنن کے آٹھویں حصہ تک یہ ترجمہ اردو پہلی طباعت میں جو ہندوستان میں ہوئی تھی شائع ہوا تھا آٹھ جلدوں کے ساتھ ان میں کتاب الصلوٰۃ مکمل ہوگئی ہے

۹- توضیح الحسن

اس احیاء السنن پر حضرت نے تعلیقات لکھی تھی یہ ان تعلیقات کا نام ہے۔ ''معانی حدیث'' تطبیق بین الروایات اور تخریج اور علم اسناد جس طرف بھی نظر کی جائے حکیم الامتؒ کی نظر بصیرت اپنی یکتائی اور انفرادی حیثیت کا اظہار کرتی نظر آتی ہے۔

تفہیم معانی میں تو اپنی مثال آپ ہیں جس کی کچھ مثالیں نظر سے گزریں گی اور ایسی مثالوں سے آپ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں آپ کی ہر کتاب میں اس تفہیم معانی کی مثالیں مل جائیں گی'

ایک مثال مسودہ احیاء السنن جلد ۳ ص ۱۵۰ سے بھی بذیل حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیش کی جاتی ہے۔

(۱) انی اجھز جیشی و انا فی الصلوۃ' ترجمہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نماز پڑھتے ہوئے لشکر تیار کرتا ہوں' اس کی شرح میں سنبھلی صاحب نے لکھا تھا'

الراجح عندی ان افعال عمرهذه كانت من غير اختيار لغلبته امورالخلافة عليه ابتداء ثم كانت تمتد بالاختيارو هولا يذكر انه فی الصلوة اه

لیکن حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے محدثانہ ذوق سلیم اور فقیہانہ تحقیق کے یہ بات بالکل خلاف تھی اس لئے حضرت والا نے اس پر استدراک فرمایا اور اپنی قلم مبارک سے لکھا۔

''اس سے حضرات صحابہؓ کی شان میں اس موذی کی بے ادبی ظاہر ہے کہ وہ صحابہ کے مقام کو ایک ادنی عارف کے مقام برابر بھی نہیں سمجھتا' صوفیہ نے فرمایا کہ حضرت عمر نماز میں غایت خشوع اور یکسوئی کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے پھر ان کو تیاری لشکر وغیرہ کی بابت منجانب اللہ الہامات شروع ہوتے تھے اور نماز میں عارفین کو بہت الہامات ہوا کرتے ہیں اور نماز کا الہام صحیح بھی ہوتا ہے' اس کو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھتے ہوئے لشکر تیار کرتا ہوں' یعنی اس وقت مجھے اس قسم کے الہام ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ کا ملہم و محدث ہونا احادیث سے معلوم ہے۔

(النور ماہ رمضان ۱۳۴۱ھ)

حدیث کے مطلب و مفہوم کے بیان میں حضرات صحابہ کرامؓ کی شان صحابیت اور ان کے مقام معرفت اور ملہم و محدث ہونے کی حیثیت کا

پاس و لحاظ حضرت تھانویؒ کے کس قدر پیش نظر ہے وہ ناظرین پر پوشیدہ نہیں اور ایک حدیث کی تشریح دوسری حدیث کی روشنی میں کرنے کی یہ روشن مثال ہے‘اس سے حضرت تھانویؒ کے حفظ اور فقہ حدیث نیز سرعت انتقال ذہن وغیرہ محدثانہ اوصاف کا ثبوت واضح ہے۔

(۲) اسی طرح ایک حدیث میں ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - لایصلی فی لحف نسائر -رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کی لحاف بستر وغیرہ میں نماز نہیں پڑھتے تھے اس کی شرح میں سنبھلی صاحب نے لکھا تھا‘

وکان ترکہ تحینا منہ یدل علیہ الذوق اللسانی والوجہ ہو توہم النجاسۃ فیھا لتساہلھن فی اجتنا بھا عادۃ اہ

حضرت حکیم الامتؒ اس پر ارشاد فرماتے ہیں۔

بھلا اس موذی سے کوئی پوچھے کہ تو نے اپنی عورتوں کو ناپاکی سے تساہل کرتے ہوئے دیکھ کر حضورؐ کی ازواج مطہراتؓ کو ان پر کیسے قیاس کرلیا۔ جن کی شان یہ ہے۔لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا‘ بلکہ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عورتوں کے لحاف بسترے رنگین اور نرم ہوتے ہیں اور یہ زینت نماز کے وقت آپ پسند نہ کرتے تھے اس لئے نماز بوریہ پر پڑھتے تھے‘اور کبھی ازواج کے بسترہ پر بھی پڑھ لیتے تھے چنانچہ اس قسم کی احادیث بھی موجود ہیں کہ حضورؐ تہجد کی نماز

حضرت عائشہؓ کے بسترہ پر پڑھتے تھے‘(ایضاً ص ۱۲)

اس حدیث کی تشریح بھی فنی طور پر حضرتؒ نے دوسری احادیث کی روشنی میں فرمائی کہ بعض احادیث سے بعض زواج کے بسترہ پر نماز تہجد کا پڑھنا ثابت ہے‘ سنبھلی صاحب نے اول تو دوسری احادیث سے غفلت کی حالانکہ کسی حدیث سے ایسا مفہوم لینا جو دوسری احادیث کے خلاف ہو اصول کے خلاف ہے‘

پھر ازواج مطہراتؓ کے بارہ میں قرآن کا بیان کردہ مقام نزاہت و طہارت قطعی طور پر نظر انداز کردیا تیسرے کان لایصلی کے معنی سمجھنے میں ان کو غلطی لگی اور کان کو دوام واستمرار کے لئے سمجھ لیا اور صلوۃ فی لحف نسائہ کی دائمی طور پر نفی سمجھ گئے‘ حالانکہ کان ہمیشہ دوام واستمرار کے لئے نہیں آتا خصوصیت سے جب دوسری احادیث میں صلوۃ فی اللحف کا ثبوت ہو رہا ہے پھر تو دوام واستمرار مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

چوتھے یہ کہ اگر کان لایصلی فی لحف نسائہ کی یہ علت ہوتی جو سنبھلی صاحب نے بیان کی ہے اور وہ علت مطرد ہوتی تو پھر بڑا اشکال واقع ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے جب حضرت عائشہؓ کے بسترہ پر نماز تہجد ادا فرمائی ہے تو پھر لحف میں نماز ادا نہ فرمانے کی یہ علت کیسے ہو سکتی ہے؟ ان تمام چیزوں سے سنبھلی صاحب نے صرف نظر کیا اور حفظت شیئاً و غابت عنک اشیاء کے مصداق ہوگئے۔

حضرت تھانویؒ کی بیان فرمودہ توجیہ سے تمام اشکالات کا حل ہو گیا اور متعارض حدیثوں کے معنی اپنی اپنی جگہ صحیح اور درست ہو گئے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا بستر ہ نرم اور رنگین نہ ہوتا ہو' اس لئے اس پر نماز پڑھ لیتے تھے' اور جن زواج مطہراتؓ کے بستر ے ایسے نہیں ہوتے تھے ان پر نماز نہیں پڑھتے تھے تو لحف نساء سے بعض خاص لحف مراد ہوں گے اور اضافت عہد خارجی کے لئے ہوگی کل لحف مردانہ ہوں گے نہ ہی اضافت جنس کے لئے ہوگی۔

(۳) ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبویؐ کی دیواروں کو نقش پتھر سے بنایا اور ستون بھی پتھر کے لگائے' چھت سال کی ڈالی' تو اس پر بعض کی طرف سے کراہت کا اظہار کیا گیا اور یہ چاہا کہ اس کو پہلی ہی حیثیت پر رہنے دیں' اس پر سنبھلی صاحب نے "احیاء السنن" جلد ۳ ص ۱۴۷ میں لکھا ہے'

قلت وبه اقول و قد كان ذلك اولى ممافعله عثمانؓ اى فعل النبى صلى الله عليه وسلم وفعل عمرؓ و تاويله رضى الله عنه ضعيف وقد اول بما اول لكونه غنيا فانه الذى يذهب فى الاكثر الى مايتلبس به فافهم واز هد فى الدينا" اه

حضرت تھانویؒ نے اس پر ارقام فرمایا'

"یہ عبارت حضرت عثمانؓ کی شان میں کس قدر گستاخی لئے ہوئے ہے اول تو ہم جیسوں کا کیا منہ کہ ہم بے دھڑک صحابہؓ کی تاویل کو ضعیف کہہ

دیں' اس پر طرہ یہ کہ اس تاویل کا منشاء خلوص وللّٰہیت کے علاوہ غنا اور تمول کو بتایا جاوے' اور ناظرین کو زہد کا اصرد ے کر یہ بتلایا جائے کہ حضرت عثمانؓ کا یہ فعل نعوذ باللہ زہد کے خلاف تھا۔اللھم انا نعوذبک من الحور بعد الکور" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ مسجد کی فضول زینت کو حرام سمجھتے تھے اور جس زینت میں مسجد کی مضبوطی اور پائیداری ہو یا عظمت ووقعت اس کو جائز سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے مسجد نبویؐ میں جو کچھ اضافہ کیا تھا اس سے سوائے ان مصالح کے اور کچھ مقصود نہ تھا اور کوئی زینت ایسی نہ تھی جو قلوب مصلین کو مشغول کرے یا فضول شمار ہو' اور دوسرے بعض صحابہ مطلق زینت کو مکروہ سمجھتے تھے' وہ چاہتے تھے کہ مسجد کی دیواریں کچی رہیں اور چھت بھی کھجور کی رہے' مگر علماء امت ومجتہدین کا فتویٰ حضرت عثمانؓ کے قول پر ہے' حضرت عثمانؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کے اتباع کا امت کو امر ہے' اتبعوا سنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى' لہذا ان کا قول ہر حال میں قابل اتباع ہے"

واللہ اعلم (النور مذکور ص ۱۳)

اور ظاہر ہے کہ اصل کمال معانی احادیث کا فہم اور ان سے مسائل کا استنباط ہی ہے جس کو فقہ الحدیث کہتے ہیں اور یہی صحیح معنی میں علم حدیث یا حدیث دانی ہے' جس کا اندازہ حدیث ذیل کی تشریح سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ قال رسول اللہ صلى الله

علیه وسلم رحم الله عمر یقول الحق وان کان مراترکه الحق وماله من صدیق لفظی ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم فرماتے کہ وہ حق بات کہہ ڈالتے ہیں خواہ تلخ ہی ہو' اس حق گوئی کی بدولت ان کا کوئی دوست نہیں رہا۔

اس سے تین شبہے ہوتے ہیں ایک یہ کہ کیا دوسرے صحابہؓ حق گو نہ تھے' دوسرا یہ کہ کیا حضرت عمرؓ کا کوئی دوست نہیں تھا' تیسرا یہ کہ کیا حضرات صحابہؓ بھی حق گوئی کو برا سمجھتے تھے۔

اب حکیم الامتؒ کی فہم معانی اور تفہیم کی خوبی اور کمال دیکھئے کہ ان تینوں شبہوں کا ازالہ محض قوسین میں ترجمہ کی معمولی تشریح سے کس طرح فرمادیا۔

"اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے عمرؓ پر وہ حق بات کہہ دیتے ہیں اگرچہ کسی کو اعقلاً یا طبعاً) تلخ (ناگوار) معلوم ہو (یعنی ان میں یہ صفت ایک خاص درجہ میں غالب ہے' اس درجہ کی) حق گوئی نے ان کی یہ حالت کردی کہ ان کا کوئی (اس درجہ کا) دوست نہیں رہا (جیسا کہ تسامح ورعایت کی حالت میں ہوتا) فضائل صحابہؓ کی اور بھی بکثرت ایسی احادیث موجود ہیں جن میں کسی خاص فضیلت کو کسی خاص صحابیؓ کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے' جس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ "ان میں یہ صفت ایک خاص درجہ میں غالب ہے" غرض یہ کہ " حق کے درجات متفاوت ہوتے ہیں' ایک درجہ یہ ہے کہ اس کا اظہار واجب ہوتا ہے' دوسرا یہ کہ اولیٰ یا مباح ہوتا ہے' سو پہلا درجہ تو سب صحابہؓ بلکہ اہل حق میں مشترک ہے اور دوسرے درجہ کے اعتبار سے بزرگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں "بعض مروت و تسامح کو مصلحت پر ترجیح دے کر سکوت فرماتے ہیں' بعض مصلحت کو مروت پر ترجیح دے کر کہہ ڈالتے ہیں' پہلے درجہ غلبہ کا ہے دوسرا نفس اتصاف کا (علی ھذا دوستی کے ایک خاص درجہ کی نفی مقصود ہے' یعنی اگر حضرت عمرؓ مروت کو مصلحت پر غالب رکھ کر طرح دے جاتے تو اس حالت میں ان کے جیسے دوست ہوتے اب نہیں رہے' رہی طبعی تلخی و ناگواری تو اس کے مقتضے پر اگر عمل نہ ہو تو وہ خیر کے منافی نہیں' باقی ایسے لوگ بھی ہر زمانہ میں ہوتے ہیں جن کو عقلی تلخی و ناگواری بھی ہوتی ہے اگرچہ اس وقت ایسے اقل قلیل تھے۔ (اشرف السوانح ج ۲ ص ۶۱ و ص ۶۲)

۱۰۔ "اعلاء السنن عربی"

یہ کتاب فن حدیث میں اس صدی کا عظیم علمی شاہکار ہے جس نے عرب و عجم کے مشاہیر علماء کرام سے خراج تحسین حاصل کیا ہے' اس میں احناف کے تمام فقہی مسائل کو حدیث سے ثابت کیا گیا ہے' اس کی تالیف کا کام پہلے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے احیاء السنن کے نام سے خود ہی شروع فرمایا تھا اور دلائل حنفیہ کی احادیث کا ضخیم مجموعہ ابواب الحج تک

مرتب فرمایا تھا۔ بعد میں اپنے بھانجے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تھانوی کے ذریعے اس کی تالیف کرائی پہلے بھی اس کی طباعت ہو چکی ہے مگر اب حال ہی میں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی" نے عربی کے دلکش ٹائپ پر نہایت عمدہ طباعت کے ساتھ اس کو شائع کیا ہے۔

یہ کتاب بیس جلدوں میں مکمل ہوئی ہے' پہلی آٹھ جلدیں حرفاً حرفاً حضرت حکیم الامتؒ کی نظر سے گذر چکی ہیں' بقیہ جلدوں میں مشکل اور اہم مقامات حضرت حکیم الامتؒ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں' اس کتاب میں جابجا قال الشیخ' قال شیخی' قال شیخنا' اجاب عنہ شیخنا' سے حضرت حکیم الامتؒ کے افادات عالیہ کو بیان فرمایا گیا ہے'

اس کی تالیف وتصیف میں اگرچہ قلم اور عبارت مولاناؒ کی ہے' مگر زبان وبیان زیادہ تر حضرت حکیم الامتؒ کا ہی ہے اس لئے اعلاء السنن جس طرح مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی عظیم الشان خدمت حدیث ہے' اسی طرح حکیم الامتؒ کی خدمت حدیث میں بھی شمار ہوتی ہے' مولانا ظفر احمدؒ خود لکھتے ہیں۔

ولیس فیہ غیر الرسم والا سم والشیخ نور اللہ مرقدہ

ھوالروح فی ھذہ الجسم

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند

انچہ استاد ازل گفت ہمان می گویم

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اس کتاب کا تفصیلی تعارف اپنے ایک مبسوط مقالہ میں خود کرایا ہے جو مصنف تصنیف را خود نکو میداند کا مصداق ہے' اس کا ایک اقتباس ذیل میں ملاحظہ فرماتے ہیں۔

"حضرت حکیم الامتؒ فرماتے تھے اگر خانقاہ امدادیہ میں "اعلاء السنن" کے کے سوا اور کوئی کتاب بھی تصنیف نہ ہوتی تو یہی کارنامہ اس کا اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی اس میں صرف حنفیہ کے دلائل حدیثیہ ہی نہیں بلکہ متن کتاب میں احادیث مؤیدہ حنفیہ ہیں اور حواشی میں بڑی تحقیق وتفتیش سے جملہ احادیث احکام کے استیعاب کی کوشش کی گئی ہے' پھر غایت انصاف کے ساتھ محدثانہ وفقیہانہ اصول سے جملہ احادیث پر کلام کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ مختلف فیہا میں حنفیہ کے سب اقوال کو تلاش کیا جائے' پھر جو قول حدیث کے موافق ہوا اسی کو مذہب حنفی اقرار دیا گیا' تحقیق کامل کے بعد پورے وثوق سے کہا جاتا ہے کہ جس مسئلہ میں حنفیہ کا ایک قول حدیث کے خلاف ہوگا تو دوسرا قول حدیث کے موافق ضرور ہوگا' یا کوئی حدیث یا آثار صحابہؓ ان کے قول کی تائید میں ہوں گے' آپ کو حیرت ہوگی کہ مسئلہ مصراف میں بھی امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول حدیث صحیح کے بالکل موافق ہے جس کو علامہ ابن حزمؒ نے محلی میں روایت کیا ہے'

(معارف) اس کی تعلیقات کا نام "اسداء االمنن" ہے جس میں معانی احادیث کی توضیح اور سندوں پر بحث کی گئی ہے۔

علامہ محمد زاہد الکوثری مصری' سابق نائب شیخ الاسلام سلطنت ترکیہ
زیر عنوان "احادیث احکام کی خدمت اور بلاد اسلامیہ میں اس کے مختلف دور
"علمائے ہند کی صحاح ستہ پر حواشی اور شروح نافعہ اور احادیث احکام میں ان کی
تالیفات مفیدہ اور نقد رجال وغیرہ فنون کی روشن خدمات کا ذکر کرتے ہوئے
حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت حدیث کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے
ہیں "اسی طرح علامہ یکتائے زمانہ اور عالم بے نظیر شیخ مشائخ الہند محدث
اعظم قدوۃ علماء صاحب نقد وبصیرت حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف
علی تھانویؒ صاحب تصانیف کثیرہ جن کا چھوٹی بڑی تصانیف کا عدد پانچ سو
تک پہنچا ہے' حق تعالیٰ آپ کی حیات کو دراز فرمائے' آپ نے بھی خدمت
حدیث کا خاص اہتمام فرمایا اور کتاب احیاء السنن اور آثار السنن اس باب میں
تصنیف فرمائیں جن کے بہتر کتاب ہونے کے لئے صرف حضرت مصنف کا
نام نامی کافی ہے.........

آپ کا وجود تمام دیار ہندیہ کے لئے برکت عظیم ہے اور علماء ہند میں آپ کی
ایک خاص شان ہے اور اس وجہ سے آپ کا لقب خواص وعوام کی زبانوں پر
حکیم الامت مشہور ہے۔

اور حضرت ممدوح نے اپنے شاگرد اور بھانجے کو جنہوں نے علوم
حدیث آپ ہی سے حاصل کئے ایک محدث ناقد اور فقیہ بارع ہیں۔ یعنی
مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی زادت مآثرہ کو ارشاد فرمایا کہ جس قدر کتب

حدیث اس وقت میسر آئیں سب سے حنفیہ کے استدلالات کو ابواب فقیہہ کی
ترتیب پر جمع فرمادیں اور ہر حدیث پر حدیث کے اصول کے موافق جرح و
تعدیل سے کلام کریں چنانچہ یہ عالم اس عظیم الشان مہم کی خدمت میں
تقریباً بیس سال اس طرح مشغول رہے کہ اس سے زائد اشتغال آج کل
ممکن نہیں' یہاں تک کہ اس مہم کو انتہائی خوبیوں کے ساتھ پایہ تکمیل تک
پہنچادیا' جو آثار السنن کی تقطیع پر بیس جلدوں میں آئی ہے اور اس کتاب کا نام
اعلاء السنن رکھا اور ایک مستقل جلد میں اس کتاب کا مقدمہ لکھا جو اصول
حدیث کی ایک عجیب نادر کتاب ہے اور سچی بات ہے کہ میں ان کے اس جمع
اور استیعاب سے نیز ہر حدیث پر متناً سنداً محدثانہ کلام سے جو فن حدیث کا
مقتضی تھا حیرت میں پڑ گیا' کیونکہ اس میں جو کلام کیا گیا ہے کسی جگہ اس میں
تکلف کرکے اپنے مذہب کی تائید نہیں کی گئی' بلکہ ہر جگہ محض انصاف کو
امام بنایا گیا ہے' مجھے اس خاص طرز تصنیف سے انتہائی غبطہ پیدا ہوا اور
مردوں کی ہمت اور بہادروں کی جفاکشی ایسی ہی ہونی چاہیے"

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیعؒ "ہندوستان میں علم
حدیث اور مذہب حنفی کی عظیم الشان خدمت" کے زیر عنوان اعلاء السنن کا
تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

بقیہ السلف حجۃ الخلف حکیم الامت مجدد الملت سیدی و سندی
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی دامت وبرکاتہم کی تصانیف مفیدہ جو بفضلہ

تعالیٰ سات سو سے زائد ہیں (زادہا اللہ تعالیٰ امثالھا) ان میں سے چند تصانیف
حجاز و مصر وغیرہ بلاد اسلامیہ میں پہنچی وہاں کے ماہر علماء نے ان کو ایک نعمت
عظمیٰ اور مایہ ناز علمی خدمت سمجھا'

حضرت ممدوح نے مدت ہوئی ایک تصنیف کی بنیاد ڈالی تھی جس
میں حنفی المذہب مسلمانوں کے لئے مذہب امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہر مسئلہ پر
قرآن وحدیث سے شواہد و دلائل جمع کئے گئے عرصہ دراز سے موصوف نے
یہ خدمت اپنے عزیز خاص اور مجاز خاص حضرت مولانا ظفر احمد صاحب
تھانویؒ کے سپرد فرمائی اور ان کی تحریر کو بالاستیعاب خود ملاحظہ فرماتے اور
ضروری اصلاحات عطا فرمانے کا التزام کیا' مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ' نے
اس جدوجہد اور دقت نظر سے اس کام کو انجام دیا کہ آج کل بہت ہی دشوار
ہے' یہ عظیم الشان تصنیف ...... حنفیہ کی بے نظیر تنقیح متن حدیث کی شرح
اور مباحث اسناد اور اصول حدیث کے متعلق علوم سلف و خلف کا نچوڑ ہونے
کی حیثیت سے علم حدیث و فقہ کی ایسی جامع کتاب ہوگئی کہ اس کی نظیر
موجود نہیں۔ (رسالہ المفتی ماہ ذوالقعدہ ۱۳۵۷ھ)

اس جگہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تاثر "اعلاء السنن" کے بارہ میں
پیش کردینا ناظرین کے لئے اس کتاب اور اس کے مصنف کے مقام و مرتبہ
کے پہچاننے کے لئے مفید معلوم ہوتا ہے۔ "مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں۔"
مولانا عثمانیؒ بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے اگر ان کی تصانیف
میں "اعلاء السنن" کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تنہا یہ کتاب بھی علمی
کمالات' حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق
محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے اعلاء السنن کے ذریعے
حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے کہ جس کی
نظیر مشکل سے ملے گی۔ یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور فنی تحقیق ذوق
کا معیار ہے' علمی جواہرات کی قدر شناسی وہی شخص کر سکتا ہے جس کی زندگی
اسی وادی میں گذری ہو دور دراز مواقع اور غیر مظان سے جواہرات نکال کر
خوبصورتی سے سجا کر رکھ دینا یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا
جائے کم ہے' موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ جہاں علم پر احسان کیا ہے
وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علمائے حنفیہ قیامت تک ان کے
مرہون منت رہیں گے' بلاشبہ اس بے نظیر کتاب میں حضرت حکیم الامت
قدس سرہ' کے انفاس قدسیہ اور توجہات عالیہ اور ارشادات گرامی کا بہت کچھ
دخل ہے' لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ذریعہ ان کا ظہور پر نوران
کے کمال کی دلیل ہے' (بینات ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ)

غرضیکہ مولانا نے ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۵۷ھ تک مختلف اوقات
میں عرق ریزی اور محنت شاقہ کے بعد اس کتاب میں ابواب الطہارت سے
لیکر کتاب المواریث تک کے تمام مسائل خلافیہ مشہورہ میں ہدایہ کی ترتیب
کے موافق فقہ حنفی کی تائید کے لئے بہت بڑا ذخیرہ احادیث جمع کردیا' تمام

فقہی ابواب سے متعلق احادیث نبویہ کو جمع کر کے ان کی ایسی بے نظیر تشریح اور تفصیل فرمائی ہے جو وسعت معلومات اور دقت نظر کے لحاظ سے پورے عالم اسلام میں اپنی مثال آپ ہے اور جس کو دیکھ کر بڑے بڑے علمائے زمانہ اور فضلائے یگانہ حیران و ششدر رہ گئے ہیں۔

اس کتاب کا ایک مقدمہ انہاء السکن ایک بار پہلے بھی طبع ہو چکا ہے اب دوبارہ پھر کراچی سے عربی ٹائپ میں طبع ہوا ہے' اس کو شام کے محقق عالم شیخ عبدالفتاح نے مصنف علیہ الرحمہ سے اجازت لے کر قواعد فی علوم الحدیث کے نام سے قابل قدر تعلیقات اور گراں مایہ مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ بھی نہایت آب و تاب کے ساتھ عربی ٹائپ میں زیور طبع سے آراستہ کرایا ہے' اعلاء السنن کا یہ مقدمہ بقول مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ اصول حدیث کے نوادر و نفائس پر مشتمل ہے اور تمام کتب رجال اور کتب حدیث اور کتب اصول حدیث سے انتہائی عرق ریزی کے بعد مولانا مرحوم نے وہ نفائس جمع کر دئیے ہیں کہ عقل حیران ہے اور یہ مقدمہ بجائے خود ایک مستقل بے مثال کتاب ہے۔ (بینات مذکور) یہ مقدمہ شیخ عبدالفتاح نے داخل نصاب کر لیا ہے۔

۱۱- الاقتصاد فی بحث التقلید والاجتہاد

تقلید شخصی اور تقلید مطلق کے متعلق افراط و تفریط سے پاک متن اور سنجیدہ عبارت میں یہ رسالہ حضرت حکیم الامتؒ نے اردو میں تحریر فرمایا

۵۶ صفحات کا یہ رسالہ احادیث نبویہ کا ذخیرہ ہے' یہ رسالہ ایک مقدمہ اور سات مقصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقصد اول میں دس حدیثوں کا ترجمہ اور ان کی تشریح کی گئی ہے اور مقصد دوم میں میں سات حدیثوں کا ایسا ہی بیان ہے اور مقصد سوم میں دس حدیثوں کا ذکر ہے' مقصد چہارم میں تین حدیثیں اور مقصد پنجم میں سترہ حدیثیں مذکور ہیں۔ مقصد ششم میں پچیس شبہات کے ضمن میں چھ احادیث کا ذکر کیا گیا ہے مقصد ہفتم میں پانچ احادیث مذکور ہیں۔

پھر خاتمہ رسالہ میں پندرہ مسائل جزئیہ نماز کی احادیث مؤیدہ حنفیہ کا تذکرہ فرمایا گیا اور حدیث خندق اور حدیث رؤیا کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۲- موخرۃ الظنون عن مقدمہ ابن خلدون

اس رسالے میں امام مہدی کے بارے میں وارد شدہ احادیث کی تحقیق فرمائی گئی ہے اور منکرین عقیدہ ظہور مہدی کی تردید کر کے اس عقیدے کو ثابت کیا گیا ہے۔

۱۳- الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح

یہ رسالہ مدعی نبوت کاذبہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال فاسدہ اور عقائد کاسدہ کے جواب میں ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع الی السماء کی مدلل تحقیق درج ہے اور وہ آیات و احادیث جس سے

قادیانی اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان احادیث کے صحیح
معنی اور مطلب کو بیان فرمایا ہے۔ طرز تحریر محققانہ اور منصفانہ ہے۔

۱۴۔ التشرف

تصوف کا حاصل اور لب لباب تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہے
قرآن کریم میں تزکیہ اور احادیث نبویہ میں اس کے لئے "احسان" کا لفظ
استعمال کیا گیا ہے، حکیم الامت تھانویؒ اپنے زمانہ کے محدث اعظم ہونے
کے ساتھ تزکیہ نفوس اور تصفیہ قلوب کے امام اور مجدد تصوف بھی تھے،
اس لئے آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں تصوف کے اصلی خدوخال کو
واضح کیا اور بتلایا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تصوف کی کیا حقیقت ہے،
چنانچہ التشرف میں حضرت تھانویؒ نے علم حدیث کی خدمت کو اسی طرز اور
رنگ میں انجام دے کر بلند پایہ خدمت حدیث کے ساتھ دنیائے تصوف پر
بھی احسان عظیم فرمایا ہے۔

اس کتاب میں تصوف سے تعلق رکھنے والی احادیث کو جمع کیا اور اس
کا التزام کیا کہ احادیث حروف تہجی کے لحاظ سے بھی مرتب رہیں چنانچہ پہلے
تین حصوں میں الف سے شروع ہونے والی احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور
حدیث جس فائدہ پر متضمن ہے اس پر عنوان قائم کیا گیا ہے اس کے بعد
اس فائدہ کی جانب "میں کہتا ہوں" سے اشارہ کر کے واضح فرمایا گیا کہ اس

حدیث کا اس عنوان کے تحت لانا ایک خاص نقطہ نظر سے ہے۔

"مثال" اس حدیث کو طبرانیؒ اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں
روایت کیا ہے۔ طلب الحلال فريضة بعد الفريضة "حلال روزی
کمانا دینی فریضہ کے بعد بڑا فریضہ ہے"

امام طبرانیؒ اور بیہقیؒ نے اسے شعب الایمان میں روایت کر کے
اس طرف اشارہ فرمایا کہ فرائض دینیہ کا ادا کرنا ضروری ہے اور ہر فرض
ایمان کے ایک شعبہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن حدیث میں ایک اور امر پوشیدہ
ہے کہ جس طرح انسان کے لئے معاد اور آخرت کی تیاری اور اس کے لئے
کسب واکتساب کی ضرورت ہے اسی طرح اپنی دنیوی معاش کے لئے بھی
کسب واکتساب اور بقدر ضرورت اس کی ادائیگی امامور من اللہ ہے حدیث میں
مضمر ایک نکتہ کی وجہ سے حکیم الامتؒ نے اس حدیث کو عدم التنافي بين
المعاد وبين المعاش الضروري، (معاد اور معاش ضروری کے درمیان
منافات نہیں) کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت تخریج فرمایا۔

اس کتاب کے ابتدائی تین حصوں میں حدیث کا عربی متن تخریج
کیا گیا ہے اور عربی ہی میں فائدہ کے عنوان سے اس کی مختصر تشریح کی گئی
ہے۔ بعد میں اس کے استفادہ کو عام کرنے کی غرض سے " تکمیل
التصرف في تسهيل التشرف" کے نام سے متن حدیث اور اس کی
شرح کا اردو ترجمہ کیا اور وہ متوازی کالم میں لکھا گیا، البتہ چوتھے حصہ میں

التشرف کو ہی عربی کی بجائے اردو میں تالیف کیا گیا ہے' اس حصہ میں صرف متن حدیث عربی میں ہے اس کا ترجمہ اور اس کی تشریح اردو میں کی گئی ہے۔

کتاب میں صحاح ستہ کی احادیث کے علاوہ معجم طبرانی' سنن بیہقی' صحیح ابن حبان' علامہ سیوطی کی جامع صغیر اور کنوز الحقائق سے بھی احادیث لی گئی ہیں"

غرضیکہ التشرف میں ان احادیث کی تحقیق کی گئی ہے' جو کتب تصوف میں یا صوفیائے کرام کے کلام میں آئی ہیں اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور جو روایات دراصل حدیث نہ بلکہ تھیں غلطی سے عوام نے ان کو حدیث کو مشہور کر دیا تھا۔ ان کی اصلیت واضح فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر فرمادیا ہے کہ بزرگوں کا یہ قول فلاں دلیل شرعی سے ثابت ہے یہ کتاب چار حصوں میں' چار سو چھیالیس صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۵۲ھ تک کے عرصے میں مختلف اوقات میں لکھی گئی ہے اس کے پہلے تین حصے عربی میں ہیں اور اس کے ساتھ ہی دوسرے کالم میں اردو ترجمہ ہے' چوتھا حصہ اردو میں ہے' پہلے حصہ کا ماخذ تخریج احادیث الاحیاء للعراقی ہے دوسرے حصے میں ان روایات کی تحقیق ہے کہ جو مثنوی معنوی کے دفتر اول اور اس کی شروح وغیرہ میں آئی ہیں' اور بعض روایات المقاصد الحسنہ کی تخریج مع تلخیص ہے اور تیسرے حصے میں زیادہ تر الجامع الصغیر للامام السیوطیؒ اور کنوز الحقائق کی احادیث کی تخریج ہے۔

مولانا عبدالباری ندوی اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں' فنی نقطہ نظر سے تو التشرف فی معرفتہ احادیث التصوف کے چار حصے خالص محدثانہ کارنامہ ہے' جس میں ان احادیث اور ان کے درجات کی تحقیق و تنقید ہے جو صوفیاء کے کلام اور کتابوں میں پائی جاتی ہیں' نیز جو روایات دراصل حدیث نہیں اور حدیث کے نام سے مشہور ہوگئی ہیں ان پر بحث ہے اور اگر وہ لفظ کسی بزرگ کا قول ہے تو اس کی تشریح فرمائی گئی ہے ایک حصہ میں خاص طور پر مثنوی شریف کی حدیثوں کی تخریج ہے۔

الحاصل یہ کتاب علم حدیث اور علم تصوف و احسان کا ایک حسین امتزاج اور عجیب و غریب مجموعہ ہے' تمام اہم مسائل' عبادات' اذکار و دعوات میں عادات و آداب اور توبہ و استغفار کے علاوہ مجاہدات میں حالت' طالبین' اہل اللہ کو دیکھنے کا اہتمام' حفظ مراتب مریدین' اور مراقبہ' محاسبہ' جیسے اہم مضامین احادیث سے ثابت کئے گئے ہیں' بعض خشک مزاج لوگوں کے ذہنوں میں تصوف کے بارہ میں جو اشکالات آتے ہیں ان سب کا جواب اس کتاب کے مطالعہ کے بعد بڑے جامع اور بلیغ انداز میں ہو جاتا ہے اور صحیح تصوف کا عین شریعت ہونا اور اس کی تعلیمات کا قرآن و حدیث کے مطابق ہونا ثابت ہو جاتا ہے' اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ تصوف مابعد الطبیعاتی کسی چیز کا نام نہیں ہے جسے ہر آدمی اختیار نہیں کرسکتا اور نہ ہی تصوف میں ایسی ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہے کہ جس میں انسان دنیا و مافیھا

سے منقطع‘ اپنے حوائج فطریہ سے مستغنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں تصوف ان بدعات اور خلاف سنت رسومات کا نام ہی نہیں ہے‘ جو اس زمانہ میں تصوف کے نام پر اکثر خاندانی اور رسمی پیروں اور سجادہ نشینوں میں رائج ہو چکی ہیں۔

۱۵- ”حقیقت الطریقہ من السنۃ الانیقہ“

یہ کتاب بڑی تقطیع کے ایک سو ترپن ۱۵۳ صفحات پر مشتمل التکشف کے ص ۳۱۳ سے ص ۴۶۶ تک شائع ہو رہی ہے۔

۱۶- التکشف

”التکشف“ کو حکیم الامتؒ کی تصانیف میں اہم حیثیت حاصل ہے‘ یہ کتاب تصوف کے اساسی اصول و کلیات اور مبادیات پر مشتمل جامع تصنیف ہے‘ اس کا ایک حصہ جو مستقل تالیف کی حیثیت رکھتا ہے علم حدیث کی اہم خدمت ہے اس تالیف کا نام حقیقت الطریقہ من السنۃ الانیقہ ہے۔

اس میں تیرہ عنوانات کے تحت تین سو تیس ۳۳۰ حدیثوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اکثر و بیشتر صحاح سے منقول ہیں‘ ان عنوانات میں احوال‘ اخلاق‘ تعلیمات‘ اشغال‘ علامات‘ رذائل‘ عبادات‘ رسومات‘ مسائل اور اصلاح شامل ہیں ان سب عنوانات کو تین سو تیس احادیث سے ثابت فرمایا

ہے‘ اس کے مطالعے سے غالی صوفی کا غلو اور منکر تصوف کا انکار کافور ہو جاتا ہے‘ یہ کتاب بہت ہی عجیب و غریب مضامین اور تحقیقات علمیہ پر مشتمل ہے۔ ۱۳۲۷ھ میں یہ کتاب تالیف کی گئی ہے۔

اسلوب

متن حدیث نقل کرنے کے بعد اس کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے پھر اس حدیث کا مختصر تشریح کی گئی ہے۔

سبب تالیف

حکیم الامتؒ اس کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ اصلاح قلب و نفس اور عقائد و اعمال کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے میں افراط و تفریط پر مشتمل دو رائیں ہیں‘ متشددین اہل حق کے بعض اقوال کا پیش منظر اور اس کی علت سمجھے بغیر ان کو مخالف سنت قرار دے کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ان کی برکات سے محروم رہتے ہیں دوسری جانب ضعیف الاعتقاد کم علم و فہم رکھنے والے ناقص العمل یا اہل باطل کی صحبت اختیار کر کے اپنا دین و ایمان ضائع کر دیتے ہیں لہٰذا ضرورت اس بات کی محسوس ہوئی کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے طریقت کی حقیقت و ماہیت واضح کر دی جائے تاکہ ہر دو فریق اس افراط و تفریط کے راستے سے ہٹ کر عدل و اعتدال کی راہ پر گامزن ہوں۔

"مثال" (۱) عن عبداللہ ابن مسعود قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذنک علی ان ترفع الحجاب وان تسمع سوادی حتی انھاک (رواہ ابن ماجہ) ترجمہ - حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے آنے کی یہی اجازت ہے کہ تم پردہ اٹھادیا کرو اور میری مخفی بات سن لیا کرو جب تک میں منع نہ کروں' (ابن ماجہ ص ۱۳)

(۲) عن الحسین بن علی قال سالت ابی عن دخول رسول اللہ ﷺ فقال کان اذا الی منزلہ جزء دخولہ ثلثۃ اجزاء جزء للہ عزوجل جزء لاھلہ جزء المفنہ ثم جزء جزئہ بینہ و بین الناس خیردونک مانجاحتہ علی العامۃ ولاید خیر عنھم شیا کان من سیرتہ فی جزء لامۃ ایثار اصل الفضل الحدیث - (رواہ الترمذی فی الشمائل)

ترجمہ :- حضرت امام حسینؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں تشریف لے جانے کی حالت کے متعلق پوچھا (کہ آپ جب گھر تشریف لاتے تو کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ جب بھی اپنے گھر میں تشریف لاتے تو اپنے اندر آنے کو تین حصوں پر تقسیم کرتے ایک حصہ اپنے گھر والوں سے (بولنے چالنے) کے لئے' اور ایک حصہ اپنے نفس کو آرام کے لئے اور پھر اپنے [illegible] کر' اپنے ضروری کاموں)

اور لوگوں کے (نفع پہنچانے کے) درمیان میں تقسیم فرمادیتے' یعنی کچھ وقت اپنے لئے صرف کرتے اور کچھ لوگوں کے کام میں رہتے اس حصہ کو (جو کہ اپنے وقت میں سے لوگوں کے لئے نکالتے تھے) خواص کے ذریعہ سے عام لوگوں پر صرف فرماتے' اور لوگوں سے کوئی چیز (کام کی) اٹھانہ رکھتے اور آپ کی عادت شریف امت کے حصہ میں (جو باہر صرف ہوتا تھا) یہ تھی اہل فضیلت کو ترجیح دینا' جو حدیث میں مذکور ہے (شمائل ص ۲۶)

۳- عن ابی موسی الاشعری قال کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حائطہ من حیطان المدینۃ فجاء رجل فاستفتح فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افتح لہ و بشرہ بالجنۃ ففتحت لہ فاذا ابوبکر فبشرتہ بما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحمد اللہ الحدیث وفیہ مجئی عمر و عثمان کذالک متفق علیہ-

ترجمہ - حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں تھا ایک شخص آیا اور درواز کھلوایا' آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور اس شخص کو جنت کی بشارت دے دو' میں نے دروازہ کھولا تو ابوبکرؓ تھے میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی خوشخبری دے دی- انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی' اسی طرح حدیث میں حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کا تشریف لانا مذکور ہے' روایت کیا

اس کو بخاری و مسلم نے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

ان تینوں حدیثوں کے بعد حضرت حکیم الامت نے ف کے تحت ذیل کی سرخی قائم فرمائی اور فوائد تحریر فرمائے۔

ف' عادۃ ضبط اوقات و باز داشتن عوام در وقت خلوت و نشانیدن بواب' بزرگوں کا عموماً معمول ہے کہ اپنے اوقات منضبط رکھتے ہیں جن میں کچھ وقت خلوت کا بھی ہوتا ہے جس میں عوام سے نہیں ملتے اور کبھی کبھی کسی خادم کو بھی بٹھلا دیتے ہیں کہ عوام کو ہجوم سے روکے اور کبھی اسی وقت میں خواص کو کسی خصوصیت سے اجازت دیتے ہیں' اہل بطالت ان معمولات پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں اور بزرگوں پر شبہ ترفع کا یا ترجیح بلا مرجح کا اور مثل اس کے کرتے ہیں بعضے خاص خادموں کو جاتا ہوا دیکھ کر خود بھی جا گھستے ہیں اور اس کے ماذون ہونے سے اپنے ماذون ہونے پر استدلال کرتے ہیں' یہ حدیثیں ان سب امور کا صاف صاف فیصلہ کرتی ہیں' حدیث ثانی سے ضبط اوقات و اہتمام خلوت اور صرف خواص کو آنے دینا۔ اور حدیث اول سے خادم کے ماذون ہونے کا عام کے ماذون ہونے کو مستلزم نہ ہونا' اور حدیث ثالث سے بواب کا بٹھلانا صاف معلوم ہوتا ہے' البتہ کسی کی ضرورت شدیدہ فوریہ کے وقت پھر ملاقات سے عذر کرنا برا ہے ورنہ علاوہ حدیث کے خود قرآن مجید کی آیت وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا' اس کی اجازت دیتی ہے کہ کسی وقت ملاقات سے عذر کر دینا بھی جائز ہے'

اسی طرح حدیث انزلوا الناس منازلھم' خواص کی ترجیح کو عوام پر جائز بتلاتی ہے' یہ تمام شبہات ناواقفی سے ہوتے ہیں' تینوں سے مسائل کا استنباط اور معمولات صوفیاء کرام اور فوائد تحریر فرمائے گئے اور جس حکیمانہ انداز اور مقیانہ طرز استدلال سے ان کا اثبات فرمایا گیا ہے اس کی طرف سے ہمارے اکثر اصحاب تدریس اور طلباء علوم حدیث صرف نظر کئے ہوئے ہیں' اور ان کے درسی افادات ان علمی جواہرات سے اکثر تہی دامن ہوتے ہیں' ان کی طرف توجہ دلانے کی غرض سے بھی یہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ احادیث سے صحیح طور پر مستفید ہونے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

"التشرف اور حقیقت الطریقہ" کے مضامین میں مماثلت ہونے کے باوجود فرق یہ ہے کہ التشرف میں عبادات اور تصوف کے احکام و مسائل کی احادیث کو بیان کیا گیا ہے اور حقیقت الطریقہ میں معاشرت کے احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث کا ذکر کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک عابد و زاہد اور صوفی متقی کے لئے ترک معاشرت و ترک حقوق کی اجازت نہیں ہے۔

۱۷۔ "النکت الدقیقہ فیما یتعلق بالحقیقہ"

رسالہ حقیقت الطریقہ کو اصل اور اس رسالہ کو اس کے تابع کے طور پر لکھا گیا ہے اسی واسطے رسالہ مذکورہ میں حدیث کو مقدم لکھا گیا ہے اور

مسئلہ کے آخیر میں اور اس رسالہ میں مسئلہ کو مقدم اور اس کی تائید میں حدیث کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے' تاکہ اصل اور تابع میں اچھی طرح امتیاز ہو جائے' بڑی تقطیع کے ص ۱۲ کا یہ رسالہ وسط ربیع الاول ۱۳۲۷ھ میں تحریر کیا گیا ہے اور التکشف کے ص ۴۶۷ ص ۴۷۸ تک شائع ہوا ہے۔

اس رسالے میں کل پچیس حدیثوں کی تشریح و توضیح ہے مگر چار حدیثیں وہ ہیں جو پہلے حقیقت الطریقہ میں بھی آچکی ہیں۔ اس لئے ان چار کو گنتی میں شمار نہ کیا جائے تو بھی اکیس ۲۱ حدیثیں مذکور ہیں اور تین سو تیس حدیثیں اصل رسالہ حقیقت الطریقہ میں مذکور ہیں اصل اور تابع دونوں کا مجموعہ احادیث تین سو اکاون ۳۵۱ ہوگئیں۔ حکیم الامت تھانویؒ نے اس تعداد کو حذف کسر ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

سہ صد و پنجہ حدیث آمد دریں
شد مرتب ایں عجائب سفر دیں

النکت الدقیقہ سے مثال

حدیث من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لایتمثل فی صورتی۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ کو دیکھا' کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں بن سکتا۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۶)

حضرت حکیم الامتؒ 'ف' کے تحت فرماتے ہیں کہ بعض صوفیہ کے کلام میں بعض عبارات بعنوان حدیث پائی جاتی ہیں جن پر اکثر اہل ظاہر ان حضرات پر وضع احادیث کا طعن کرتے ہیں مگر حاشا و کلا وہ ایسے کبیرہ کے ہرگز مرتکب نہیں ہو سکتے بلکہ توجیہ اس کی یا تو یہ ہے کہ کشف یا منام میں انہوں نے حضور پر نور ﷺ سے کچھ ارشادات سنے ہوں اس لئے ان کو حضورؐ کی طرف منسوب کر دیا۔ خود محدثین نے بھی احادیث منامیہ کو حدیث کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جیسا امام صغانیؒ نے مشارق الانوار میں حدیث اذا وضع العشاء الخ منام کے طریق سے نقل کی ہے اسی طرح احادیث کشفیہ کو حدیث کہنا صحیح ہے۔ البتہ ان میں یہ شرط ہے کہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہوں' تو محققین کے کلام میں جو اس قسم کے مضامین پائے جاتے ہیں' اس میں یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ فی نفسہ وہ حق ہوتی ہے اوپر کی حدیث سے اس توجیہ کا صحیح و معتبر ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

کبھی وہ روایت بالمعنی ہوتی ہے جیسے کنت کنزاً مخفیاً کا مضمون روایت بالمعنی حدیث ان اللہ جمیل کی ہو سکتی ہے'

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کتاب میں دیکھ کر یا کسی راوی سے جو بظاہر صالح تھا سن کر حسن ظن کی بناء پر اس کو صحیح سمجھ لیا اور نقل کر دیا' تنقید احادیث ان حضرات کا فن نہیں اس لئے یہ غلطی معفو عنہ ہے۔

(التکشف ص ۷ ۷ ۴)

پہلے مسئلہ کا عنوان قائم فرمایا ہے "دلیل بعض احادیث غیر منقولہ درکتب احادیث" اس کے بعد متن حدیث پھر اس کا اردو ترجمہ بیان فرما کر- ف کے تحت اس کی تشریح فرمائی گئی ہے-

اس تشریح سے کئی امور واضح ہوئے ایک یہ کہ

حدیث کی ایک قسم منامی بھی ہے جس کو منامات میں حاصل کیا گیا ہے' اور وہ صرف صوفیاء کی اختراع نہیں ہے بلکہ محدثین نے بھی اس کو روایت کیا اور معتبر قرار دیا ہے' امام صغانیؒ جیسے محدثین نے ایسی حدیث کو روایت کیا ہے اور شاہ ولی اللہؒ جیسے اکابر نے اپنی منامی احادیث کو الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین' کے نام سے مستقل رسالہ میں جمع فرمایا' اس حدیث زیر عنوان سے بھی اس کا ثبوت ہو رہا ہے- پھر ان احادیث منامیہ کے اعتبار کا یہ معیار ذکر فرما کر کہ "ان کا مضمون قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو" احادیث منامیہ کا درجہ اور دوسری احادیث سے فرق واضح کر دیا اس طرح عدل واعتدال کی راہ کی طرف رہنمائی فرما کر غلو وافراط سے حفاظت کا سامان امت کے ہاتھ میں دے دیا'

پھر اکابر صوفیائے کرامؒ کے ساتھ حسن ظن قائم رکھنے کے لئے' ایک یہ توجیہ فرمائی کہ کس کتاب کو معتبر سمجھ کر یا راوی کے ظاہر حال کے موافق اس کو صالح سمجھ کر اس کی روایت نقل کر دی اور تنقید نہ فرمائی کیونکہ لکل فن رجال یہ تنقید کا فن ان حضرات کا نہیں تھا اور ظاہر حال کا اعتبار کرنا جائز تھا' مگر اس میں بھی عدل واعتدال کی راہ اختیار کی گئی کہ نہ تو اس روایت کی وجہ سے صوفیائے کرام کو مطعون کیا گیا بلکہ اس غلطی کو عفو قرار دیا گیا' اور نہ ہی ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے اس روایت کو معتبر قرار دے کر اس کو قبول کیا گیا' بلکہ اس روایت کرنے کو غلطی قرار دیا اور راوی کے ساتھ بھی بدستور حسن ظن باقی رکھا گیا" نیز ایک قسم روایت کی روایت بالمعنی بھی ہے اس کے اثبات کے لئے حضرت حکیم الامتؒ نے حدیث مسلم ان اللہ تعالیٰ جمیل رواہ مسلم' اللہ تعالیٰ جمیل ہے اس کو مسلم نے روایت کیا ہے (مشکوٰۃ ص ۲۲۵) کے زیر عنوان ف کے تحت عجیب حکیمانہ انداز سے اس طرح استدلال فرمایا ہے فرماتے ہیں-

چونکہ جمال عادۃ مقتضی ہوتا ہے ظہور کو یعنی ظہور اس کے مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ حکیم ہیں کہ مناسب کی رعایت فرماتے ہیں اس لئے حکمت مقتضی ہوئی کہ ذات وصفات کا ظہور فرمائیں اور ذات وصفات کا ظہور ہوتا ہے افعال سے جو متعلق ہیں۔ خلق کے پس مقتضی ظہور ہونا مقتضی تخلیق ہوتا ہے- اور اسی ظہور سے معرفت ہوتی ہے' پس اقتضاء ظہور اقتضاء معروفیت ہی ہے اسے اقتضاء حب سے تعبیر کیا جاسکتا ہے' اور اس ظہور سے پہلے خفا ظاہر ہے پس حکم بالجمال سے کہ حدیث میں ہے بواسطہ مقدمات کے قول مشہور مذکور صوفیہ کا ثابت ہوتا ہے خوب سمجھ لو' (التکشف ۷ ۴)

۱۸- الادراک والتواصل ای حقیقۃ الاشراک والتوسل

اس رسالہ میں ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں دو معرکۃ الآراء مسئلوں کی عجیب و غریب تحقیق فرمائی گئی ہے' مسئلہ توسل کی شرک سے ممتاز اور جدا حیثیت کو بیان کیا گیا پھر شرک اصغر اور شرک اکبر کے درمیان معیار فرق کو واضح کر کے افراط و تفریط کی اصلاح کی گئی ہے' اس رسالہ سے اہل علم کو استفادہ کرنے کی ضرورت ہے' شرک اصغر اور شرک اکبر کے درمیان فرق نہ کرنے کی وجہ سے مسئلہ توحید کی حقیقت سمجھنے میں اختلافات پیش آ رہے ہیں اور بسا اوقات شرک اصغر پر بھی شرک اکبر کا ہی حکم لگایا جاتا ہے- وبالعکس

۱۹- التصرف فی تحقیق التصرف

توجہ باطنی کے ذریعہ دوسرے شخص پر کوئی اثر ڈالنے کو اصطلاح صوفیہ میں تصرف کہتے ہیں' اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو قرآن و حدیث کی تصریحات و ارشادات سے اس رسالہ میں واضح فرمایا گیا ہے یہ عربی رسالہ اور اس کا اردو ترجمہ بوادر النوادر میں شائع ہوا ہے-

۲۰- حفظ اربعین

اس میں چالیس حدیثیں صحیح مسلم شریف کی جمع کی گئی ہیں جن کو

معمر ہمام بن منبہ سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں-

ان سب حدیثوں کی سند ایک ہی ہے' یہ چہل حدیث کا مجموعہ شائقین حفظ حدیث کے لئے مع اردو ترجمہ اور ضروری فوائد کے زمانہ تدریس جامع العلوم کانپور میں ۱۳۱۵ھ میں حکیم الامت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ان فوائد سے حضرت حکیم الامت کے علمی اور روحانی مقام کا پتہ چلتا ہے ساتھ ہی آپ کے محدثانہ علمی تحقیقی مقام کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ابتداء سے ہی حکیم الامتؒ کو احادیث کے بارے میں کس قدر عمیق علوم عطا فرمائے گئے تھے-

۲۱- درجہ اردو

حضرت حکیم الامتؒ نے آیات قرآنیہ کے علاوہ احادیث نبویہ سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے اس لئے ہر شخص پر حسب استطاعت اس کی حفاظت واجب ہے اور قدرت کے باوجود اس میں سستی کرنا معصیت ہے یہ رسالہ امداد الفتاویٰ کا جزو ہو کر شائع ہو رہا ہے- اس سے حکیم الامتؒ کی علم حدیث میں وسعت اور دوقت نظر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس موضوع کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ خاص تمدنی موضوع ہے اس کے بارے میں بھی حضرت حکیم الامتؒ آیات اور احادیث کو تلاش اور جمع کر لیتے ہیں-

۲۲-رسالہ اخبار بینی و رسالہ افکار دینی ضمیمہ اخبار بینی

اگرچہ اس رسالہ کا مقصد نفس اخبار کی مشروعیت کو ثابت کر کے اس کے آداب کو بتلانا ہے مگر جابجا اس سلسلہ میں احادیث سے بھی استدلال فرمایا گیا ہے' اس سے بھی حکیم الامتؒ کی شان محدثیت واضح ہوتی ہے کہ ذخیرہ حدیث پر کتنی وسیع اور عمیق نظر ہے' اور زندگی کے ہر گوشہ پر احادیث نبویہ سے استدلال کرنا آپ کی شان تفقہ اور معانی حدیث کی غواصی پر واضح دلیل ہے' اس کی نظیر ملنا تو بہت ہی مشکل ہے۔

۲۳-"رسالہ جزل الکلام فی عزل الامام"

امام کو معزول کرنے کے بارہ میں بعض احادیث میں تعارض کا شبہ ہوتا ہے کہ کسی حدیث میں مخالفت امام کی اجازت کفر صریح پر دی گئی ہے اور کسی حدیث میں مطلق معصیت ترک صلوٰۃ وغیرہ کا بھی اسی حکم میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے' اس رسالہ میں حکیم الامتؒ نے ان احادیث میں احسن طریقہ پر تطبیق اور اس کے ضمن میں اصل مسئلہ کی کافی تحقیق فرمائی ہے اور بڑے ہی محدثانہ اور فقیہانہ انداز میں ان پر بحث کر کے ان کی تشریح فرمادی ہے اس کے بعد مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے فقہاء کے جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں بھی بطور استدلال کے بہت سی احادیث مذکور ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء نے ان احادیث کے کیا معنی سمجھے ہیں آخر میں مزید افادہ کے لئے تمام امور نخل امامت اور ان کے احکام اور اقسام کو بیان کر کے اور تمام شبہات کا جواب دے کر مکمل کر دیا خصوصیت سے مدرسین حدیث کے استفادہ کے قابل مجموعہ احادیث ہے اس مبحث میں یہ رسالہ بے نظیر جامعیت کا حاصل اور بڑا ہی مفید ہے۔

۲۴-"تعدیل حقوق والدین"

اس رسالہ میں والدین کے حقوق واجبہ اور غیر واجبہ کی تعیین پھر والدین کے حقوق اور زوجہ یا اولاد کے حقوق میں تعارض و تزاحم کے وقت ان حقوق کی تعدیل کا بیان قرآن و حدیث کی روشنی میں فرمایا گیا اور اس سلسلہ کی احادیث کی تشریح کی گئی ہے اور ان کے مطالب کو واضح فرمایا گیا ہے۔

۲۵-"احکام الائتلاف"

اس رسالہ میں اگرچہ اس غلطی کی اصلاح مقصود ہے جو عام طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ ہر حال میں اتفاق اچھا سمجھا جاتا ہے اور اختلاف کو برا' اس میں بتلایا گیا ہے کہ اتفاق محمود صرف وہ ہے جو حق پر ہو' ناحق پر اتفاق کرنا غلطی ہے۔

مگر اس رسالہ میں جابجا احادیث سے استدلال کیا گیا ہے اور تقریباً ۳۵ حدیثوں کی تشریح اور ان کے مفہوم و معنی اور مطالب کا بیان اس میں آگیا ہے جو اہل علم خصوصاً حدیث پر کام کرنے والوں کے لئے نہایت درجہ

مفید و معین ہے۔

۲۶- ضم شارد الابل فی ذم شارد ابل

جب شاردا ایکٹ حکومت برطانیہ کے زمانہ میں نافذ ہوا تو حضرت حکیم الامتؒ نے مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی کے لئے اس رسالہ میں قرآن و حدیث سے ثابت فرمایا کہ نکاح کرنا' دنیا کا کام نہیں دین کا کام اور عبادت ہے' حکومت کی اس میں قانونی مداخلت کرنی' مداخلت فی الدین ہے' اس لئے نابالغ کے نکاح میں قانونی پابندی لگانا ناروا اور نادرست ہے' اس سلسلہ میں احادیث کی تشریحات قابل ملاحظہ ہوں۔

احادیث میں بعض اعمال کی فضلیت میں وارد ہے کہ مثل اعتاق اولاد بنی اسمٰعیل علیہ السلام کے ہے' اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے جب کہ بنی اسمٰعیل کا استرقاق جائز نہیں اور اعتاق فرع استرقاق کی ہے۔

جواب یہ ہے کہ حریت ورق میں ولد باپ کا تابع نہیں ہوتا ماں کا تابع ہوتا ہے' تو اگر کسی قریشی نے جاریہ سے نکاح کرلیا تو اس کی اولاد ولد اسمٰعیل علیہ السلام بھی ہے اور رقیق بھی اشکال کا منشاء یہ تھا کہ اولاد اسمٰعیل کا استرقاق جائز نہیں۔ (بوادر ص ۱۰۸)

اشکال کا حل اس صورت مرقومہ بالا سے یہ ہوا کہ رقیت میں اولاد ماں کے تابع ہوتی ہے اور وہ رقیقہ ہے تو اس کی اولاد بھی رقیق ہوگی خواہ

قریشی سے ہی ہو' اس صورت سے رقیت اور اولاد اسمٰعیل کا اجتماع ممکن ہوگیا۔ البتہ اگر قریشی حرہ سے نکاح کرے تو پھر اس کی اولاد بھی حر ہوگی اور اس کا استرقاق جائز نہ ہوگا۔

۲۷- "خطبات الاحکام لجمعات العام"

یہ عربی زبان میں جمعہ و عیدین کے علاوہ نکاح اور استقاء کے پچاس خطبوں کا مجموعہ ہے اس میں سال بھر کے ہر جمعہ کے لئے الگ خطبہ ہے' خطبہ چونکہ عربی زبان میں ہوتا ہے اس لئے نہایت سلیس عربی میں مرتب فرمایا ہے' ان میں ترغیب و ترہیب کے مضامین کے ساتھ عقائد و اعمال اور اخلاق باطنی کے بارہ میں بھی احادیث بیان کی گئی ہیں۔

ان کا ترجمہ اردو زبان میں خطبوں کے آخر میں لگادیا گیا ہے تاکہ اردو دان حضرات بھی ان کے مضامین سے استفادہ کرسکیں' اور حسب ضرورت گاہ بگاہ امام صاحبان نماز جمعہ کے بعد یا اذان خطبہ سے پہلے لوگوں کو سنادیا کریں۔

یہ اردو ترجمہ میرے والد محترم حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ نے بزمانہ قیام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون زیر سایہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کیا تھا۔

۲۸- "الخطب الماثورہ من الآثار المشہور"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضوان اللہ

علیہم اجمعین کے خطبات احادیث صحیحہ سے انتخاب فرما کر ایک جگہ جمع
فرمادیئے ہیں' امید ہے کہ عاشقان سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی
قدر کریں گے۔

۲۹۔ زادالسعید فی الصلوٰۃ والسلام علی النبی الوحید صلی اللہ علیہ وسلم

اس میں درود شریف کے فضائل کی احادیث کو جمع فرمایا گیا ہے
کتاب ایک مقدمہ دس فصلوں اور خاتمہ وغیرہ پر مشتمل ہے اس میں صلوٰۃ
وسلام کے صیغے بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

۳۰۔ "الاستبصار فی فضل الاستغفار"

اس میں استغفار کے فضائل کی احادیث کو جمع فرمایا گیا ہے'

۳۱۔ حقوق الاسلام ۳۲۔ حقوق العلم

۳۳۔ حقوق البہائم

پہلے رسالہ میں مسلمانوں کے باہمی حقوق اور دوسرے میں علماء
کے حقوق کی احادیث کو بیان فرمایا گیا ہے اور ادائیگی حقوق میں جو حق تلفی
ہو رہی ہے ان کی اصلاح کی گئی ہے تیسرے رسالہ میں جانوروں کے حقوق کا
بیان احادیث سے کیا ہے جن کے ادا نہ کرنے سے لوگ کس قدر گنہگار
ہوتے ہیں اس کی ہر جانور پالنے والے کو ضرورت ہے۔

۳۴۔ "حقوق المعلّم والمتعلم"

اس میں ۳۵ حدیثوں کی تشریح و توضیح فرمائی گئی ہے اور بہت ہی
عجیب انداز سے معلّم و متعلم کے حقوق کا نصوص سے استنباط کیا گیا ہے مولانا
علامہ محمد شریف کشمیری زاد مجدہ' محدث خیر المدارس ملتان اسکے بارہ میں لکھتے
ہیں' حضرت قدس سرہ' کی شان تجدیدی واجتہادی حدیثیہ اس عجالہ نافعہ سے
بالکل عیاں وواضح ہو جاتی ہے' اور آداب کا استنباط ایسی ایسی نصوص سے کیا گیا
ہے جس کی طرف وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ (حقوق المعلم والمتعلم ص ۸)

۳۵۔ "استحباب الدعوات عقیب الصلوٰۃ"

اس رسالہ میں نماز کے بعد دعاء کا ثبوت احادیث معتبرہ سے دیا گیا
ہے یہ رسالہ امداد الفتاوی ج ا کا جز ہو کر شائع ہو رہا ہے۔

۳۶۔ "اوراد رحمانی"

اس میں سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر' کے فضائل و خواص بیان
فرمائے ہیں اور اس سلسلہ کی احادیث کو بیان فرمایا گیا ہے۔

۳۷۔ "مناجات مقبول"

یہ ان عربی دعاؤں کا مجموعہ ہے جو قرآن و حدیث میں آئی ہیں خدا

تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی بتلائی ہوئی دعاؤں سے بڑھ کر موثر اور بابرکت دعا کون سی ہو سکتی ہے آسانی کے لئے اس کی سات منزلیں کر دی ہیں ہر روز کے لئے ایک منزل متعین ہے' ان کا اردو ترجمہ بھی ساتھ کرا دیا گیا ہے۔

۳۸- "تتمہ قربات عنداللہ"

اس میں روزمرہ صبح شام' نماز' روزہ' غسل' وضو ہر حاجت کی دعائیں درج ہیں اور مناجات مقبول کے آخر میں ملحق ہیں'

۳۹- "شوق وطن"

انسان کے اصلی وطن یعنی عالم آخرت کی یاد تازہ کرنے اور شوق دلانے کے لئے یہ بے نظیر کتاب ہے' موت سے گھبرانے والوں اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے والوں کے لئے یہ کتاب بہت ہی مفید ہے۔ اس سلسلہ کی احادیث کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے۔

۴۰- "کسوۃ النساء"

حکیم الامت تھانویؒ کی تالیفات میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول عام کتاب بہشتی زیور' دراصل مجموعی طور پر اصلاح امت کا سنگ بنیاد اور حضرت مجدد تھانویؒ کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کا بنیادی پتھر ہے' اگر مسلمان گھرانوں میں اس کے پڑھنے سننے کا اہتمام ہو جائے تو مسلمانوں کی

دین و دنیا کی ترقی کا قدم کہاں سے کہاں پہنچ جائے اس کا اندازہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

بہشتی زیور میں ایک رسالہ بنام کسوۃ النساء شائع فرمایا گیا' اس میں ایسی حدیثوں کا خلاصہ اور درجہ کیا گیا جس میں اللہ و رسول نے خاص کر نیک عورتوں کی خصلت اور تعریف اور درجے بیان فرمائے ہیں اس میں ایسی حدیثوں اور آیتوں کا بیان بھی ہے جس پر عمل کرنے سے میاں بی بی کے تعلقات خوشگوار رہ سکیں جو آج کل خصوصاً موجودہ تہذیب میں عنقاء ہیں۔

"بہشتی جوہر" ترغیب و تربیت کی آیات و احادیث پر مشتمل بہشتی زیور کے آٹھویں حصہ کا ضمیمہ ہے۔

۴۱ "التحریص علی صالح التعریض"

یہ رسالہ عربی میں ہے اور دوسرے کالم میں اردو ترجمہ بھی اس کے ساتھ شائع ہو کر بوادر النوادر میں شامل ہے۔

یہ رسالہ اس حدیث کی شرح میں ہے۔ جس میں آیا ہے جو شخص اپنی دی ہوئی چیز کو واپس کرے اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اول کھاتا ہے' یہاں تک کہ جب پیٹ بھر جاتا ہے قے کر دیتا ہے' پھر اس قے کو چاٹتا ہے' اس کی فقہی انداز میں تشریح کرنے کے بعد صوفیائے محققین کے ایک خاص طرز اصلاح کو ثابت فرمایا گیا ہے' جس کو وہ اپنے متعلقین کی اصلاح میں

استعمال فرماتے ہیں' وہ مسئلہ یہ ہے کہ یہ حضرات بعض اوقات اپنے متعلقین
کے خطاب میں ایسی عبارت کے ساتھ خطاب فرماتے ہیں کہ وہ موضوع تو
ایک معنی کے لئے ہوتی ہے لیکن اس سے دوسرے معنی کا ابہام ہوتا ہے جو
اس عبارت کا مدلول نہیں ہوتا اور مقصود ان کا مخاطب کی مصلحت کے لئے
اس کے ذہن کو اس دوسرے معنی کی طرف منتقل کرنا ہوتا ہے' اور اس
حدیث کی دلالت اس مسئلہ پر حنفیہ کے مسلک کی رو سے تو ظاہر ہے کیونکہ
حضور اقدس کا یہ ارشاد ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے' جو اپنی قے میں
عود کرتا ہے' مخاطب میں حرمت کے خیال کو پیدا کرتا ہے' اور حضورؐ کی
مراد صرف تنفیر ہے' سو آپ اگر عدم تحریم کی تصریح فرمادیتے تو ترک
عود فی الھبہ دشوار ہوتا' نفس میں بار بار یہی تقاضا ہوتا کہ حرام تو ہے نہیں پھر
نفع کو کیوں چھوڑیں- اور جب عدم تحریم کی تصریح نہیں فرمائی تو اب ترک
عود سہل ہو گیا- اس ضمن میں مسلم شریف کی حدیث ولی مقتول اگر قاتل کو
قتل کرے گا تو اسی کی مثل ہو جائے گا اور دوسری حدیث قاتل و مقتول
دونوں دوزخ میں ہیں' نیز عبداللہ بن ابی کے جنازہ کے بارے میں حدیث کی
نہایت ہی عجیب و غریب شرح فرمائی ہے جو ملاحظہ اہل علم کے قابل ہے-

۴۲- "الارشاد الی مسئلۃ الاستعداد" (عربی)

اس رسالہ میں حدیث ان اللہ تعالے خلق خلقه في ظلمة

فالقى عليهم من نوره فمن اصابه من ذلك النوريو مئذ
اهتدى و من اخطائه ضل' اللہ تعالے نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا
کیا پھر ان پر اپنا نور القاء کیا پس جس کو اس روز وہ نور پہنچ گیا اس نے ہدایت
پائی اور جس کو نہیں پہنچا وہ گمراہ ہوا' اور دوسری احادیث جو مسئلہ تقدیر سے
متعلق ہیں ان کی تحقیق اور ان کا مطالب بیان فرمایا گیا ہے-

حدیث کا یہ عجیب و غریب مطلب بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالی
نے اپنی مکلف مخلوق کو اس استعداد سے خالی پیدا کیا پھر جس پر منظور ہوا اس
استعداد کو بناء بر رحمت کے فائض فرمایا اور جس پر منظور نہ ہوا بنا بر حکمت
کے فائض نہیں فرمایا' اس طرح یہ حدیث استعداد کے مخلوق ہونے اور اللہ
تعالے کے اپنے اعطا اور عدم اعطا میں مختار ہونے پر دلالت کرنے والی
ہو گی- اور جن لوگوں نے استعداد کے غیر مخلوق ہونے اور استعداد کے
مقتضاء کے خلاف کرنے سے حق تعالی کے غیر مختار ہونے کا حکم لگادیا ان کی
اس لغزش و غلطی کی اچھی طرح تردید کی ہے جو قابل توجہ ہے-

۴۳- "الحصحصه فی حکم الوسوسه" (عربی)

اس رسالہ میں حدیث ان اللہ تعالیٰ تجاوز لامتی عما
حدث به التعمها مالم تتكلم به اولعمل به' کی تشریح فرمائی گئی
ہے' پہلے علامہ حفنیؒ سے خیال کے پانچ مراتب ہاجس' خاطر' حدیث' نفس'

هم، عزم کو نقل فرمایا اور ان سب کی تعریف و حقیقت پر روشنی ڈالی اور ہر ایک کا حکم بیان کیا' جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث نفس پر عدم مواخذہ کو اس اوپر کی حدیث صحیح میں بیان فرمایا گیا ہے تو اس سے پہلے کے مراتب ہاجس اور خاطر'' میں عدم مؤاخذہ بدرجہ اولی ہوگا- پھر اس اشکال کو رفع کیا ہے کہ کلیات شرعیہ اور قواعد عقلیہ کا مقتضاء یہ ہے کہ اختیاری پر مؤاخذہ ہو غیر اختیاری پر نہ ہو' اب اشکال ہے کہ اس امت مرحومہ کی یہ خصوصیت کہ وساوس پر مواخذہ نہیں ہوتا' اور دوسری امت پر ہوتا تھا' تو یا تو امم سابقہ کا امور غیر اختیاریہ کے ساتھ مکلّف ہونا لازم آتا ہے اور یہ کلیات شرعیہ جیسے لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا کے منافی ہے اور عدم مؤاخذہ اگر اختیاری کے اعتبار سے ہے تو خود اختیاری اور دوسری اختیاری میں کیا فرق ہے کہ عزم پر تو مواخذہ ہوتا ہے اور حدیث النفس' پر مواخذہ نہیں ہوتا باوجودیکہ اختیاری ہونے میں دونوں شریک ہیں' اس اشکال کا حل یہ ہے کہ خصوصیت مرتبہ اختیاری کے اعتبار سے ہی ہے اور فرق درمیان خاطر و حدیث النفس اور عزم کے یہ ہے کہ خاطر و حدیث النفس کا رفع اگرچہ اختیاری ہے مگر اس کے لئے قصد کی ضرورت ہے اور اس قصد سے اکثر ذہول ہوجاتا ہے' پس ہاجس' اکثر خاطر و حدیث النفس کی طرف منجر ہوجاتا ہے' پس اس خاطر اور حدیث النفس پر مؤاخذہ ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہیں' کیونکہ یہ بایں معنی اختیاری ہے کہ اس کا دفع اختیاری تھا جب دفع نہ کیا

تو بقاء اختیاری ہوا' اور اس بناء پر کسی امت کا اس کا مکلّف ہونا' کلیات شرعیہ کے خلاف نہ تھا' لیکن رحمت الٰہیہ نے اس امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس درجہ کو معاف کردیا' باقی رہا عزم تو ہاجس اس کی طرف اس طرح سے مفضی نہیں ہوتا بلکہ وہ قصد مستقل سے پیدا ہوتا ہے تو مدار عفو وہ افضا ہوا جو ذہول کے سبب ہو اور مدار مؤاخذہ عزم مستقل ہوا'

۴۴-''فروع الایمان''

یہ رسالہ ایک مقدمہ تین بابوں اور ضمیمہ مفید پر مشتمل ہے' اس میں ان ایمانی خصائل وعادات کا بیان ہے جو ایک مومن کامل میں ہونی چاہئے گویا یہ کتاب ایمان کامل کی کسوٹی اور معیار ہے' اور شرح ہے اس حدیث کیو المعلم جس میں ایمان کے بہتر ۷۲ شعبوں کا ذکر فرمایا گیا ہے' اس میں ایک سو سے زائد احادیث کا ذکر کیا گیا ہے' دراصل حکیم الامتؒ نے اس رسالہ میں آیت قرآنیہ ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھافی السماء کی شرح اور حدیث شعب الایمان کی تشریح و تفصیل فرمائی ہے جس کے الفاظ الایمان بضع و سبعون شعبة ہیں قرآن کریم کی آیت مرقومہ سے اجمالی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے کچھ اصول ہیں اور کچھ فروع ہیں' اور حدیث مذکور میں شعب ایمان کی تعداد ستر ۷۰ سے اوپر بتلائی گئی اور اس کے تین شعبوں اعلیٰ' اوسط' اونی کا ذکر

بھی فرمایا گیا' مگر سب کی تفصیل اس میں نہیں فرمائی گئی ان تمام شعبوں کی تفصیل دوسری آیتوں اور حدیثوں کی روشنی میں عام فہم اردو زبان میں اس رسالہ میں کر دی گئی۔

پہلے بھی علماء محدثین نے ان تمام شعبوں کو جمع فرمایا ہے' اس صدی کے محدث اعظم نے بھی اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح کے لئے اس رسالہ میں ان کو جمع کر دیا تاکہ غور کیا جاسکے کہ جس ایمان کا ہم کو دعویٰ ہے اس کے تو اس قدر شعبے اور شاخیں ہیں مگر ہم میں کتنے شعبے پائے جاتے ہیں پھر جتنے شعبے موجود ہیں ان پر خدا تعالیٰ کا شکر کریں اور جتنی کمی ہو اس کو پورا کرنے کی کوشش کریں' تاکہ ایمان کی تکمیل ہو کر کمال ایمان کی دولت نصیب ہو' یوں تو اصول ایمان کے مان لینے سے ادنیٰ درجہ کا ایمان میسر آ ہی جاتا ہے' ان شعبوں میں سے تیس شعبے تو دل سے تعلق رکھتے ہیں اور سات زبان کے ساتھ اور چالیس باقی جوارح سے متعلق ہیں' ہر باب میں ایک ایک قسم کو بیان کیا گیا ہے اور ہر باب میں فصلیں ہیں ان میں ان شعبوں کے فضائل اور بعض متعلقات کا بیان ہے' اس ضمن میں بکثرت احادیث مذکور ہیں۔

۴۵۔ ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ''

اس کتاب مستطاب میں جناب رسالتمآب سید الکونین ﷺ کے حالات طیبات' ابتداء صورت نوریہ روحیہ سے لے کر صورت جسمیہ بلکہ

داخلہ جنت تک کے نہایت تحقیق و تدقیق سے اردو زبان میں بامحاورہ اور سلیس عبارت میں تحریر فرمائے ہیں' آپ کی عبادات واخلاق اور محاسن و کمالات وغیرہ سیرت نبوی ﷺ کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا خلاصہ اس کتاب میں جمع فرما دیا ہے اور جن کتابوں سے احادیث کو جمع کیا گیا ہے ان کا حوالہ دیا گیا ہے نیز بتایا گیا ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک کس درجہ کی ہے' ایسا نہیں ہے کہ بغیر حوالہ دیئے یا حدیث کا درجہ بتلائے احادیث کو نقل کر دیا گیا ہو۔

۴۶۔ ''حیات المسلمین''

اردو زبان میں تشریح احادیث کا یہ مجموعہ اپنی مثال آپ ہے احادیث کے معانی اور مطالب کی تفہیم' توضیح و تشریح اور ازالہ شبہات و اشکالات میں بے نظیر ہے' علم حدیث کے طلباء کے لئے جمع اور تطبیق احادیث کے سلسلہ میں بہت ہی مفید اور کار آمد ہے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کتاب میں احادیث سے ایسے مضامین جمع کر دیئے ہیں جن پر مسلمانوں کی ایمانی حیات کا دارومدار ہے اور وہ ایمانی زندگی کے لئے بمنزلہ روح کے ہیں ہر شہر بلکہ ہر گھر میں روزانہ اس کو پڑھا اور سنا جانا چاہیئے۔
اور اس کے مطابق اپنی اسلامی زندگی کو ڈھالنا چاہیئے' افسوس کہ اس نسخہ حیات ایمانی کی قدر نہیں کی گئی' اب کتاب ''اصلاحی نصاب'' کا اس کو جزء

بنا کر شائع کیا گیا ہے' اور مساجد میں پڑھنے کا اہتمام مجلس صیانتہ المسلمین کی طرف سے ہو رہا ہے' والحمدللہ علی ذلک'

اس کے دیباچہ میں نوے سے زائد آیات قرآنیہ کو مع ترجمہ اردو بیان فرمایا گیا ہے اس میں کل ۲۵ باب ہیں' ہر باب کو روح' کے لفظ سے شروع کیا گیا ہے۔

اسلام وایمان' تعلیم دین روزہ' نماز' زکوٰۃ' حج' قربانی' رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے محبت' سیرت نبویؐ مسلمانوں کے حقوق نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا وغیرہ غرضیکہ اسلامی زندگی کے تمام شعبوں کے بارہ میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر مشتمل احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے' ہر حدیث کے آخر میں اس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے' تاکہ اصل کتاب سے مراجعت کی جا سکے اور بعض احادیث کا حوالہ فٹ نوٹ میں دیا گیا ہے' نوے سے زائد آیتوں کے علاوہ غیر مکررہ اور مرفوع تین سو چالیس ۳۴۰ حدیثوں کی تشریح و تبلیغ اس کتاب کے ذریعہ ہو رہی ہے۔

۴۷۔ "تصحیح العلم فی تقبیح الفلم"

اس رسالہ میں تصاویر اور فلم سازی کی مذمت میں احادیث سے بھی استدلال فرمایا گیا ہے۔

۴۸۔ "زیادات علی کتب الروایات"

اس رسالہ کے آخر میں بطور تتمہ کے احادیث بالا ولیت بھی درج ہیں

۴۹۔ "عبور البراری فی سرور الزواری"

اس رسالہ میں ایک اہل علم کے اس سوال کا تحقیقی جواب ہے کہ اطفال مشرکین جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ اس میں کم سے کم نو احادیث کی تشریح بیان فرمائی گئی ہے۔

حکیم الامت تھانویؒ کی بعض حدیثی تحقیقات خاصہ

اوپر کے رسائل و کتب سے حضرت حکیم الامتؒ کی حدیثی تحقیقات خاصہ اور خدمت حدیث کا کافی حد تک تعارف ہو چکا ہے' اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی مختلف کتابوں سے حدیث کے متعلق مزید بعض چیدہ چیدہ تحقیقات خاصہ کا ذکر بھی کر دیا جائے۔

"رفع تعارض در حدیث اعتاق و مذہب حنفی"

حدیث ترمذی من اعتق نصیبا له فی عبده فکان له من المال مایبلغ ثمنه فهو عتیق من ماله والا فقد عتق منه ما عتق ' بظاہر مذہب حنفی کے معارض معلوم ہوتی ہے' مگر حضرت تھانویؒ نے جو تحقیق اصول حدیث کی رو سے فرمائی ہے اس سے تعارض رفع ہو کر تطبیق ہو جاتی ہے' حضرت فرماتے ہیں "کہ حدیث مجمل ہے اور امام

صاحب کا مذہب اسی حدیث کی تفصیل' اور ظاہر ہے کہ اجمال و تفصیل میں معارضہ نہیں ہوا کرتا کیونکہ اجمال میں نفی و اثبات مسکوت عنہ ہوتے ہیں تفصیل اس کے ساتھ ناطق ہوتی ہے' اور ناطق و ساکت معارض نہیں ہوتے' تقریر اس کی یہ ہے کہ حدیث سے صورت اعسار معتق میں تجزیہ اعتاق کا ثابت ہوتا ہے اور اس باب میں کل دو ہی مذہب ہیں' تجزیہ مطلقا یا عدم تجزیہ مطلقا' اور یسار و اعسار کا تجزیہ و عدم تجزیہ میں متفاوت ہونا باجماع مرکب باطل ہے' پس جب صورت اعسار میں تجزیہ ثابت ہو گیا تو صورت یسار میں بھی ثابت ہو گیا' اور تجزیہ کے لوازم میں سے ہے احتباس مالیت حصہ غیر معتقہ عبد' اور اس احتباس کے لوازم میں سے ہے' تضمین عبد' اور بقاعدہ الشی اذاثبت ثبت بلوازمہ جب تجزیہ ثابت بالنص ہے تو تضمین عبد بھی بواسطہ ثابت بالنص ہے' اور اطلاق دلیل سے قیاس مقتضی ہے اس اقتصار علی تضمین العبد کے عموم کو' پس حدیث نے فھو عتیق من مالہ سے اس عام کی تخصیص کردی' یعنی صورت یسار معتق میں تضمین معتق بالکسر بھی جائز ہے' جیسا کہ تضمین معتق بالفتح کی بھی جائز ہے' اور صورت اعسار میں وہی حکم ہے تضمین عبد کا جو مقتضاء ہے تجزی اعتاق کا اس لئے استسعی العبد کو تعبیر فرمایا گیا عتق منہ ماعتق سے اور اعتاق کا جواز دونوں صورتوں میں چونکہ اظہر تھا' اس لئے اس سے کہیں تعرض نہیں فرمایا' تحمل ضرر کا برضاء خود ظاہر الجواز ہے فقط (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۷ ۸) بوادر ج ا

ص ۷ ۱۸)

"تقریر تطبیق درمیان حدیث لاعدوی"

جس سے تعدیہ مرض کی نفی ہوتی ہے اور حدیث فر من المجذوم کما تفر من الاسد' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جذامی سے ایسا بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہو' اور بعض حدیثیں بھی اس مضمون کی ہیں' ان سب حدیثوں کے مطالب و معانی اس طرح بیان فرمائے گئے ہیں جس سے ان میں ظاہری تعارض باقی نہ رہے اور اس ضمن میں مرض کے متعدی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق بھی تفصیل سے فرمادی گئی' مسلک اول تعدیہ کا نہ ہونا ہے اور بعض کا دوسرا مسلک تعدیہ کا ہونا ہے۔

حکیم الامتؒ ان دونوں مسلکوں میں اگرچہ مسلک ثانی کو قرب الی التحقیق سمجھتے ہیں مگر دوسری طرف بھی تنگی نہیں ہے۔ اور اس اختلاف کو اختلاف امتی رحمۃ میں داخل سمجھتے ہیں اور ان دونوں مسلکوں میں عارفانہ انداز سے نہایت لطیف تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ جن لوگوں پر تفویض کا غلبہ ہے ان کے مناسب مسلک اول عدم تعدیہ ہے' اور جن پر اسباب کا غلبہ ہے ان کے مناسب مسلک ثانی تعدیہ ہے' یعنی منجملہ اسباب مرض کے ایک سبب تعدیہ بھی ہے جس کا اثر اللہ تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے۔ جیسا کہ دوسرے اسباب کا بھی۔ یہی حال ہے

اثناء نمازِ فجر میں، طلوع شمس عندالحنفیہ مفسد صلوٰۃ ہے

اس بارہ میں ایک تحریر عربی میں ۷ صفحات پر مشتمل حضرت حکیم الامتؒ نے لکھی ہے جو "بوادر النوادر" میں ص ۲۹۴ ص ج ا تا ص ۳۰۱ موجود ہے جس میں اس مسئلہ کی تحقیق احادیث کی روشنی میں کی گئی ہے۔

"قرب فرائض و قرب نوافل"

کی عجیب تحقیق حدیث فاذا اجتبه کنت سمعه الذی یسمع بی الخ کی روشنی میں فرمائی گئی۔

مسند احمد اور منتخب کنز العمال اور بخاری شریف کی پانچ

حدیثوں کے متعلق تحقیق تین حدیثیں مسند احمد کی اور ایک منتخب کنز العمال کی اور ایک بخاری شریف کی حدیث کے بارمیں سوالات وشبہات کے تحقیقی جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ یہ احادیث طاعون کے بارہ میں ہیں، نہایت ہی محدثانہ اور محققانہ جوابات ہیں۔

سجدہ سہو

میں حدیث سے تشہد کا ثبوت نہایت عجیب انداز سے فرمایا گیا ہے جس کو ذیل میں افادہ عام کے لئے نقل کیا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے اذاشک احد کم فی صلوته فلیتحر الصواب

فلیتم علیه ثم یسلم ثم یسجد سجد تین (متفق علیه)

نمبر۲ حتیٰ اذاقضی الصلوة وانتظر الناس تسلیمه کبروهوجالس. سجد سجدتین،

نمبر۳ ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی بهم فسهی فسجد سجد تین ثم تشهد ثم سلم (مشکوٰة)

فلیتم علیه، سے تشہد قبل سجدہ سہو ثابت ہے کیونکہ بدون تشہد کے صلوٰۃ ناقص ہے، اسی طرح حدیث ثانی سے کیونکہ بدون قعدہ کے انتظار سلام کا نہیں ہو سکتا، اور حدیث ثانیہ سے تشہد سجدہ سہو ثابت ہے پس مجموعہ ثابت ہو گیا" (بوادر ص ۱۴۴)

حدیث اول فلیتم سے اتمام صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ سجدہ سہو سے تشہد پڑھنی چاہئے۔ کیونکہ اس میں اتمام موجودہ کا ہی حکم دیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے تمام صلوٰۃ کو حدیث اذاقلت هذا اوفعلت هذا فقد تممت صلوتک میں تشہد پڑھنے پر معلق رکھا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اتمام صلوٰۃ تشہد پر موقوف ہے بغیر تشہد کے نماز تمام نہیں ہوتی، ناقص ہوتی ہے، یہ عجیب تقریر ہے سجدہ سہو سے پہلے تشہد کے ثبوت میں، اسی طرح دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ لوگ اپ کے سلام کا انتظار فرما رہے تھے لیکن آپ نے بدوں تشہد کے وقفہ کے لوگوں کو سلام کا انتظار کیوں ہوتا، اس انتظار سلام سے بھی سلام سہو سے پہلے تشہد کا ثبوت

ہو رہا ہے' اور تیسری حدیث میں دو سجدوں کے بعد تشہد کا ذکر ہے پس
مجموعہ احادیث سے سجدہ سہو کے اندر دو تشہدوں کا ثبوت ہو گیا-

"حرمت سجدہ تحیہ"

سجدہ تحیہ کی حرمت پر جس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے اس پر
خبر واحد ہونے اور پھر واحد سے قرآن کے نسخ نہ ہونے کا اشکال کیا جاتا ہے-

اس اشکال کے جواب میں حکیم الامت تھانویؒ نے محدثانہ انداز
سے اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کر کے بیس صحابیوں تک پہنچا دیا اور اس
کا متواتر ہونا اور اقل درجہ میں اس کا خبر مشہور ہونا ثابت کیا پھر تمام شبہات
کے جوابات ارقام فرما کر حرمت سجدہ تحیہ کو مدلل' اور مؤید بالبراھین کر دیا-
یہ مضمون بوادر النوادر کے علاوہ بیان القرآن کے حاشیہ ص ۲۲ میں بھی ہے-

مسلم شریف کی حدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اذاصلی قائما رکع سجد واذ اصلی قاعد ارکع وسجدو
ھو قاعد سے جو بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا تھا کہ نوافل وغیرہ بیٹھ کر
پڑھتے وقت سجدہ میں سرین زمین سے نہ اٹھائے جائیں- اس حدیث کی
شرح حضرت حکیم الامتؒ نے مسلم شریف ہی کی اس کے بعد کی دوسری
حدیث کی روشنی میں فرما کر استدلال کی غلطی واضح فرما دی اس دوسری
حدیث کے الفاظ یہ ہیں' قلت لعائشہ کیف کان یضع فی

الرکعتین و ھو جالس قالت کان یقرأ فیھما فاذاراداان
یرکع قام فرکع' اس حدیث کی روشنی میں پہلی حدیث کی یہ مراد متعین
ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر ایسا نہیں کرتے تھے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے
کی حالت میں رکوع سجدہ کے قبل کھڑے ہو جاتے ہوں اور پھر قیام سے
رکوع میں اور اس کے بعد سجدہ میں جاتے ہوں جیسا کہ گاہ گاہ ایسا بھی کرتے
تھے جس کا بیان دوسری حدیث میں آیا ہے"

ترمذی شریف کی نو ۹ حدیثوں کی عجیب وغریب تشریح بزبان عربی
بوادر النوادر کے ص ۱۱۶ تا ص ۱۱۹ قابل دید ہے' ان حدیثوں کی تشریح مختلف
حسب ذیل نو عنوانوں کے تحت فرمائی گئی ہے-

(1) درمعنی تقئید تکفیر صغائر بعدم عشیان الکبائر
(2) در توجیھه بودن مسجد نبویؐ مصداق لمسجد اسس
علی التقوی' (3) دراثبات تصرف ازنبی صلی اللہ علیہ وسلم
(4) دراصل اصول ثواب طاعت بدنیه الی الاموات (5)
دراشکال متعلق بتصدیق دعوی قاتل عدم قتل را' (6)
درتحقیق کفارہ بودن حد ود' (7) در تفصیل حکم نذر فی
المعصیة' وفیما لایملک' (8) دربودن لسانے اشداز سیف
درفتنه' (9) درعدم استلزام غلبه درمحاجه بر حقانیت را"

نسائی شریف باب المحافظہ ‘علی الصلوٰت الخمس

اس حدیث کی عربی مین تشریح کر کے اس اشکال کو حل فرمایا گیا ہے جس کا تعلق وجوب وتر کے مسئلہ سے ہے کہ اگر ہم پر وتر واجب ہوتا تو صحابہ کے حق میں فرض ہوتا‘ کیونکہ فرض واجب کے درمیان دلیل کے قطعی اور ظنی ہونے کا ہی فرق ہوتا ہے اور صحابہ کرامؓ کے حق میں ظنّیت منفی ہے‘ اس لئے کہ ان سے براہ راست خطاب ہوتا تھا‘ جب ان سے فرضیت کی نفی ہو گئی تو ہم پر سے وجوب کی نفی ہونی چاہیئے؟

حضرت حکیم الامتؒ نے اس اشکال کا عجیب و غریب الہامی حل یہ فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کے حق میں دلیل کی ظنّیت مطلقاً منفی نہیں ہے۔ کیونکہ ظنّیت کی دو قسمیں ہیں ایک باعتبار ثبوت کے یہ تو صحابہ کرامؓ کے حق میں براہ راست خطاب ہونے کی وجہ سے منتفی ہے لیکن دوسری قسم دلالت کے اعتبار سے مخفی ہونا صحابہ کرامؓ کے حق میں بھی ثابت ہے‘ اس لئے وتر کے صحابہؓ کے حق میں فرض نہ ہونے سے ہمارے حق میں وتر کے وجوب کی نفی لازم نہیں ہے۔

فہم حدیث کے کس درجہ علیا پر حضرت حکیم الامتؒ کا ذہن ثاقب پہنچتا ہے اس کی قدر اس شخص کو ہو سکتی ہے جس کو علم حدیث کی استدلال اور فنی مشکلات کے ساتھ سابقہ پڑتا ہو۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے انها اختلعت علی عهد رسول صلی اللہ علیہ وسلم فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعتدی لحیفته‘ حالانکہ دوسری حدیث جس کو صاحب ہدایہ نے روایت کیا ہے اس میں ہے الخلع تطلیقة بائنة اور بائن کی عدت تین حیض ہیں‘ حیضہ کے ساتھ تطبیق کی کیا صورت ہے؟ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں حیفتہ میں تو ین افراد کی نہیں‘ جس پر ایک حیض کا عدت ہونا لازم آئے‘ پس معنی حدیث کے یہ ہیں کہ یہ امر فرمایا کہ حیض سے عدت پوری کرے نہ اشہر و ضع حمل سے کیونکہ وہ حائضہ تھی‘ اور دوسرا مسلک یہ ہو سکتا ہے کہ ثلاثة قروء مطلقہ کی عدت منصوص قطعی ہے‘ پس تعارض کے وقت خبر واحد پر عمل متروک ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ص ۹۱ ج ۵)

پہلے دونوں حدیثوں کے مفہوم کی تعیین کر کے ان کے ظاہری تعارض کو رفع فرمایا پھر دوسرے مسلک کو تعارض کے وقت منصوص قطعی کی وجہ سے خبر واحد پر عمل و متروک ہونا بیان فرمایا‘ اب جن لوگوں نے خبر واحد کو نص پر مقدم کرنے کا اصول اپنایا ہے اور ہر صورت میں اس کو استعمال کر رہے ہیں‘ یہ کتنی بڑی بے اصولی ہے‘ اول تو خبر واحد اور نص میں اگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے تطبیق دی جا سکے تو پھر ترک عمل کی نوبت ہی نہیں آسکتی‘ اور اگر تطبیق کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو پھر نص کو خبر واحد پر ترجیح دیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ نص قطعی ہو ان ھامور کا لحاظ کئے بغیر یہ اصول

عام زد زبان کرادیتا کہ خبر واحد پر قرآن کے مقابلہ میں عمل جائز نہیں، یہ
بڑی علمی کوتاہی بلکہ بعض صورتوں میں دربار رسالت ؐ میں گستاخی کے
مترادف اور حدیث کی شرعی حیثیت سے متصادم ہے۔

حدیث ذوالیدین کی تحقیق میں حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ یہ "
احتمال ہے کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کلام مثل کلام مع اللہ کے
ہے مفسد نماز نہ ہو، اسی طرح آپ کا کلام فرمانا بھی دوسری خصوصیات کی
طرح آپ کی خصوصیت ہو یعنی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کلام کرنا
اسی طرح آنحضرت ﷺ کا کسی کے ساتھ کلام کرنا مفسد نماز نہ ہو۔

اب اس پر اشکال یہ ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث
میں ہے فقلنا یا رسول اللہ کنا نسلم علیک فی الصلوۃ قال ان
فی الصلوۃ شغلا اس سے کلام مع الرسول کی بھی نماز میں ممانعت ظاہر
ہوتی ہے، اس کے حل میں حضرتؒ نے فرمایا کہ "یہاں کلام مع الرسول فی
الصلوۃ نہیں ہے کیونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کلام کے وقت نماز میں نہیں تھے،
بلکہ کلام رسول مع غیر الرسول تھا، اس لئے اشکال کی یہ تقریر صحیح نہیں، اب
شبہ کی تقریر اس طرح ہونی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام اگر مفسد صلوٰۃ
تھا، تو حدیث ذوالیدین میں کیوں نہ تھا، اور مفسد صلوٰۃ نہ تھا تو حدیث ابن
مسعودؓ کیوں تھا؟

جواب اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ کلام لاصلاح الصلوٰۃ کا غیر مفسد ہونا

خصوصیات میں سے ہو اور حدیث ابن مسعودؓ میں یہ اصلاح صلوٰۃ کے لئے نہ
ہوتا عجیب توجیہ ہے فللہ در حکیم الامت التھانویؒ

رفع شبہ از حدیث اور شرح حدیث میں ہے کہ ملک الموت کی آنکھ
پھوڑدی۔ حدیث میں ہے کہ ملک الموت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
روح قبض کرنے گئے تو انہوں نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مارا جس سے
ان کی آنکھ پھوٹ گئی، اگر وہ اجل مسمی پر آئے تھے تو وہ وقت کیسے ٹل گیا اور
لا یستاخرون الایہ کے خلاف ہوا، اور یہ پیام لانے والے کے اکرام کے خلاف
ہے کہ اس کے تھپڑ ماردیا،

یہ حدیث مسلم شریف باب فضائل موسیٰ علیہ السلام میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی چونکہ پہچانا نہیں تھا
ممکن ہے کہ وہ بشر کی شکل میں آئے ہوں جس کو یہ سمجھا ہو کہ کوئی آدمی جو
جان لینے کی دھمکی دیتا ہے، آپ نے مدافعت کے طور پر تھپڑ مارا جس میں
آنکھ پھورنے کا قصد نہ تھا، اور ملک الموت کو بھی اس کا علم نہ ہوا ہو کہ انہوں
نے مجھے پہچانا نہیں، ورنہ کہہ دیتے کہ میں ملک الموت ہوں یا یہ سمجھا ہو کہ یہ
اس کہنے سے بھی یقین نہ کریں گے، کیونکہ اس وقت تک حق تعالیٰ نے ان
کے ملک الموت ہونے کا علم ضروری پیدا نہ کیا تھا، اس لئے بجائے ان سے
گفتگو کرنے کے حق تعالیٰ سے عرض کیا،

آنکھ کے ماؤف ہونے پر بھی اشکال نہیں ہو سکتا کیونکہ جس شکل

میں تمثیل ہوتا ہے اس کے کل یا بعض خواص اس میں پیدا ہو جاتے ہیں اس وقت ان کی آنکھ میں اتنی ہی قوت تھی جس قدر بشر کی آنکھ میں ہوتی ہے' دوبارہ جو تشریف لائے یا تو ملکی شکل میں آئے ہوں یا بشری شکل میں ہوں' مگر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام میں ان کے فرشتہ ہونے کا علم ضروری پیدا کر دیا ہو-

اور بعض حالت میں انبیاء علیہم السلام کا فرشتوں کا نہ پہچاننا کچھ مستبعد نہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا ملائکہ کو نہ پہچاننا اور کھانا پیش کرنا یا اپنی قوم سے اندیشہ کرنا قرآن مجید میں مذکور ہے

باقی جل مسمی سے تقدیم و تاخیر کچھ لازم نہیں آئی چنانچہ وقت موت کا وہی مقرر تھا جس میں وفات ہوگئی اگر اول بار ہی میں موسیٰ علیہ السلام تیار ہو جاتے تب بھی اتنی دیر لگتی جتنی اب اس مراجعت میں لگی - رہا وعدہ تطویل حیات کا یہ تقدیر قضیہ شرطیہ ہوتا ہے جس کے صدق کے لئے وقوع مقدم اور تالی کا ضروری نہیں' خرف دونوں میں علاقہ ملازمت کا کافی ہے' جیسے حدیث میں ہے لوکان بعدی نبیا لکان عمر' مگر معلوم الٰہی تھا کہ نہ مقدم واقع ہو گا نہ تالی-

ثم مہ میں اس پر تنبیہ فرمائی تھی کہ تطویل عمر کوئی مفید چیز نہیں' البتہ اگر دوام و خلود ہوتا تو سمجھا جاتا کہ مثل ملائکہ کے میرے لئے بھی قرب خاص موت پر موقوف نہیں تو اس کی طلب مفید تھی'

(۲) ملائکہ اگر اپنی صورت اصلیہ میں بھی ہوں تب بھی نصوص سے ان کا مادی ہونا ثابت ہے' گو وہ مادہ لطیف ہو' چنانچہ اسی حالت میں ان کا تحیز ان کی حرکت و سکون سب کچھ قطعیات سے ثابت ہے' پس جو اشکال تجرد کے ساتھ خاص ہے وہ تو مرتفع ہے' باقی جو اشکال لطافت مادہ صورت میں ہے' وہ بھی بظاہر اس وقت واقع ہے' جب ملک الموت اپنی اصلی شکل میں ہوں اور یہ ثابت نہیں بلکہ احتمال ہے کہ بشری شکل میں تھے' اور اوپر مذکور ہوا ہے کہ جس شکل میں تمثل ہوتا ہے اس کے کل یا بعض خواص اس وقت ظاہر ہوتے ہیں اور نظر غائر کے بعد اس تقدیر پر بھی یہ اشکال واقع نہیں' کیونکہ یہ خاصیت کہ تفرق کے بعد فوراً التیام ہو جائے لوازم ذات سے نہیں' محض جعل جاعل سے ہے' اگر بطور خرق عادت کے کسی حکمت سے کہ اس کی تعیین ہمارے ذمہ نہیں' یہ خاصیت متخلف ہو جاوے تو کوئی وجہ امتناع کی نہیں' جیسے بخاری و مسلم میں حدیث خضر میں مرفوعاً فاضطرب الحوت فی المکتل حتی خرج من المکتل فسقط فی البحرقال امسک اللہ عنه جرية الماء حتی کان مثل الطاق' بلکہ خود قرآن مجید میں ہے فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم' میں تفرق ماء کے بعد اس کا عدم التیام ایک وقت محدود تک مذکور ہے اور ملائکہ کے آنکھ 'کان' وغیرہ کی نفی نہ کسی دلیل نقلی سے ثابت نہ دلیل عقلی سے بلکہ ظاہراً جب ان کے لئے سمع و بصر تکلم ثابت ہے تو ان جوارح کا

ثبوت بھی غالب ہے اور اگر غالب بھی نہ ہو تو محتمل تو ضرور ہے' اور مانع کے لئے احتمال کافی ہے' غرض عقلی یا نقلی اشکال کو واقعہ پر کچھ نہ رہا' اب صرف استبعاد کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے' سو اہل ملل و نحل اجمالاً اس سے بھی زیادہ مستبعدات کے قائل ہو جاتے ہیں' تو اس کا قائل ہونا بھی لازم ہے۔

(امداد الفتاویٰ جلد ۵ ص ۱۳۴)

حق تعالیٰ جل شانہ نے فہم حدیث اور مشکل سے مشکل شبہات کے حل کا عقلی اور نقلی طریقہ پر جو ملکہ حکیم الامتؒ کو عطا فرمایا تھا' وہ حضرت کی حکیمانہ بصیرت اور منطقی استدلال کی جامعیت کا کھلا ثبوت ہے۔

اشکال یہ تھا کہ حدیث میں نیند کے بعد اٹھ کر ہاتھ دھونے کا حکم ہے اور اس کا سبب جو بیان کیا گیا ہے وہ بنسبت ہاتھ کے محل استنجاء وثوب میں زیادہ قوت و شدت کے ساتھ متحمل ہے اس لئے غسل غیر ید بہ نسبت ید کے زیادہ مقدم ہونا چاہیے۔

پھر غسل ید ہی کا حکم خصوصیت کے ساتھ کس مصلحت کی بناء پر ہے' علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے کئی توجیہات نقل کی ہیں لیکن ان سے تشفی نہیں ہوئی' اس کے جواب میں حضرت حکیم الامتؒ نے ارقام فرمایا۔

حدیث مفصل یہ ہے ذااستیقظ احدکم من نومه فلا یغمسن یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لایدری این باتت یده (جمع الفوائد)

اس میں لایدری الخ غسل ید کی علت نہیں فرمائی بلکہ لایغمسن یده فی الاناء کی علت ہے' اور غمس ید میں محتمل تھا نہ کہ محل استنجاء وغیرہ میں' پس سوال ساقط ہو گیا'

واقعی بناء سوال ہی منہدم ہو گئی اور سوال بالکل منہدم ہو گیا'' سبحان اللہ کتنے محفوظ طریقہ سے اشکال کا حل فرمادیا گیا' اور اصل جڑ کا قلع قمع کر دیا گیا' سائل نے لایدری کو غسل کی علت سمجھ کر اس کو غیر ید میں بھی جاری کرنا چاہا اور ید کے حکم غسل میں غیر ید کے شامل نہ ہونے سے اشکال کیا' حضرت حکیم الامتؒ نے سائل کے منشاء غلطی پر تنبیہ فرما کر اشکال کو حل فرمادیا کہ لایدری علت غسل کی نہیں ہے یہ تو لا یغمسن کی علت ہے اور اصول حدیث 'الحدیث یفسر بعضه بعضاً کی رو سے دوسری مفصل حدیث کی روشنی میں اس کی شرح فرمادی' فہم حدیث کے ساتھ اصول حدیث اور متعلقہ احادیث میں تطبیق کی جو رعایت حضرتؒ کے پیش نظر رہتی ہے' یہی حضرتؒ کی محدثانہ اور فقیہانہ جامعیت ہے جو کم کسی شخصیت میں پائی جاتی ہے کہ جس اشکال کا حل علامہ ابن حجرؒ جیسے جبل علم کی کئی توجیہات سے ذہن نشین نہ خاص بمقام ہو سکے اس کا حل حکیم الامتؒ کے مختصر سے جملہ سے ذہن نشین ہو جائے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء

"حرم مدینہ کے بارہ میں حدیثوں میں تطبیق"

حدیث انی احرم مابین لابیتھا کما حرم ابراہیم مکۃ حنفیہ کے نزدیک کیوں ہوئی ہے، صحیح مسلم میں حدیث تحریم مدنیہ میں ہے۔لایخبط فیھا شجرہ الاالعلف' اور صحاح میں ہے یا ابا عمیر مافعل النغیر' اور خبط شجرۃ مطلقا و تعرض للصید کی حرمت لوازم تحریم بالمعنی التعارف سے ہے' پس انتفاء لازم ہوگا انتفاء ملزوم کو اس سے معلوم ہوا کہ تحریم لغوی درجہ ندب میں ہے' جیسا ابوداؤد میں موضع وجہ کے باب میں جو ناحیہ طائف میں آیا ہے۔

صیدوج و عضاہ حرم محرم اللہ اور گو حدیث انی عمر میں احتمال تقدم علی احادیث التحریم کا ہے مگر اول حدیث میں یہ احتمال بھی نہیں (امداد الفتاویٰ ج ۵)

فتاویٰ میں حدیث لاتشد الرحال الاالی ثلثہ مساجد مسجدالحرام والمسجد الاقصیٰ و مسجدی ھذا اھ کے ماتحت حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا کہ مقابر کی زیارت کو دور دراز سے جانا اس نہی میں داخل نہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ مسند احمد میں بروایت ابو سعید خدریؓ یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے لاینبغی للمطی ان یشد رحالہ الی مسجد یبغی فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام

والمسجد الاقصیٰ و مسجدی ھذا اھ یہ روایت تفسیر ہو سکتی ہے حدیث مشہور کی' اور اس کے معنی یہ ہیں بہ نیت تضاعف صلوٰۃ اور مسجد کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے' دوسرے اگر تفسیر بھی نہ ہو تو کم از کم اس معنی کو محتمل تو ہے' اور قیود سے تعلق پر کوئی نص نہیں واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اور شرح کی شرح جس میں حجۃ اللہ البالغہ بھی داخل ہے کوئی نص نہیں بلکہ احد الوجوہ لمحتملہ ہے' اگر البتہ سفر الی المقابر میں کوئی مفسدہ ہو تو اس کو اس مفسد کی بناء پر منع کیا جائے گا گو اس حدیث کا مدلول نہ ہو'

رہی طور پر جانے کی ممانعت اس کا محل یہ ہے کہ بہ نیت تقرب کے سفر کرکے سوچونکہ اس میں دعویٰ ہے ایک امر غیر ثابت کا اس لئے غیر مشروع ہے اور وہ اس حدیث نہی میں اس لئے داخل ہے کہ حدیث یہی ہے کہ جس طرح ان مساجد کی طرف سفر کیا جاتا ہے یعنی' بہ نیت تقرب کے اس پر دوسرے شاہد کو قیاس کرنا جائز نہیں للفارق' اور وہ فارق یہ ہے کہ ان مساجد میں نماز پڑھنے میں تو تضاعف ثواب موجود ہے' سو اس تضاعف کی تحصیل اگر بدون سفر ممکن نہ ہو سفر کی بھی اجازت ہوگی' بخلاف دوسرے مشاہد کے کہ وہاں کوئی دلیل ثواب کی نہیں' اس لئے وہاں اس نیت سے سفر کرنا اس غیر ثابت کا اعتقاد ہے فافتر قا (امداد الفتاویٰ جلد ۵)

حدیث ابی داؤد واذ قرأ فانصتوا کی سند میں ایک بحث کا محاکمہ

سنن ابوداؤد کے باب التشہد ج ۱ ص ۱۴۱ میں ہے حدثنا عاصم ابن النضرنا المعتم قال سمعت ابی قتا دہ عن ابی تملاب یحدثہ عن حطان بن عبداللہ الرقاشی ھذا الحدیث زاد فاذ اقرا فانصتوا زید و عمرو کی اس میں یہ بحث ہے کہ قتادہ مدلس ہیں اور عنعنہ مدلس بغیر تصریح سماع مقبول نہیں' زید کہتا ہے کہ یحدثہ کے لفظ سے سماع کی تصریح ہوگئی' گویا قتادہ نے یوں کہا ہے' حدثنی ابوغلاب' عمرو کہتا ہے کہ یہ محض غلط ہے اس لئے کہ قتادہ نے اپنے استاد الخ غلاب سے بلفظ عن روایت کی ہے اور یحدث کا فاعل ابوغلاب ہے اور مفعول قتادہ' پس اس کا مطلب گویا یہ ہوا کہ حدثنا قتادہ عن ابی غلاب و ھو حدث قتادہ عن حطان' اس سند سے بھی قتادہ کا سماع ابوغلاب سے نہیں ثابت ہوتا' دریافت طلب دو امر ہیں قول عمرو کا صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) یحدثہ عن حطان بن عبداللہ الرقاشی قول کس کا ہے' خاص قتادہ کا یا دوسرے کا؟ محاکمہ' حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر تو قول عمرو کا صحیح بلکہ متعین معلوم ہوتا ہے' کیونکہ حدث قتادہ اور ابن المسیب حدثہ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا' جبکہ قائل دوسرا نیچے کا راوی ہو' اور اگر زید کے نزدیک یحدثہ فاعل اور ضمیر تا مفعول میں کچھ اور احتمال ہی ہے تو اس کو بیان کرے اور بعد بیان لامحالہ اس میں بھی یہ احتمال عمرو کا ہوگا تب سماع محتمل رہا اور احتمال رہتے ہوئے ثبوت کہاں رہا' اور یحدثہ ظاہراً بے تکلف معتمر کے باپ سلمان تیمی کا قول معلوم ہوتا ہے۔ (امداد ج ۵)

ایک حدیث کے رجال سند اور متن کی تحقیق

جلاء الافھام فی الصلوۃ والسلام علی خیر الانام میں ہے۔

حدثنا یحیی بن ایوب العلاف حدثنا سعید بن ابی مریم حدثنا یحیی بن ایوب عن خالد بن زید عن سعید بن ہلال عن ابی الدرداً قال قال رسول اللہ علیہ وسلم اکثر والصلوۃ علی یوم الجمعہ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملائکہ لیس من عسی یعلی علی الابلغنی صوتہ حیث کان' سے سماع نبوی درود بلاواسطہ کے اثبات کے جواب میں

حکیم الامتؒ ارقام فرماتے ہیں' اس سند میں ایک راوی یحیٰی بن ایوب بلانسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے جن میں سے ایک غافقی ہیں جن کے باب میں ربما اخطاء لکھا ہے' یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں' دوسرے ایک راوی خالد بن زید ہیں یہ بھی غیر منسوب ہیں' اس نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادت ارسال کی ہے اور یہاں عنعنہ سے ہے' جس میں راوی

کے متروک ہونے کا اور اس متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے'
تیسرے ایک راوی سعید بن ابی ہلال ہیں جن کو ابن حزم نے ضعیف اور امام
احمد نے مختلط کیا ہے وھذ اکلہ من التقریب' پھر کئی جگہ اس میں عنعنہ
ہے جس کے حکم بالاتصال کے لئے ثبوت تلاقی کی حاجت ہے۔

سند پر کلام فرمانے کے بعد پھر حکیم الامتؒ نے متن حدیث پر کلام
فرما کر ثابت فرمایا کہ اس کا متن ان احادیث صحیحہ کے خلاف ہے' جو صریح
ہیں عدم سماع عن بعید میں' اور ظاہر ہے کہ جلاء الافہام ان کتب کے برابر
قوت میں نہیں ہو سکتی لہٰذا اقوی کو ترجیح ہو گی۔

نیز جمع بین الاحادیث کی ضرورت سے بلغنی صوتہ کی یہ توجیہہ
ہو گی کہ صوت سے مراد جملہ صوتیہ ہے کیونکہ کلام اور کلمہ قسم ہے لفظ کی اور
وہ قسم ہے صوت کی' پس درود شریف بھی ایک صوت ہے' اور بلاغ عام ہے'
بلاغ بالواسطہ اور بلاواسطہ کو' اور بقرینہ دوسری احادیث کے بلاغ بالواسطہ
متعین ہے' پس معنی بلغنی صوتہ کے ہوں گے یلغنی صوتہ بواسطۃ
الملائکہ۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵)

سند اور متن حدیث پر محدثانہ انداز میں عجیب تحقیق اور روایات
میں تطبیق فرمائی گئی' جو ہر طرح سے اصول حدیث اور قواعد عربیت کے
موافق ہے'

القاء ربانی

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ بلا توسط فکر قلب پر وارد ہوا کہ
اصل حدیث صوتہ نہیں بلکہ صلوتہ ہے کاتب کی غلطی سے لام رہ گیا ہے'
۶ ذیقعدہ (امداد ج ۵)

چنانچہ نیل الاوطار میں بحوالہ طبرانی یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں
لیس من عبد یصلی علی الابلغنی صلوتہ (ج ۵ ص ۲۱۱)

"دو حدیثوں کی تخریج" سیر اوزاعی کا جو رد امام ابو یوسفؒ نے لکھا
ہے' ایک محقق عالم نے جب اس کو مصر سے شائع کرانا چاہا اور اس پر کچھ فوائد
لکھنے کا بھی خیال ہوا' تو انہوں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے استفادہ
کے لئے رجوع کیا اور دو حدیثوں کی تخریج جس میں وہ مشقت برداشت
کر چکے تھے' اور ان کو وہ نہیں مل رہی تھیں' ان کے بارہ میں استفسار کیا' پہلی
حدیث یہ ہے۔

حدثنا ابن ابی حزیمہ عن ابی جعفرعن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم انہ انما الیھود فشا بھم فحدثوہ حتی
کذبوا علی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فصعد المنبر
فخطب الناس فقال ان الحدیث سیفشو علی فمااتاکم عن
موافق القرآن فھو عنی امااتاکم عنی مخالف القرآن فلیس

عنی"

دوسری معلق ہے حد ثنا ثقفة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فورنہ الذی مات فیہ لااحرم ماحرم القرآن واللہ لا یمسکون علی شی فاجعل القرآن والسنة العروفة لک اماماقائداہ۔

حکیم الامت تھانویؒ نے حدیث اور اسماء الرجال کی کتابوں تذکرہ اللالی المضوعہ نیز مجمع الزوائد اور لسان المیزان وغیرہ سے ان دونوں حدیثوں کی تخریج اور فنی طور پر ان کے راویوں کی حیثیت دکھلا کر ان کے بارہ میں محدثانہ اور منصفانہ یہ فیصلہ فرمایا کہ ان احادیث حکم بالوضع دشوار ہے' غایت مافی الباب حکم ضعف کیا جاسکتا ہے۔

پھر جن حضرات نے اسپر اس وجہ سے حکم بالوضع کیا ہے کہ یہ اس حدیث صحیح کے معارض ہے جس کو احمد وابو داؤد وترمذی وغیرہ حضرات ابو مقداد بن معدیکرب وعرباض بن ساریہ رضی اللہ عنھم کے طریق سے روایت کیا ہے لاالفین احد کم فنکئا علی اریکتہ بایتہ الامرمن ماامرت بہ اونھیت عنہ فیقول لاادری ماوجد نافی کتاب اللہ اتبعناہ الحدیث۔

اس کا جواب فرمایا کہ درحقیقت دونوں میں تعارض نہیں' کیونکہ اس میں توان لوگوں پر وعید ہے "جو صرف قرآن کو واجب العمل سمجھتے ہیں'

اور حدیث نبوی ﷺ سے اعراض کرتے ہیں' اور احادیث مذکورہ سابقہ میں حدیث نبوی ﷺ کو واجب الاتباع جاننے والوں کے لئے صحت حدیث کا معیار موافقت قرآن کو بتلایا گیا ہے۔

لیکن موافقت قرآن کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حدیث کا مضمون بعینہٖ یا بلفظہٖ قرآن میں مذکور ہو' بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان اصول کلیہ کے موافق ہو جو احکام شرعیہ کے لئے قرآن نے بتلائے ہیں۔ پھر اس کی دلیل حدیث احمد وابویعلی اور بزار سے بیان فرماکر' عزیزی شرح جامع الصغیر للسیوطی سے اس کے رجال کی تصحیح نقل فرمائی۔

عام طور پر لوگ اس حدیث کو پیش کر کے احادیث کا انکار کر دیتے ہیں۔

حکیم الامتؒ نے اسکے متعلق فرمایا ہے کہ' یہ خطاب ایسے علماء کے لئے ہیں جن کا ایمان کامل اور ان کے قلوب علم و تقویٰ سے منور ہیں۔ ہر کس وناکس کا یہ کام اور مرتبہ نہیں ہے کہ وہ جس حدیث پر چاہے حکم بالوضع لگادے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام ابو یوسفؒ نے معلقا روایت کیا ہے۔ فاجعل القرآن والسنة المعروفة لک اماما قائدا' جس کا حاصل یہ ہوا کہ اخبار احاد کو اسی وقت قبول کیا جائے جب کہ وہ قرآن اور سنن معروفہ کے موافق ہوں مخالف نہ ہوں' اس سے صاف معلوم ہوا کہ موافقت قرآن سے مراد موافقت قواعد واصول شرعیہ ہے' موفقت الفاظ قرآن مراد نہیں' ورنہ سنت معروفہ کاذکر اس کے ساتھ نہ کیا جاتا۔

اس کے بعد اپنی تائید میں شرح مشکل الآثار کی بحث کا خلاصہ اس مسئلہ سے متعلق پیش فرمایا ہے۔(امداد ج ۵)

حقیقت احسان حدیث ان تعبد اللہ کی تشریح

مشہور طریق حضور قلب کا وہ ہے جو حدیث ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ لوگوں نے سمجھا ہے یعنی عبادت کرتے وقت یہ خیال کرے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں اور اگر یہ نہ ہو تو یہ سمجھے کے خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے پس گویا دو طریق متقابل ہیں،لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں'اول تو لفظوں کے بھی خلاف ہے کیونکہ سوال حقیقت احسان سے ہے نہ طریق تحصیل احسان سے چنانچہ جو جواب دیا گیا ہے اس میں احسان کی حقیقت بتلائی گئی نہ کہ طریق اس کے قبل بھی اسلام وایمان کی حقیقت ہی سے سوال وجواب کا ہونا اس کا اور بھی مؤید ہے۔

دوسرے تجربہ بھی شاہد ہے کہ تصور رویت حق حضور قلب کے لئے عموماً اور خصوصاً مبتدی کے لئے بالکل ناکافی ہے'کیونکہ طبیعت پریشان ہوتی ہے کہ خدا کو کیسا سمجھوں اور ایک صورت سمجھ میں آتی ہے پھر اس کا رفع کرتا ہے اسی طرح پریشانی میں مبتلا رہتا ہے اور ظاہر میں جس چیز کو کبھی دیکھا نہیں تو اس کا تصور کیسے جم سکتا ہے؟ البتہ منتہی کو خدا کے دیکھنے کا تصور بے کیف ذوقی طور پر میسر ہو جاتا ہے'اور طریقہ عام ہونا چاہئے۔علاوہ بریں

اگر مضاف محذوف مان کر (یعنی طریقہ الخ) سے طریق ہی قرار دیا جائے'تو تقابل ٹھیک نہیں ہوتا'کیونکہ کانک تراہ کے بعد یہ کہا ہے کہ اگر تم اسے دیکھتے نہ ہو تو بیشک وہ تمہیں دیکھتا ہے'سو یہ مضمون جملہ اولی کے ساتھ جمع ہو رہا ہے'یہ نہیں کہا کہ اگر تم ایسی عبادت نہ کر سکو کہ گویا اسے دیکھتے ہو (تو یہ سمجھو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے'بہر حال یہ طریق الفاظ حدیث اور تجربہ دونوں کے خلاف ہے'پس اس حدیث میں حقیقت احسان کا بیان ہے طریق مذکور نہیں'

رہا حدیث کے معنی کیا ہیں تو اس کا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے یہ تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کام کر رہا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہمارا مالک اور حاکم دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کام بالکل ٹھیک کرنے لگے گا'اور احتیاط رکھے گا کہ کوئی خرابی نہ ہونے پائے'اور اگر کہیں حاکم کو دیکھ لیا تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے'اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے کام کو خوب اچھی طرح سے انجام دے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حاکم نظر کے سامنے ہونے کے وقت کام خوب عمدگی سے ہوتا ہے'تو مطلب اس حدیث کا یہ ہوا کہ خدا کی ایسے حسن وخوبی سے عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر فرضاً تم خدا کو دیکھتے تو سوچو کہ اس وقت تمہاری عبادت کس طرح کی ہوتی'اب بھی اسی حالت کے مشابہ تمہاری عبادت ہونا چاہیے)اس لئے کہ اگر تم اسے نہ بھی دیکھتے ہو تو کیا

ہو اوہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

(یہ اس لئے بڑھایا کہ پہلے جملہ سے یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ جب واقع میں ہم نہیں دیکھتے تو اس طرح کی تحسین عبادت کس طرح ممکن ہے' اس کا جواب اس سے مفہوم ہو گیا کہ دیکھنے والے کی سی تحسین کے لئے حق تعالٰی کی رویت کا تعلق بھی کافی ہے) غرض فان لم تکن تراہ میں فائے تعقیب نہ لی جائے علت قرار دی جائے۔(مواعظ اشرفیہ ص ۲۹)

اس حدیث کی مزید توضیح و تشریح حضرت حکیم الامتؒ کے ارشاد ذیل سے ہوتی ہے۔''اگر یہ مطلب ہوتا کہ عبارت یوں ہوتی فان لم تعبد کانک تراہ فاعبد فانہ یراک کیونکہ مرتبہ اولی ان تعبد اللہ کانک تراہ میں تشبیہ ہے اس کے بعد مرتبہ ثانیہ فان لم تکن تراہ میں اسی تشبیہ کی نفی ہوگی اور معنی یہ ہوں گے فان لم تعبد کانک تراہ اور یہ نفی صحیح نہیں کیونکہ بزعم مفسرین اس تشبیہ کا مدار تو تصور و خیال پر ہے' کہ ایسی عبادت کرو' گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو' اور تصور میں بڑی وسعت ہے اور ایسا فرض بہت سہل ہے تو اس کے نفی کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا فان لم تکن تراہ کو نفی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس صورت میں یہ دوسرا مرتبہ پہلے مرتبہ کے مقابل نہیں اس لئے اس کے یہ معنی بیان کرنا کہ اگر تم حالت مشابہ رویت الٰہی پر قادر نہ ہو تو بھی تصور کرو کہ حق تعالٰی تم کو دیکھ رہے ہیں' الفاظ سے نہایت بعید ہے' پس صحیح یہ ہے کہ حدیث میں نہ مراقبہ

کی تعلیم ہے نہ مراقبے کی دو درجہ مذکور ہیں' بلکہ جملہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک پہلے جملہ کی علت ہے جس کی تقریر آتی ہے' اور فا تعلیلیہ کلام عرب میں بکثرت مستعمل ہے' (اشرف البیان)

حکیم الامتؒ کی تشریح سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث میں احسان کی حقیقت بتلائی گئی ہے جیسا کہ ایمان اور اسلام کی حقیقت کی وضاحت فرمائی گئی ہے' اور بظاہر نظر اس میں مراقبہ کی تعلیم کا جو شبہ ہو گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے' حکیم الامتؒ کی یہ عارفانہ تقریر قواعد عقلیہ اور عادیہ کے کس قدر موافق ہے ناظرین اس کو خود محسوس کریں گے' اب ایک اور نفیس و سلیس علمی تحریر سے بھی استفادہ فرمائیں۔

''یہ مطلب نہیں کہ تم یہ تصور کرو کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں تاکہ یہ اشکالات لازم آئیں۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو عبارت حدیث کی یوں ہوتی ان تعبداللہ و تقدرانک تراہ مگر عبارت یہ ہے ان تعبداللہ کانک تراہ اور کان تشبیہ کے لئے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوئے ان تعبد اللہ حال کونک مشابھا بانک تراہ' یعنی گو تم خدا تعالٰی کو دیکھ نہیں سکتے' اگر فرض کیا جاوے کہ تم خدا تعالٰی کو واقع میں دیکھتے تو اس وقت عبادت کیسی کرتے؟ ظاہر ہے کہ نہایت مکمل عبادت کرتے اور عبادت کے پورے حق ادا کرتے جیسا کہ حاکم کو دیکھنے کا طبعی مقتضاء ہے' بس اب نہ دیکھنے کی حالت میں بھی اسی حالت مذکورہ کے مشابہ عبادت کرو۔

اب ایک اشکال تھا کہ جب خدا کو ہم دیکھتے نہیں تو دیکھنے کے مشابہ عبادت کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ تو مخصوص اسی حالت کے ساتھ ہے' آگے اس حکم کی ایک علت بیان فرما کر جواب دے دیا کہ ایسی مکمل عبادت صرف حاکم کو دیکھنے ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس حالت کو اور ایک دوسری حالت کو دونوں کو عام ہے اور دوسری حالت یہ ہے کہ حاکم تم کو دیکھتا ہو تو بھی ایسی ہی عبادت ہو گی' چنانچہ شاہد ہے کہ اگر حاکم کسی کام کا حکم دے اور ایسی جگہ کھڑا ہو کہ کام کرنے والا تو اس کو نہ دیکھے اور وہ اس کو دیکھے اور اس دیکھنے کی اس کو خبر بھی ہو تب بھی ایسا ہی کام کرے گا اس جواب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فائے علت کے ساتھ فرمایا فان لم تکن تراہ فانہ یراک' یعنی ایسی عبادت کا حکم جو کہ مشابہ اس حالت کے ہے کہ حاکم کو دیکھتے ہو' اس لئے کہا گیا کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے' تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے' اور تکمیل عمل واداے حقوق میں اس کا بھی وہی اثر ہے جو اس پہلی حالت کا ہے۔

آگے خلوص واحسان جس کا ذکر حدیث میں ہے دونوں کا ہم معنی ہونا ثابت فرماتے ہیں' اسی طرح سوال میں جو خلوص کی تفسیر کی ہے' وہ بھی صورت اولی ہے' کسی قدر عنوان کے اختلاف سے اور اصل معنون احسان ہے' جو مرادف ہے اخلاص کا' یعنی نیکو کردن عبادت' کیونکہ اخلاص بھی نیکو کردن اور کامل گزاردن ہے" (تربیت السالک ص ۳۸ وص ۳۹ جلد ۳)

احسان کے معنی "نیکو کردن عبادت" کی تعبیر میں لفظی حسن کی

بھی کس قدر رعایت ہے وہ اہل معانی اور ارباب بصیرت کے دیکھنے اور سمجھنے کی چیز ہے' مطلب یہ ہے کہ عبادت کو حسین اور خوبصورت بنانا ہی احسان ہے' اور اخلاص کے معنی بھی خالص کرنے کے ہیں' عبادت کو غیر عبادت سے خالص کرنا ہی اخلاص ہوا اور اسی کا دوسرا نام احسان ہے' جس کی اس حدیث میں حقیقت بتلائی گئی ہے۔

حکیم الامتؒ کے افادات تقریری اور تحریری سے محمد اللہ تمام اشکالات و شبہات کا ازالہ ہو گیا' اور حدیث کی جو عجیب و غریب وضاحت و تشریح کی ہے وہ اہل علم و نظر کے قدر کرنے کی چیز ہے'

"منتخب احادیث کے مجموعے"

درس و تدریس' تصنیف و تالیف' فتاویٰ اور سالکین کی تربیت وغیرہ کے ضمن میں احادیث کی جو خدمت حکیم الامت تھانویؒ نے انجام دی ہے ان کو اگر جمع کیا جائے تو ان کا مجموعہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل تیار ہو سکتا ہے اور مستقل طور پر جو کتابیں اور رسائل اس موضوع پر آپ کے قلم سے نکلی ہیں میں ان سے اکثر وبیشتر کا تعارف اس مقالہ میں آچکا ہے' ان کے علاوہ اس موضوع سے متعلق کئی اور ایسے رسائل اور کتب ہیں' جن کے ذکر سے طویل ہونے کا اندیشہ ہے' اس لئے اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حکیم الامتؒ کے مواعظ میں بھی سینکڑوں نہیں ہزاروں احادیث

کی تشریح فرما کر ان کی امت کو تبلیغ کی گئی ہے‘ مواعظ کے ہزاروں صفحات حسب موقع احادیث کے بیان و تشریح سے معمور ہیں‘ ان کو اگر یکجا جمع کیا جائے تو تشریح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ تیار ہو سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ کے سینکڑوں مواعظ کی تعداد ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود ان کو بھی قلم بند کر کے کتابی صورت دے دی گئی ہے‘ اور وہ حسب موقع طبع ہو کر امت کی اصلاح و رہنمائی کا کام دے رہے ہیں۔ امت مسلمہ کی چودہ سو سال سے زائد کی تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی معلوم نہیں کہ کسی شخصیت کے اس کثرت سے مواعظ کتابی شکل میں امت کے پاس محفوظ و موجود ہوں‘ حکیم الامتؒ کے مواعظ عام مقررانہ طرز کے نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبویؐ کی تفسیر و تشریح ہوتی تھی‘ عام فہم تفسیر سے استنباط اور آیات و احادیث کے عجیب و غریب نکات اور حل مشکلات قرآنیہ اور حدیثیہ کا خزانہ ہوتے تھے‘ جہاں وہ خواص و عوام کے لئے موعظت و نصیحت اور اصلاح ظاہر و باطن کا ذریعہ بنتے تھے‘ اور ہزار ہا بندگان خدا نے ان کے ذریعہ اپنی ظاہری اور باطنی اصلاح و تربیت حاصل کی ہے‘ وہاں ہی وہ قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح اور الہامی تحقیقات عجیبہ کا بہت ہی نادر علمی ذخیرہ بھی ہوتا تھا‘ جن کو دوران وعظ قلم بند کر لیا جاتا تھا‘ پھر حضرت والا کی نظر اصلاحی کے بعد اس کو شائع کیا جاتا تھا‘ ان کی اشاعت کا سلسلہ اب بھی ماہنامہ رسالہ الابقاء کے ذریعہ قائم اور جاری

ہے‘ اس طرح ان مواعظ کا بھی حضرت حکیم الامتؒ کے مستقل رسائل کی حیثیت سے آپ کی تصانیف تفسیر قرآن اور تشریح احادیث کی خدمات میں شمار ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے ان مواعظ سے قرآن و حدیث کے علوم کو علیحدہ علیحدہ منتخب کرنے کی خدمت انجام دی ہے اور مجموعے تیار کئے ہیں‘ جو اگرچہ مختصر ہی ہیں مگر بطور نمونہ کے ایک اچھا قدم اٹھایا گیا ہے‘

سب سے پہلا مجموعہ‘ تفسیر المواعظ کے نام سے حضرت مولانا حکیم محمد مصطفےٰ صاحبؒ نے تیار کیا اس مجموعہ میں ان آیات کو جمع کیا گیا ہے جو وعظ کا عمود ہیں اور ان کی تفسیر و تشریح وعظ میں فرمائی گئی ہے۔

دوسرا مجموعہ ”اشرف البیان فی علوم الحدیث والقرآن“ کے نام سے جناب منشی علی محمد صاحب مرحوم خلیفہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے مرتب کیا تھا‘ وہ حضرت حکیم الامتؒ کے زمانہ حیات میں ہی شائع ہو گیا تھا‘

اس مجموعے میں قرآن کریم کے علوم کے ساتھ احادیث سے متعلق تحقیقات کو بھی حکیم الامتؒ کے مواعظ سے منتخب کر کے جمع کر دیا گیا ہے‘ اس میں ایک سو سے زیادہ احادیث کی عجیب و غریب تشریح اور نہایت ہی لطیف نکات کو جمع کر دیا گیا ہے اور بظاہر متعارض احادیث کا حل تو ایسا فرمایا

گیا ہے کہ اس کو بیان سے نہیں سمجھایا جا سکتا، وہ تو بس دیکھنے اور پڑھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

تیسرا مجموعہ: "اشرف الکلام فی احادیث خیر الانام" کے نام سے صوفی محمد اقبال صاحب قریشی ہارون آباد ضلع بہاول نگر مجاز بیعت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تیار کیا ہے، حکیم الامتؒ کے مواعظ و ملفوظات سے تقریباً ۱۲۰ احادیث مبارکہ کی شرح جمع کر کے شائع کرایا ہے۔

اب اس عجالہ نافعہ اور مقالہ نادرہ کو حضرت حکیم الامتؒ کی بزبان عربی تین حدیثوں کے متعلق تحقیق کو نقل کر کے ختم کیا جاتا ہے، یہ تحقیق اہل علم کے لئے فنی طور پر قابل دید ہے، معنی احادیث کی تعین اور متعارض احادیث کے درمیان تطبیق عجیب انداز سے فرمائی گئی ہے، جو اہل علم و نظر کے لئے قابل قدر ہے۔

غریبة در تحقیق احادیث اشتراط حج نفسه الحج عن غیره و حدیث المصراة و حدیث خیارالمجلس

سوال- من العبد المفتاق الی حضرة الشیخ الاکمل الاشرف الابجل مد الله ظلاله-

امابعد فهذ العبد منذ زمان قد قصر عن التحریرو لیس هذا الامرمن قصور الباع علی انی قدکان عرض لی الحمی نبافض فحالت بینی و بین مااشتهی و بحمدالله قدبرو السقم فنشکرالله علی اسباغ النعم- وفی تلک الایام لم استطع علی ضربی فیالهف نفسی ثم انی اکف جنا بکم لحل شبهات قدعرضت لی فی اثناء التدریس للصحیح للامام محمد بن اسمعیل البخاری ولم اقدر علی جواب شاف من عندی فالتجات الی سندی و وسیلة النجاح فی یومی وغدی-انامعاشر الحنفیة نستدل علی جواز الحج عن الغیروان لم یحج عن نفسه بحدیث الخثعمیه المرویة فی البخاری المطبوع فی المطبع المصطفائی ص ۲۰۵،۲۲۶،۲۵۰)

ونقول الحدیث مطلق وایضالم یسئلها صلی الله علیه وسلم احججت ام لا- فیدل علی جواز حج البدل وان لم یحج عن نفسه لکن فی هذا شئی لان سوال الخثعمیة کان غداةجمع کماوقع فی الصحیح ص۲۲۶،۲۵۰ استنباطاًو فی سنن النسائی صریحا بهذا اللفظ ان امراة من خثعم سالت النبی صلی الله علیه وسلم غداة جمع الحدیث باب الحج عن الحی الذی لایستمسک علی الرحل- فلایمکن ان یکون المعنی افاحج عنه العام لان الوقت قد معنی بلاالمعنی افاحج عنه عاماً اخر ولماکان الغالب من حالها انها قد قضت الحج ثم سالت فلهذالم یتعرض النبی

صلی اللہ علیہ وسلم عن سؤالها بانها حجت ام لاوقال نعم ای یجوزلک اداء فریضته الحج عن ابیک ولما کان الملبی عن شبرمة لم ریخج من قبل زینة الحج قطعاً اذکان ذلک عام حجة الوداع فلما قال لبیک عن شبرمة ساله من شبرمة فلما قال هو اخی فلا جرم نهی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن ذلک وامره بقضاء الوطرعن نفسه ثم عن شبرمة فحدیث الخثعمیة ظنی انه مقید لامطلق و عدم الکشف لما مرفلعل مبنی تلک المسئلة کون وقت الحج ظرفاً موسعاً هو العمر لاهذا الحدیث وامثاله فاالمرجوان تفید ونی بجواب شاف من عندکم اذاالشراح لم یا تو ابشئی یغنی ولم یفتح لی مایعنی-

الجواب نعم هذا الحدیث محتمل فلایصح للا ستد لال لکن لنا فی اصل المسئلة دلیل اخرایضاًهو سوال الجهنیة و جوابه صلی اللہ علیہ وسلم لها بقوله ارأیت لوکان علی امک دین الحدیث و هو مذکور فی صحیح البخاری ص۲۵۰ من الجلد الاول فلماالحق صلی اللہ علیہ وسلم الحج عن الغیر بقضاء الدین ولم یشترط فی قضاء الدین تقدیم دین نفسه علی دین غیره فکذا الحج- واما الاستد

لال بحدیث شبرمة فلیس بقوی لا حتماله الکراهیة وقد قال فقهاء نا له واللہ اعلم- وما وردفی بعض الروایات قوله علیه السلام هذه مسک فیحمل علی مافی بعض روایات اخری حج عن نفسک ثم هو موقوف عند بعضهم ورجحه کثیر وهذاکله فی التلخیص الحبیرج اص۲۰۳ مطبع انصاری-

۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ-

سوال: انا ندعی ان حدیث المصراة مخالف للقیاس الصحیح من کل وجه و مثل هذا اذاروی غیر الفقیه یردو وبنوا علیه ما بنوالکن هذا الحدیث قد رواه صاحب الصحیح فی ص۲۸۸ عن ابن مسعودؓ موقوفاً ولماکان هذا الحکم غیر مدرک بالرای کما ندعی فالموقوف له حکم الرفع ایضاً والراوی لهذا فقیه فلا بدان یترک القیاس لان الراوے فقیه فما المناص عن هذا-

الجواب ما قالوافی حدیث المصراة لم یلصق بقلبی قط وانما الذی اری فیه حمل هذا الحدیث علی ماذا اشترط الخیار فی العقدو قرینة هذا الحمل ماوردفی روایة من اشتری مصراة فهو منها بالخیار ثلاثة ایام ان شاء امسکها وان شاء ردها و معها صاعاً من تمرلا سمراء رواه الجماعة

الالبخاری کذا فی نیل الاوطار ج ۵ ص ۷۷،۷۸ واما تخصیص الصاع من التمر فمحمول علی الصلح والمشورة فلم یخالف القیاس – ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

سوال: روی البخاری فی ص ۲۸۴ ج احدثنا قتیبة ثنالیث عن نافع عن ابن عمرعن رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال اذا تبایع الرجلان فکل واحد منھا بالخیار مالم یتفرقا وکانا جمیعا اویخیر احدھما الاخرفان خیر احدھما الأخر (نسائی) فتبایعاعلے ذلک فقد وجب البیع وان تفرقا بعدان تبایعا علی ذلک فقد وجب البیع وان تفرقا بعدان تبایعا ولم یترک واحد منہما البیع فقد وجب البیع ص ۱۸۸ کتاب البیوع وھذہ الروایة رواھا النسائی بعین ھذا السند و متنہ سوی انہ زاد لفظ الشرط ثم روی البخاری فی تلک الصفحة عن عبداللّٰہ بن عمر قال بعت من امیر المؤمنین عثمان الی قولہ فلما تبایعنا رجعت علی عقبی حتی خرجت من بیتہ خشیة ان یرادنی البیع و کانت السنة ان المتبایعین بالخیار حتی یتفرقا الخ ففی ھاتین الروایتین المرفوعتین حقیقة و حکماً بیان واضح لثبوت خیار المجلس و قاطع لکل تاویل ولا یعارضہ مارواہ النسائی ص ۱۸۸ عن عمروبن شعیب عن ابیہ

عن جدہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المتبایعان بالخیار مالم یتفرقا الاان یکون صفقة خیار ولایحل لہ ان یفارق صاحبہ خشیة ان یستقیل لان ھذا متکلم فیہ ولوسلم فھولایعارض الصحیح ولوسلم فھی اشارة والا ولی کا لصریح اوصریح والا شارة لاتفوق الصراحة واماقول ابن عمر ما ادرکت الصفقة حیا مجموعاً من المبتاعی رواہ البخاری ص ۲۸۷ وھذا وان احتج بہ الطحاوی فھو غیر تام و غیر مفید لنا لانا لانقول بمفادہ الھلاک قبل القبض عند نایوجب فسخ البیع و کون الھالک من مال البائع لامن المتباع فما لانقول بہ کیف نحتج بہ فلا یفید ناالا اثبات المخالفة بین قولہ وفعلہ فھما وان تعارضا بقیت روایتہ سالمة بل ینبغی ان یؤول ھذا الاخیرویرادبالصفقة الصفقة التامة باعتبار جمیع شرائط التفرق بالا بدان فمعنی ھذا القول ما ادرکت الصفقة بعد التفرق بالبدن حیا مجموعا فھو من المتباع فبمجرد قول النخعی ردالحدیث الصحیح مرفوعاً و موقوفا الطبع و یستنکرہ ولانرید من جنابکم ذکر ماروواہ الشراح اوالاحناف اذھو ردالحدیث الصریح الصحیح لاغیربل معاملة مع عثمان تدل علی ان تلک السنة کانت مستمرة عندھم–

الجواب– هذه الشبهة من شبهاتی القديمة ولا
شک فی ان ظاهر الاحاديث هو ثبوت خيا رالمجلس لکن
لايصح الحکم بکون المذهب الحنفی مخالفاً للا حاديث
يقيناً مادامت الاحاديث تحمتل التاويل و لوکان فيه شئی
من البعد ولا يسلم احد من اهل المذا هب المتبوعة عن
هذه التاويلات کما حمل بعض الشافعية قوله عليه السلام
فما قرعه ماتيسر معک من القرآن علی الفاتحة فانها
متيسرة واقرب دلائل الحنفية قوله عليه السلام لايحل له ان
يفارقه خشية ان يستقيله رواه الخمسة الاابن ماجة ورواه
الدار قطنی کذافی النيل ج ۵ ص ۴۹ ففيه دليل ان صاحبة
لايملک الفسخ الامن جهة الا ستقالة واما قول المخالفين
انه لوکان المراد حقيقة الاستقالة لم تمنعه من العفارتة لانها
لا تختص بمجلس العقد فالجواب عنه ان قرب العهد
بالعقدله دخل مشاهد فی تاثر کل من المتعاقدين بالتماس
الأخر– اماقوله لايحل فمحمول علے الکراهة من حيث انه
لايليق بالمر وة و حسن معاشرة المعلم کما
اضطراليه القائلون بخيارالمجلس فان حل المفارقة اجماعی
عندنا وعند هم جميعاً واما کونه متکلما فيه فيعتبر لوکان
معارضا للصحيح ولم يعارض بعد تاويل الصحيح اقرب التا
و يلات حمل التفرق بالا بدان علی الا ستحباب تحسيناً

للمعاملة مع المسلم کما ذکر فی تقرير حديث الا ستقالة
واما قول المخالفين انه لوکان المراد تفرق الاقوال فخلا
الحديث عن الفائدة و ذلک ان العلم محيط بان المشتری
مالم يوجد منه قبول المبيع فهو بالخيار و کذلک البائع
خياره فی ملکه ثابت قبل ان يعقد البيع اه فغير ملتفت اليه
لانه يمکن ان يکون مقصود الشارع نفی بعض بيوع
الجاهلية من نحو الملا مسة والمنا بذة فلم يکن خاليا عن
الفائدة واما دعوی کون بعض الفاظ الحديث غير محتمل
للتاويل کقوله عليه السلام فان خيرا حدهما الأخر فتبا
يعاعلی ذلک فقد وجب البيع وان تفرقا بعد ان تبايعا ولم
يترک واحد منهما البيع فقد وجب البيع اه فممنوعة لان
معنی قوله فقد وجب البيع فی الاول ای بشرط الخيارحيث
خير احد هما الاخر وفی الثانی ای البيع البات حيث لم
يشترط فيه الخيار وليس لفظ اصرح منه وليس الاما
متفردافی هذا بل قد ذهب اليه النخعی والمالکية والثوری
والليث وزيدبن علی وغير هم کما فی النيل
ج ۵ ص ۴۷ والله اعلم ۱۰ ربيع الآخر ۱۳۳۴ھ

(بوادار النوادر ص ۲۰ تا ص ۲۴ ج ۲)

وههنا تمت المقالة المقاته وكملت العجالة وهى مشتملة على افادات حكيم الامة المحمدية و مجدد الملة الحنفية شيخنا وشيخ مشايخنا التقى الولى المفسر المحدث الفقيه العلامة الشهير باشرف على التهانوى قدس سره لازلنا منغمساً فى بحار لطفه الجلى والخفى و متعنا الله بفيوضات العامة وبركاته الخاصة' اللهم اجعلها خالصة لوجهك الكريم بفضلك العميم واجعلها وسيلة لرضاك ورضاء رسولك الرؤف الرحيم' ووفقنا لخدمت حديثه وتفقه علمومه بالقلب السليم' واحشر نا معه واد خلنا حزبه فى النعيم المقيم' كتبها الاحقرالراجى عفور به الغفور' المدعوبعبد الشكور الترمذى عفى عنه ذنبه الجلى والخفى (ابن المفتى السيد عبدالكريم الگمتهلىؒ المفتى سابقاً فى الخانقاه الامدادية الاشرفيه بتهانه بهون تحت ظل حكيم الامة الموصى اليه) الخادم بالمدرسة العربية الحقانيه فى قرية ساهى وال من مضافات سرجودها'

قدوقع الفراغ من تسويد هذه العجالة وتحرير هذه المقالة ضحوة يوم الثلاثاء لثلاثين من شهر الله المحرم الحرام سنة تسع وار بعمائة والف من هجرة النبى الكريم على صاحبها افضل الصلوة واز كى التسليم و على اله واصحابه اجمعين وآخر و عوانا ان الحمد لله رب العلمين۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت محی السنت

حضرت مولانا **شاہ اشرف علی تھانوی** قدس سرہ

کی

علم تجوید و قراآت

کے متعلق خدمات جلیلہ

یادگار اسلاف فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی **سید عبد الشکور صاحب** رحمۃ اللہ علیہ

بانی و مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصًا علیٰ سید الرسل وخاتم الانبیاء محمد و علیٰ الہ الاصفیاء واصحابہ المجتبیٰ امابعد۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قرآن فہمی اور قرآنی علوم میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے' اپنے ہمعصروں میں آپ کو ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ جس پر آپ کی بے نظیر تفسیر ''بیان القرآن'' کے علاوہ مواعظ وملفوظات میں بھی جابجا آیات قرآنی کی تفسیرات و تشریحات بھی واضح دلیل ہیں۔

علم تجوید و قرآت میں مہارت تامہ

اس کے ساتھ ہی حضرت حکیم الامتؒ فن تجوید و قرآت میں بھی کامل عبور رکھتے تھے آپ نے مکہ مکرمہ کے دوران قیام مدرسہ صولقیہ میں حضرت شیخ القراء قاری عبداللہ مہاجر مکیؒ سے قرآت کی مشق کی اور قرآت و تجوید کے فن میں کمال حاصل کیا تھا۔

اشرف السوانح میں تحریر ہے کہ جب مدرسہ صولتیہ کے بالائی حصہ پر حضرت قاری موصوف حضرت تھانویؒ کو مشق کراتے تھے تو نیچے سے سننے والوں کو بسا اوقات استاد شاگرد کی آواز میں اشتباہ ہو جاتا تھا۔

اس فن میں آپ کی محققانہ عام فہم اور بے حد نافع و مفید کتابیں آپ کی جامعیت اور مہارت فن پر شاہد عدل ہیں آپ کا آسان اسلوب بیان اور سہل طرز نگارش اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اس فن پر کامل عبور اور پوری دسترس حاصل ہے اور آپ اس فن کے ممتاز ماہرین اور قراء کی صف میں شامل ہیں۔

اس کے علاوہ قرآنی علوم کے مختلف موضوعات پر حضرت حکیم الامتؒ نے مختلف رسائل اور متعدد تصانیف لکھی ہیں، فضائل قرآن، آیات وسور کے خواص، غرضیکہ قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں سے متعلق مختلف پہلوؤں سے آپ نے بلند پایہ علمی اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

خدمت تجوید و قرآت

تجوید قرآن کے موضوع پر بھی حضرت تھانویؒ نے متعدد رسائل لکھے ہیں اور مواعظ و تصانیف میں بھی بہت عمدہ طریقہ سے اس فن قرآت و تجوید سے متعلق جابجا تحقیقات بیان فرمائی ہیں اور اس کی ضرورت کی طرف بڑے بلیغ اور دلنشین انداز میں توجہ دلائی ہے اس مختصر مقالہ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی فن تجوید و قرآت سے متعلق خدمات عالیہ کا جائزہ لینا مقصود ہے

تجوید و قرأت سے متعلقہ تالیفات

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس فن میں کم و بیش دس کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان سب کا مختصر تعارف زیر نظر مجموعہ مقالات اشرفیہ" کے مقالے، حکیم الامت کے آثار علمیہ "میں کرادیا گیا ہے اس مقالہ میں موضوع کی مناسبت سے مزید چند ضروری باتوں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق وجوب علم تجوید و قرأت

حضرت حکیم الامت تھانویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ اس علم کے تین شعبے ہیں۔

(۱) تصحیح حروف بقدر امکان و رعایت وقوف بایں معنی کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد و اختلال ہو وہاں وقف نہ کرے اور اضطرار میں عفو ہے لیکن ایک دو کلمہ کا اعادہ کر لینا احوط ہے یہ دونوں امر تو واجب ہیں علی العین اور جس کو سعی کرنے پر بھی حصول سے یاس ہو جاوے وہ معذور ہے۔

(۲) اور ایک شعبہ اختلاف قرات ہے یہ مجموع امت پر واجب علی الکفایہ ہے کہ اگر بعضے جاننے والے موجود ہوں یا بعض ایک قرآت کے حافظ ہوں اور بعض دوسری کے تو یہ واجب سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے۔

(۳) اور ایک شعبہ ادغام و تفخیم واظہار واخفاء وغیرہا کی رعایت ہے یہ مستحب ہے۔

يظهر هذا كله من المراجعة الى كتب الفقه والقراءة

(امداد الفتاوی ص۲۰۱ ج۱)

خلاصہ یہ ہے کہ تجوید کا ایک شعبہ قادر پر واجب علی العین ہے وہ حروف کا صحیح کرنا اور مواضع وقف کی رعایت کرنا ہے، دوسرا شعبہ اظہار و اخفاء وغیرہا کی رعایت کا ہے یہ مستحب ہے، تیسرا شعبہ اختلاف قرأت کا ہے اور یہ امت پر واجب علی الکفایہ ہے

تجوید کی ضرورت اور اس میں کوتاہیوں کی تفصیل

حضرتؒ کے ذیل کے ارشاد سے بھی تجوید کی ضرورت کے ساتھ اس سلسلہ میں کوتاہیوں کی تفصیل کا علم ہوتا ہے۔

۱۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض دوانا بھی پڑھتے ہیں مگر اس کی تصحیح کی طرف اصلاً توجہ نہیں فرماتے نہ مخرج کی خبر نہ صفات کا اہتمام نہ نقص و زیادت سے تحاشی کوئی صاحب "ض" کو صاف مخرج "ظ" سے ادا کرتے ہیں اور کوئی صاحب مخرج "د" سے، 'ث' س' ص' میں ان کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں، الف کے موقع پر نرا فتح پڑھنا اور فتح کی جگہ الف ملا دینا بعض کی عادت ہوگئی ہے نہ بے موقع وقف کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے بعض موقع پر معنی میں فساد ہو جاتا ہے۔ (اصلاح انقلاب ص ۴۰ ج۱)

آگے فرماتے ہیں!

ہر چند کہ وجوب کے متعلق کلام طویل اور مقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کی تصحیح واجب علی العین ہے جب تک کہ عدم قدرت و عدم مساعدت لسان متیقن نہ ہو جائے، جس کی موٹی دلیل یہ ہے کہ بدون اس قدر تصحیح کے قرآن کی عربیت باقی نہیں رہتی، اور عربیت بدلالت خصوص لوازم قرآن سے ہے، پس اس کے نہ رہنے سے قرآن نہ رہیگا، پس اس کی ضرورت میں کیسے اشتباہ ہو سکتا ہے۔ (اصلاح انقلاب ص۱۴۱ ج۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

میں تو کہتا ہوں کہ تجوید کا سیکھنا فرض ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے جس کا عربی میں پڑھنا فرض ہے اور عربیت کے موافق صحیح تلفظ بدون تجوید کے نہیں آسکتا۔ تو تجوید کا سیکھنا فرض ہوا۔

(اشرف الجواب ص ۲۲۵ ج۲)

تجوید و قرأت کا مختصر تعارف

تجوید: تجوید کے لغوی معنی ہیں سنوارنا، خوبصورت بنانا۔ جودت کے معنی عمدہ ہونا ہیں، تجوید باب تفعیل سے اس کا مصدر ہے

اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف و کلمات کو صحیح مخارج سے برعایت صفات لازمہ، مقومہ، محسنہ بلا تکلف و تعسف کے لطافت و خوبی کے ساتھ ادا کرنا جس میں افراط و تفریط نہ ہو بلکہ اعتدال ہو

(تذکرہ قاریان ہند صفحہ ۱۱) علامہ محقق جزریؒ نے اپنی بے نظیر محققانہ کتاب "النشر میں تجوید کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے' فرماتے ہیں

فالتجوید ھو حلیة التلاوة وزینة القراءة و ھواعطاء الحروف حقوقھا و ترتیبھا و مراتبھاوردالحروف الی مخرجه واصله والحاقه بنظیره وتصحیح لفظه و تلطیف النطق به علی حال ضیعة و کمال ھیئة من غیرا سراف ولا تعسف ولا افراط ولا تکلف

تجوید تلاوت کا زیور اور قرأت کی زینت ہے' حروف کے حقوق ادا کرنا اور ان کے مراتب وترتیب کا لحاظ رکھنا حروف کو ان کے مخارج اور اصل مقام سے ادا کرنا- مکرر ادائی میں یکسانیت ملحوظ رکھنا' لفظ کی ساخت وہیئت کے اعتبار سے اس کے تلفظ کا اہتمام کرنا' ادا میں لطافت پیدا کرنا کہ نہ تو حد سے تجاوز ہو جائے اور نہ بے راہ روی کی صورت پیدا ہو اور نہ افراط و تفریط تکلف ہو نہ اسراف وتعسف" آگے فرماتے ہیں

وللہ الدر الحافظ ابی عمر والد انی حیث یقول ولیس بین التجوید وترکه الاریاضة لمن تدبره بفکه فلقد صدق وبصرواوجز فی القول وما قصر"

حضرت حافظ ابو عمر والدانیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ تجوید کا حصول وعدم حصول مشق ذہن پر منحصر ہے علامہ جزری فرماتے ہیں کہ علامہ دانی نے

اس قول میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے علامہ جزریؒ نے خود بھی اپنے مقدمة الجزریة کے ایک شعر میں یہی مضمون ادا کیا ہے فرماتے ہیں

ولیس بینه وبین ترکه الاریاضة امرء بفکه

یعنی تجوید کا حصول اور غیر حصول آدمی کے مشق ذہن ہی پر منحصر ہے اور تجوید کی تعریف میں بھی علامہ جزری نے اسی طرح ارشاد فرمایا' فرماتے ہیں

وھوا عطاء الحروف حقھا من صفة لھاو مستحقھا

تجوید یہ ہے کہ حرفوں کو ان کا حق دیا جائے اور جس حرف کی جو صفات ہیں ان کے ساتھ ادا کیا جائے

وردکل واحد لاصله واللفظ فی نظیره کمثله

اور ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کیا جائے -اور جس طرح ایک دفعہ ادا کیا جائے اسی طرح دوبارہ ادا کیا جائے

مکملا من غیر ماتکلف
باللطف فی النطق بلا تعسف

اداء کمال کے ساتھ ہو کہ تکلف نہ معلوم ہو" تلفظ میں لطافت ہو" سختی اور گرانی نہ ہو" چونکہ تجوید میں علم اور ادا دونوں چیزیں ہیں اس لئے صرف تجوید و قرات کی کتابیں پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ استاذ سے سبقاً سبقاً مشافہۃً پڑھ کر اس کی سند حاصل کرنا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد الاریاضة امرء بفکه سے معلوم ہو رہا ہے-

اسی مضمون کو حضرت تھانویؒ نے اپنے رسالہ تجوید القرآن میں اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

کیا ہے وہ تجوید اور علم اداء	حق ادا کرنا ہے ہر ایک حرف کا
یعنی مخرج اور صفات کا ہو خیال	تیسرے زینت ہے اے نیکو خصال

(تجوید القرآن ص ۲)

آگے فرماتے ہیں!

معتبر جب ہے کہ ساری کیفیت	قاریوں کے منہ سے سن لے اور صفت
اور رسالوں اور کتابوں سے کہیں	ہوتا ہے حاصل یہ فن اے مرد دین
ضبط کے واسطے ہیں یہ سب متون	سیکھ لے اس فن کو از اہل فنون

(تجوید القرآن ص ۵)

کتابوں رسالوں سے فن کے ضبط اور یاد کرنے میں مدد ملتی ہے اس لئے اس کا پڑھنا پڑھانا بھی ضروری ہے کتابوں سے علم تو آجاتا ہے مگر اداء مشافہۃ استاذ سے پڑھنے کے بغیر معتبر نہیں ہے۔

حضرت ملا علی قاری اشعار مذکورہ کی تشریح کرتے ہوئے حق الحروف و مستحقہا کا فرق اس طرح بتلاتے ہیں۔

ان حق الحرف صفة لازمة له من همس و جهر و شدة ورخاوة و غير ذلک من الصفات الماضية و مستحقها ماينشاء عن هذه الصفات كترقيق المستفل و تفخيم المستعلی و نحو ذلک من ترقيق الراءات و تفخيم بعضها وكذ احكم اللامات ويدخل في الثانی ماينشاء من اجتماع بعض الحروف الى بعض ماحكموا عليه بالاظهار والا دغام والاخفاء والقلب والغنة والمد والقصر وامثال ذلک فالحق صفة اللزوم والمستحق صفة العروض ولا يخفى ان اخراج الحروف من مخرجه في التجويد كما صرح به الناظم في كتاب التمهيد (المنح الفکریہ ص ۲۱)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر حرف کو مع اس کی صفات لازمہ کے اس کے مخرج سے ادا کرنا تجوید کی حقیقت میں داخل ہے باقی صفات غیر لازمہ زینت اور تحسین کے لئے ہیں' اسی حقیقت کو حضرت تھانویؒ نے تجوید القرآن کے مذکورہ اشعار میں سادہ لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت نے جمال القرآن میں اس کی مزید وضاحت اس طرح فرمائی ہے:۔

وہ (صفات) دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ہی نہ رہے۔ ایسی صفت کو ذاتیہ اور لازمہ اور ممیزہ اور مقومہ کہتے ہیں۔

اور ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو حرف تو وہی رہے گا مگر اس کا حسن و زینت نہ رہے اور ایسی صفت کو محسنہ 'مزینہ 'محلیہ 'عارضیہ 'کہتے ہیں۔

(ص ۸)

تجوید کی اہمیت وضرورت

تجوید کی اہمیت کے بارہ میں علامہ جزری کے اشعار ذیل قابل لحاظ اور خصوصی توجہ کے مستحق ہیں فرماتے ہیں :-

والاخذ بالتجوید حتم لازم　　من لم یجودالقرآن آثم

تجوید کا حاصل کرنا واجب ولازم ہے 'جو شخص قرآن پاک کو تجوید سے نہ پڑھے گنہگار ہے

لانه به الاله انزلا　　هكذا منه الينا وصلا

اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تجوید کے ساتھ اتارا ہے 'اور وہ ہم تک اسی طرح پہنچا ہے-

وهو ايضاً حلية التلاوة　　وزينة الاداء والقراءة

تجوید تلاوت کا زیور بھی ہے اور قرائت واداء کی زینت بھی ہے

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنے رسالہ تجوید القرآن منظومہ میں تجوید کی ضرورت کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

کیونکہ واجب تر ہو اعلم ادا　　نام ہے تجوید جس کا اے فتا

رتل القرآن ترتیلا سنو　　اس وجوبی امر سے غافل نہ ہو

جو کہ بے تجوید پڑھتا ہے غبی　　رب تال اس کو کہتے ہیں نبیؐ

حضرت تھانویؒ ان اشعار میں علم اداء کو واجب قرار دیتے ہوئے اس کا نام تجوید بتلا رہے ہیں اور اس کے واجب ہونے کی دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں- پہلی دلیل کا ذکر قرآنی آیت رتل القرآن ترتیلا میں امر کو وجوب پر محمول کر کے کیا ہے-

اور دوسری دلیل میں حدیث رب تال للقرآن والقرآن یلعنه (بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر کرتا ہے) کا ذکر کیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بلا عذر غلط پڑھتے ہیں اور صحیح پڑھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے 'البتہ اگر کوشش کے بعد بھی صحیح نہ ہو تو عذر قبول ہے-

حضرت تھانویؒ بھی اسی تجوید القرآن میں فرماتے ہیں :-

بعد کوشش کے نہ ہو گر حصول　　عذر اس کا شرع میں جب ہے قبول

نیز اپنے مشہور فتاویٰ "امداد الفتاویٰ" میں بھی اسی آیت کو وجوب اداء کی دلیل کے طور پر بیان فرمایا ہے 'فرماتے ہیں!

اس کے سیکھنے میں کوشش کرنا ہمیشہ واجب ہے لقولہ تعالیٰ- ورتل القرآن ترتیلا" در تفسیر حسینی تحت این آیت آوردہ وانہ مرتضی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کردہ اند کہ مراد بترتیل حفظ وقوف است واداء حروف 'انتہی اور رتل وجوب کے لئے ہے اس کی تعمیل میں سعی کرنا واجب ہے اور اگر جہد وطلب میں کوتاہی کرے گا گنہگار ہوگا-

لما مر فی الامر المذکور (امداد الفتاویٰ ص ۱۹۰ ج ۱)

علامہ جزری کے مقدمہ کے تینوں اشعار نقل کر کے حضرت والاؒ فرماتے ہیں-

شعر اول سے تجوید کا وجوب اور ثانی سے رعایت صفت کا اور ثالث سے رعایت مخارج کا ماہیت تجوید ہونا ثابت ہے- (امداد الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۶۲)

خلاصہ یہ کے ہر حرف کو اس کے مخرج سے مع رعایت اس کی

صفات کے ادا کرنا تجوید کی حقیقت ہے اور بقدر استطاعت اس کی کوشش کرنا لازم اور اس کا ترک لحن اور گناہ ہے

اقسام لحن

لحن کے اقسام اور اس کے احکام جمال القرآن میں حضرت تھانویؒ نے تفصیل سے بیان فرمائے ہیں-خلاصہ اس کا یہ ہے کہ لحن دو قسم پر ہے-

ایک یہ کہ ایک کو حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا یا کسی حرف کو بڑھا دیا یا کسی حرف کو گھٹا دیا یا زبر 'زیر' پیش 'جزم میں ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ دیا ان کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہے- (حقیقۃ التجوید)

اور بعض جگہ اس سے معنی بگڑ کر نماز بھی جاتی رہتی ہے-اور دوسری قسم یہ کہ ایسی غلطی تو نہیں کی لیکن حرفوں کے حسین ہونے کے جو قاعدے مقرر ہیں ان کے خلاف پڑھا جیسے پڑ کی جگہ باریک پڑھ دیا-اس کو لحن خفی کہتے ہیں-اور یہ مکروہ ہے-(ایضا)

علامہ جزریؒ کے اشعار بالا سے تجوید کی ضرورت واہمیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے حضرت جبریل علیہ السلام اس کو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھتے تھے آپ بھی اسی طرح پڑھتے تھے اور " فاذا قراناہ فاتبع قرآنہ" سے اسی قرآت جبریل کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تجوید کے ساتھ پڑھا- اسی بناء پر حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت ابن عامر کا قول ہے کہ :-

"تجوید سنت متبعہ ہے پچھلا اگلے سے اخذ کرتا چلا آتا ہے پس تم کو جس طرح سے پڑھایا جائے اسی کو اختیار کرو"

غرض کہ ناقلین کی سعی اور محنت سے قرآن مجید ہم تک تجوید کے ساتھ پہنچا ہے اور تجوید کے ساتھ ہی وہ نازل ہوا ہے اور جس طرح نازل ہوا ہے اسی طرح ہمیں پڑھنے کا حکم ہے چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابت ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے کہ تقرء والقران کما علمتم" قرآن مجید کو اسی طرح پڑھو جس طرح تم کو سکھلایا گیا" (تذکرہ قاریان ہند)

حضرت تھانویؒ کے دو رسالے اور سبب تالیف واجمالی کیفیت

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دو منظوم (اردو) رسالے ہیں ایک کا نام تجوید القرآن ہے دوسرے کا نام یادگار حق القرآن ہے-سب سے پہلا رسالہ اردو نظم میں تجوید القرآن ہے اس کے دو سو (۲۰۰) اشعار ہیں یہ رسالہ نہایت آسان اور عام فہم زبان میں بہت ہی مفید اور کارآمد ہے-

تجوید القرآن

حضرت تھانویؒ نے یہ رسالہ اپنے قیام مکہ معظمہ کے دوران غالباً ۱۳۱۰ھ میں مدرسہ صولتیہ کے ہندی طلباء کے لئے نظم فرمایا تھا یہ رسالہ مدرسہ کے نصاب میں داخل رہا ہے- حضرت تھانویؒ نے خود بھی اس مدرسہ میں حضرت شیخ القراء قاری محمد عبداللہ مہاجر مکیؒ سے اسی زمانے میں تجوید و قرات کی تعلیم حاصل کی تھی اپنے استفادہ کے ساتھ طلبہ مدرسہ کو اس رسالہ کی شکل میں یہ افادہ بھی فرمایا تھا-

اس مدرسہ صولتیہ کے بانی ایک جلیل القدر ہندی عالم حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ ضلع مظفر نگر (یو-پی) تھے جو ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے-

رسالہ کی افادیت

حضرت موصوفؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ جو اس وقت مدرسہ کے مہتمم تھے، حضرت تھانویؒ کے اس منظوم رسالہ کی افادیت کے بارہ میں فرماتے ہیں-

یہ رسالہ جو اس وقت [illegible] کے ہاتھ میں ہے میرے واجب الاحترام دوست مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے قیام مکہ معظمہ زادہا اللہ [illegible] کے ایام میں مدرسہ صولتیہ کے طالب علموں کے واسطے نظم فرمایا تھا [illegible] مذکورہ کے نصاب میں داخل ہے- عام فہم اور

اردو ہونے کی وجہ سے رسالہ مبتدی طلباء اور کم عمر بچوں کے لئے نہایت کار آمد اور مفید ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ شائقین علم اس رسالہ کی قدر کریں گے اور ہندوستان کے حفاظ سے اس الزام کو دور کریں گے کہ ہندی قرآن غلط پڑھتے ہیں-

محمد سعید کیرانوی مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ (تجوید القرآن ص ۲)

خود حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی مشہور عام دوسری کتاب "جمال القرآن" کے شروع میں "مشورہ مفید" کے عنوان سے فرمایا ہے کہ :-

اول اس رسالہ کو (جمال القرآن) کو خوب سمجھا کر پڑھا دیں اور ہر شے کی تعریف اور مخارج و صفات وغیرہ خوب یاد کرا دیں- اس کے بعد رسالہ تجوید القرآن نظم حفظ کرادیا جائے اور اگر فرصت کم ہو تو رسالہ حق القرآن یاد کرادیا جائے- (جمال القرآن ص ۲)

تفصیلی کیفیت

یہ رسالہ ابتدائی اشعار کے علاوہ جس میں تجوید کی ضرورت اور تعریف وغیرہ کا بیان ہے سات ابواب پر مشتمل ہے-

پہلا باب مخارج حروف میں دوسرا باب صفات حروف کے بیان میں تیسرا باب بیان میں احکام نون ساکن و تنوین کے اور اس میں پانچ فصلیں ہیں- باب چہارم احکام میم ساکن وغیرہ میں اور اس میں دو فصلیں ہیں باب پنجم اقسام مد میں اور اس میں چار فصلیں ہیں باب ششم بیان میں ترقیق و تفخیم حرفوں کے باب ہفتم بیان میں کیفیت استعمال حروف و قرآت کے اور یہ چھ

فصلوں پر مشتمل ہے۔

یادگار حق القرآن

تجوید میں حضرت تھانوی کی دوسری تصنیف لطیف یہ مختصر اردو منظوم رسالہ ہے یہ تریسٹھ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کی تالیف ۱۱ صفر ۱۳۱۱ھ میں ہوئی تھی۔

سبب تالیف اور اجمالی کیفیت

یہ رسالہ حضرت تھانوی نے اپنے مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے طلباء کے لئے نظم فرمایا ہے حضرت والاؒ رسالہ کے شروع میں فرماتے ہیں :۔

بعد اس کے سن کہ کی امداد العلوم ۔۔۔ مدرسہ دینی ہے یاں اے ذی فہوم
اس کا ایک شعبہ ہے تعلیم قرآن ۔۔۔ حق قرآن نام ہے اس کا عیاں
جی میں آیا اس کے بچوں کے لئے ۔۔۔ نظم ہو جائیں ضروری قاعدے
تاکہ وہ اور اور بھی ہوں مستفید ۔۔۔ سب کے حق میں ہوں الٰہی یہ مفید

(یادگار حق القرآن ص ۱۶)

اس مختصر رسالہ میں چودہ درج ذیل عنوانات کے تحت تجوید کے احکام نظم فرمائے ہیں 'بیان مخارج حروف' بیان اظہار' ادغام نون' اقلاب نون' اخفاء نون' نون قطنی' ابدال تنوین بالالف' احکام میم' حروف غنہ'

حروف قلقلہ' تفخیم و ترقیق' مد' روم و اشمام' متفرق ضروریات

اوپر حضرت تھانوی کا مشورہ کم فرصت والوں کے لئے گذر چکا ہے کہ ان کو رسالہ یادگار حق القرآن یاد کروایا جاوے یہ رسالہ در حقیقت رسالہ تجوید القرآن کی تلخیص ہے البتہ اس میں صفات حروف کا بیان نہیں کیا گیا۔ جبکہ تجوید القرآن میں صفات کا بیان بہت بسط و تفصیل سے کیا گیا ہے ان دونوں رسالوں سے حضرت والا کی اردو میں بھی نظم پر صلاحیت بلکہ مہارت و قدرت کا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو نظم پر پوری دسترس اور کامل قدرت حاصل ہے آپ بڑی سلاست اور روانگی کے ساتھ دقیق علمی مضمون اور اصطلاحی الفاظ کو سلک نظم میں پرونے کی کامل قابلیت و اہلیت سے سرفراز ہیں۔

جمال القرآن

حضرت حکیم الامت کی تجوید میں تیسری مشہور و مقبول عام کتاب جمال القرآن ہے برصغیر کے تقریباً ہر اہم مدرسہ میں بلا امتیاز مذہب فکر یہ کتاب داخل درس ہے اس کے بغیر تجوید کا نصاب نامکمل سمجھا جاتا ہے۔

مختلف حضرات قراء کرام نے اس پر مختصر اور مطول حواشی اور شروح تحریر فرمائے ہیں۔

احقر کے ناقص فہم کے مطابق اس کے حواشی میں استاذنا حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب سابق صدر شعبہ قرآت دار العلوم دیوبند کا

حاشیہ تسہیل الفرقان نہایت مفید اور جامع حاشیہ ہے۔

سبب تالیف اور مختصر تعارف

حضرت تھانویؒ نے یہ کتاب مولانا حکیم محمد یوسفؒ صاحب مہتمم مدرسہ قدوسیہ گنگوہ ضلع سہارنپور "یوپی" کی فرمائش پر تصنیف فرمائی اس کے ماخذ میں مولانا قاری عبدالوحید صاحب سابق صدر شعبہ قرآت دارالعلوم دیوبند کی کتاب (ہدیۃ الوحید) سرفہرست ہے۔

حضرت فرماتے ہیں۔

یہ چند اوراق ہیں ضروریات تجوید میں مسمی جمال القرآن اور اس کے مضامین کو ملقب بہ لمعات کیا جائے گا۔ محبی مکرمی مولوی حکیم محمد یوسف صاحب مہتمم مدرسہ قدوسیہ گنگوہ کی فرمائش پر کتب معتبرہ خصوص رسالہ ہدیۃ الوحید مولفہ قاری مولوی عبدالوحید صاحب مدرس اول درجہ قرات مدرسہ عالیہ دیوبند سے ملتقط کر کے بہت آسان عبارت میں جسکو مبتدی بھی سمجھ لیں لکھا گیا ہے اور کہیں کہیں قرأت کے دوسرے رسالوں سے بھی لکھا گیا ہے وہاں ان رسالوں کا نام بھی لکھ دیا ہے اور کہیں اپنی یاداشت سے کچھ لکھا ہے وہاں کچھ نشان بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

رسالہ ہدیۃ الوحید کے علاوہ جمال القرآن میں جن مآخذ کی تصریح کی ہے ان میں۔ حقیقۃ التجوید درۃ الفرید' جہد المقل اور تعلیم الوقف شامل ہیں۔

تفصیلی تعارف اور افادیت

علم تجوید میں حضرت تھانویؒ کی کتاب جمال القرآن بہت ہی اہم اور مفید ہے یہ مختصر تمہید خاتمہ کے علاوہ چودہ (۱۴) لمعات پر مشتمل ہے اسکے کل ۳۲ صفحات ہیں۔ کتاب کے پڑھنے سے اس علم میں کمال اور کتاب اللہ کو سنوار کر پڑھنے کا جمال میسر آتا ہے جس طرح چودھویں کا چاند اپنی آن بان اور آب و تاب سے کمال و جمال دکھلاتا ہے گویا جمال القرآن کا پڑھنا بھی اسی طرح زیب وزینت اور تحسین و تجوید میں کمال و جمال کا وسیلہ ہے۔

جمال القرآن کے خاتمہ میں حضرت مؤلف فرماتے ہیں کہ :- چاند کا لمعہ بھی چودھویں رات کو ہوتا ہے اور یہاں بھی چودھویں لمعہ کے ختم پر سب مضامین پورے ہو گئے اس لئے یہاں پہنچ کر رسالہ ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرمائے طالب علموں سے خصوص بچوں سے خصوص قدوسیوں سے . ثنائے مولیٰ کی دعا کا طالب ہوں۔ ۵ صفر ۱۳۳۲ھ

اس کے آخر میں لکھی ہوئی تاریخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کتاب ۵ صفر ۱۳۳۲ھ کو اختتام کو پہنچی۔ جمال القرآن کا اسلوب بیان نہایت عام فہم اور بڑا ہی سادہ ہے' جو حضرت مصنفؒ کی کمال مہارت فن اور جامعیت کا کامل ثبوت ہے پہلے لمعہ میں تجوید کی تعریف اور دوسرے میں تجوید کے خذف اور لحن جلی اور لحن خفی کا بیان تیسرے لمعے میں اعوذباللہ بسم اللہ پڑھنے

کا بیان ہے چوتھا لمعہ مخارج حروف اور پانچواں صفات لازمہ کے بیان میں ہے۔ صفات کے بیان کے آخر میں پانچ فوائد بھی ہیں جن میں تجوید سے متعلق بڑے قیمتی افادات سے نوازا گیا ہے۔

چھٹے لمعہ میں ان آٹھ حرفوں کا بیان ہے جن میں صفات عارضہ محسنہ پائی جاتی ہیں۔ ساتواں لمعہ لام کے قاعدوں اور آٹھواں راء کے قاعدوں میں ہے اس کے ضمن میں چھ تنبیہات کا بھی ذکر ہے نواں لمعہ میم ساکن اور مشدد کے قاعدوں میں اور دسواں نون ساکن اور مشدد کے قاعدوں میں گیارھواں لمعہ الف اور واو اور یاء کے قاعدوں یعنی مدوں کے بیان میں ہے اس لمعہ میں دو تنبیہات حروف مقطعات کی مد کے بارے میں ہیں اور دو تنبیہات مد ولین سے متعلق ہیں اور ایک مد اصلی اور فرعی کے فرق کے بیان میں ہے بارھویں لمعہ میں ہمزہ کے قاعدے بیان کیئے گئے ہیں' تیرھویں میں وقف کے مقامات اور ان پر وقف کرنے کے قواعد کا ذکر ہے اس میں ایک تنبیہ میں ان کلمات کا ذکر کیا گیا ہے جو اس قاعدہ سے مستثنٰی ہیں کہ کلمہ جس طرح لکھا ہوا ہے اس کے موافق وقف ہوتا ہے۔ چودھواں لمعہ فوائد متفرقہ ضروریہ کے بیان میں ہے اس جگہ پندرہ فوائد لکھے گئے ہیں اور آخر میں ایک تنبیہ بھی ہے کہ یہ قاعدے امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں جن کی روایت کے موافق ہم لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

سند روایت امام حفصؒ

حضرت امام حفص رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید حاصل کیا ہے امام عاصم تابعی سے اور انہوں نے زربن جیش اسدی اور عبد اللہ بن حبیب سلمی سے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور ان سب نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ (ص ۳۱)

اس سے روایت حفصؒ کی سند قرآت بھی معلوم ہوگئی کہ ان کے استاذ امام عاصم تابعی ایک واسطہ سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں جن میں حضرت عثمان حضرت علی کے علاوہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت استاذی مولانا قاری محی الاسلام صاحب پانی پتیؒ فرماتے ہیں۔

یہ مقبولیت خداداد ہے کہ صدیوں سے مکاتب و مدارس میں صرف روایت حفص پڑھائی جاتی ہے اور روئے زمین پر ایک ہزار حفاظ میں سے تقریباً نو سو ننانوے آدمیوں کو صرف یہی روایت یاد ہے اور ایسا شاید کوئی نہ ہو جس نے یہ روایت نہ پڑھی ہو۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء'

علی رغم نحاۃ کہ یہ قرات مروج ہی نہ ہونی چاہیئے تھی کیونکہ نحاۃ ہمز تین کی تحقیق کی وجہ سے قرآت عاصم پر اعتراض کرتے تھے۔

(مقدمہ شرح سبعہ قرات مصنفہ قاری محی الاسلام صاحب ص ۳۸)

جمال القرآن

یہ بڑی جامع کتاب ہے اور نہایت آسان اردوزبان میں لکھی گئی ہے یہ کتاب تجوید کے ضروری مسائل پر حاوی اور عمدہ تحقیقات پر مشتمل ہے اس کو سمجھا کر پڑھادیا جائے تو اس علم کی بڑی بڑی کتابوں کا پڑھنا آسان ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت مؤلف علیہ الرحمۃ کی کتاب بہشتی زیور کو اردو کتابوں میں فقہی مسائل کا مرجع بنادیا ہے عام مسلمانوں کے ساتھ خواص کے لئے بھی اس کو مفید بنایا اور ایسی عام قبولیت اور شہرت سے نوازا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گھر اس سے خالی نہ ہوگا- نہایت عام فہم زبان میں منقح مفتی بہ مسئلہ اس سے مع حوالہ کتاب دستیاب ہو جاتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ جل وعلاشانہ' نے جمال القرآن کو علم تجوید میں ایک خاص مقام عطا فرمایا ہے اور اس کو وہ خداداد قبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ شاید ہی کوئی مکتب اور مدرسہ اس کی تعلیم سے خالی ہو گویا اس زمانہ میں علم تجوید کی تکمیل اس کتاب کے بغیر نہیں ہوتی۔

صرف بر صغیر ہی کے علماء تجوید اسکی تعریف نہیں کرتے اور اس کے مفید ہونیکے قائل نہیں بلکہ قراء عرب سے بھی اس کی تعریف سنی ہے۔ عرب کے مشہور قاری عبدالوہاب صاحب مکی جن کا عرصہ سے

لاہور میں قیام ہے اور علم قرات کی خدمت کر رہے ہیں وہ بھی اس کو پڑھاتے ہیں- احقر کے سوال پر انہوں نے بھی اس کی افادیت کی تعریف کرتے ہوئے احقر سے فرمایا تھا کہ جمال القرآن میں صفات حروف کا بیان جس طرح عام فہم اور سلیس عبارت میں واضح طور پر لکھا ہے ایسا کسی اردو کتاب میں نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اہل فن ہی اس کی افادیت کو جان اور اس کی قدر کو پہچان سکتے ہیں-

تحقیق مخرج ضاد

مخارج میں سب سے زیادہ مشکل مخرج "ض" کا ہے حضرت مصنف فرماتے ہیں مخرج نمبر ۸ ضاد کا ہے اور وہ حافہ لسان یعنی زبان کی کروٹ داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے جب کہ اضراس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھوں کی جڑ سے لگادیں- اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں-(ص ۶)

امداد الفتاویٰ میں بھی حضرت مصنف نے ارشاد فرمایا ہے-

ضاد کے مخرج میں حافہ لسان کو اوپر کی پانچوں ڈاڑھوں (ضاحک اور طواحن اور نواجذ داہنی یا بائیں طرف) کی جڑوں سے ملانا چاہیے صرف ایک دو کے ساتھ ملانا کافی نہیں اور نیچے کے اضراس سے ملانا غلط ہے-

(ص ۲۱۶ ج ۱)

اس عبارت میں مزید تشریح فرمادی گئی ہے کہ صرف ایک دو

ڈاڑھوں سے ملانا کافی نہیں ہے۔ (کیونکہ اس طرح ضاد مستجنہ ضاد ضعیف) نکلتا ہے جس کا قرآن میں پڑھنا جائز نہیں ہے) اوپر کی پانچوں داڑھوں سے ملانا ضروری ہے۔

دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ نیچے کے اضراس سے ملانا غلط ہے جب کہ اس کا مخرج اوپر کی ڈاڑ ہیں تو ظاہر ہے کہ نیچے کی ڈاڑھوں سے ملانا غیر مخرج سے نکالنا اور غلط ہوگا۔

دال یا خالص ظاء پڑھنا دونوں غلط ہیں

حضرت مصنفؒ جمال القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں اس لئے کسی مشاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے اس حرف کو دال پُر یا باریک یا دال کے مشابہ جیسا کہ آج کل اکثر لوگوں کو پڑھنے کی عادت ہے ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے کہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح خالص ظاء پڑھنا بھی غلط ہے البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے دال کے مشابہ بالکل نہیں ہوتی علم تجوید اور قرآت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے (جمال القرآن ص ۶)

امداد الفتاویٰ میں مزید فرماتے ہیں کہ :-

اس میں جو دو عادتیں ہوگئی ہیں ایک مخرج دال سے نکالنا دوسرے مخرج ضاء سے نکالنا دونوں غلط ہیں مخرج صحیح سے نکالنا چاہیے اس سے صوت مشابہ ظاء کے پیدا ہوگی نہ عین ظاء کی، مشاق کے ادا کرنے میں "ذ" اور "ض" اور "ظ" میں فرق متمیز ہوتا ہے۔ (ص ۱۹۱ ج ۱)

اور اس کی تشریح حضرت مصنف کے الفاظ میں اس طرح ہے فرماتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ تغایر مخرج تغایر حروف خارجہ پر دلالت کرتا ہے اور تغایر ضاد و دال و ذال و ظا مجمع علیہ اور مصرح بہ ہے کما لا یخفی پس یہ دلیل ہے اس پر کہ ذات ضاد اور ہے اور ذات ظاء و دال اور، جب تغایر ذاتی ثابت ہوگیا تو اب ضاد کو ظاء یا دال پڑھنا ایسا ہے جیسا کہ باء کو تا، ثاء کو جیم حاء کو خا وہذا باطل بالاجماع فکذا ذلک اور اتحاد صفات سے اتحاد موصوف لازم نہیں۔ جیسا جیم اور دال کو صفات جہر، شدت، وانفتاح، وانخفاض واصمات و قلقلہ میں متحد ہیں، باوجود اتحاد اوصاف مذکورہ کے پھر ان دونوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے وعلیٰ ہذا القیاس

اسی طرح ضاد و دال میں تفاوت بلیغ ہے کہ محض تغایر فی المخرج و اطباق فاصل ہے (حصر اضافی ہے پس اس سے نفی استطالت نہ سمجھی جاوے ۱۲) کما صرح بہ فی المفتاح الرحمانی فی علم القراءۃ -" لولا الاطباق فیھا لکان الصاد سیناو الطاء تاءً والظاء ذالاً والضاد دالاً " اس سے ثابت ہوا کہ ظاء کو ذال کے ساتھ اور ضاد کو دال کے ساتھ قرب تام ہے کہ فقط اطباق (اور استطالت) ممیز ہے بلکہ باعتبار مخرج کے

ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ قرب ہے بہ نسبت ظاء کے..... پس محقق ہوا کہ جیسا ضاد کو ظاء کے ساتھ تشابہ ہے ویسا ہی یا زیادہ دال کے ساتھ ہے اور جیسا دال کے ساتھ تغایر ذاتی ہے ویسا ہی ظاء کے ساتھ' پس ضاد کو ظاء و دال دونوں کے ساتھ اقل درجہ برابر نسبت ہوئی اور دونوں جواز و عدم جواز میں متساوی الاقدام ہیں (یعنی باعتبار اقربیت مخرج کے نہ کہ صفات و صوت کے) اگر ضاد کو ظاء پڑھنا جائز تو دال بھی پڑھنا جائز اور اگر دال پڑھنا جائز نہیں تو ظاء پڑھنا بھی جائز نہیں اور اول یعنی ضاد کو بصوت دال و ظاء پڑھنا بالا جماع باطل ہے پس ثانی متعین ہو گیا کہ کسی کی صوت میں پڑھنا جائز نہیں الخ (ص ۱۸۹' ۱۹۰ ج ۱)

جمال القرآن کے حاشیہ "تسہیل الفرقان" مصنفہ حضرت استاذی مولانا قاری حفظ الرحمان صاحبؒ سابق صدر شعبہ تجوید و قرآت دارالعلوم دیوبند میں بعض جدید و مفید تحقیقات کی تفصیل کے ساتھ ضاد کے ادا کرنے کے طریقہ کی عمدہ تقریر بھی درج ہے اس کو غور سے ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے۔

حرف تاء اور کاف میں صفت ہمس اور شدت کے جمع ہونے پر شبہ کا جواب

صفات لازمہ کے بیان میں حضرت مصنفؒ نے تاء اور کاف میں

صفت ہمس اور شدت کے جمع ہونے پر شبہ کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے۔

حرف تا اور کاف کو مہموسہ میں بھی شمار کیا گیا ہے حالانکہ ان میں آواز بند ہو جاتی ہے اور اسی واسطے ان کو شدیدہ میں شمار کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حرفوں میں ہمس ضعیف ہے اور شدت قوی ہے سو شدت کے قوی ہونے سے تو آواز بند ہو جاتی ہے لیکن کس قدر ہمس ہونے کے کچھ تھوڑا سا سانس بھی جاری ہوتا ہے مگر اس سانس کے جاری ہونے میں یہ احتیاط رکھنی چاہیئے کہ آواز جاری نہ ہو کیونکہ اگر آواز جاری ہو جاوے گی تو کاف و تاء شدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رخوہ ہو جاویں گے اور دوسرے اس میں ہاء کی آواز پیدا ہو کر غلط ہو جاوے گا۔

(جمال القرآن ص ۹)

رسالہ ضیاء الشمس فی اداء الہمس

بعض لوگ کاف اور تاء میں سانس کے جاری کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ صفت "شدت" زائل ہو کر ھاء ہوز کی آواز پیدا ہو جاتی ہے اور کاف اور تاء مخلوط بالہا ہو جاتے ہیں اور یہ سراسر غلط اور تمام کتب تجوید و قراءت اور اداء محققین کے خلاف ہے بلکہ کتاب النشر علامہ جزریؒ اور "منح الفکریہ" ملا علی قاریؒ اور تحفہ نذریہ" حضرت قاری عبدالرحمن پانی پتیؒ سے اس کی تردید ہوتی ہے' اس کی مفصل تحقیق مع جواب شبہات و توجیہ و مطلب عبارت "جہد المقل" رسالہ ضیاء الشمس فی اداء الہمس مؤلفہ قاری

محمد یامین صاحب سابق مدرس تجوید و قرأت امدادالعلوم خانقاہ تھانہ بھون ضلع
مظفر نگر میں مع تصدیقات اکابر فن مذکور ہے۔

تصدیق حضرت حکیم الامت تھانویؒ

حضرت حکیم الامت تھانویؒ رسالہ ضیاء الشمس فی اداء الھمس پر
تصدیق فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:۔
میں مدت سے ایسی تحقیق کا شائق تھا اس رسالہ کو دیکھ کر جوش
مسرت میں یہ شعر بیساختہ قلب میں آیا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر فی خواست
آخر آمد زپس تقدیر پدید

جزی اللہ تعالیٰ مؤلفہا خیر الجزاء۔ اشرف علی ۷ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ
(امداد الفتاوی ص ۲۱۵ ج ۱)

ایک ضروری اور اہم افادہ

حروف کی صفات لازمہ متضادہ اور غیر متضادہ کا تفصیلی بیان کرنے
کے بعد حضرت مصنفؒ نے ایک بہت ضروری اور اہم افادہ تحریر فرمایا ہے'
تجوید کی مشق کرنے والے طلباء کو خصوصاً اور ہم سب کو عموماً اس کا ہر وقت
پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ حضرت فرماتے ہیں!
فائدہ:۔ حروف کے مخارج اور صفات لازمہ میں کوتاہی ہونے سے جو

غلطیاں ہوتی ہیں فن تجوید کا اصلی مقصد ان ہی غلطیوں سے بچنا ہے اسی
واسطے مخارج اور صفات کا بیان سب قاعدوں سے مقدم کیا گیا ہے۔ اب
آگے جو صفات محسنہ کے متعلق قاعدے آویں گے وہ اس مقصود سے
دوسرے درجہ پر ہیں لیکن عام طور سے ان دوسرے درجہ کے قاعدوں کی
رعایت اس اصلی مقصود سے زیادہ کی جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان
قاعدوں سے نغمہ خوشنما ہو جاتا ہے اور لوگ نغمہ ہی کا زیادہ خیال کرتے ہیں
اور مخارج و صفات لازمہ کو نغمہ میں کوئی دخل نہیں اس لئے اس کی طرف
توجہ کم کرتے ہیں۔ (جمال القرآن ص ۱۳)

واقعی یہ کوتاہی عام ہو رہی ہے کہ صفات محسنہ جو کہ صفات لازمہ
کے مقابلہ میں دوسرے درجہ پر ہیں ان کا تو بہت زیادہ لحاظ کیا جاتا ہے اور ان
میں کوتاہی کو کوتاہی سمجھا جاتا ہے اور صفات لازمہ جو مخارج کے ساتھ مل
کر اس علم تجوید سے اصل مقصود ہیں ان کا لحاظ اس قدر نہیں رکھا جاتا اس
لئے مشق میں بھی کمی رہ جاتی ہے اور حروف کی ادائیگی کماحقہ نہیں ہوتی۔

حضرت حکیم الامتؒ نے اس کوتاہی کی جو وجہ دریافت فرمائی ہے
اور اس بیماری کی جو علت تشخیص فرمائی ہے وہ حضرت تھانوی کی حکمت ایمانی
کا ایک باب ہے اسی حکمت ایمانی سے کام لیتے ہوئے ایک اور افادہ تحریر
فرماتے ہیں جس کی طرف ہم سب کو عموماً اور علماء کو خصوصاً توجہ رکھنے کی
ضرورت ہے۔

افادہ ثانی

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں :-

جس طرح یہ بے پروائی کی بات ہے کہ تجوید میں کوشش نہ کرے اسی طرح یہ بھی زیادتی ہے کہ تھوڑے سے قاعدے یاد کرکے اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور دوسروں کو حقیر' اور ان کی نماز کو فاسد جاننے لگے یا کسی کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھے محقق عالموں نے عام مسلمانوں کے گنہگار ہونے کا اور ان کی نمازوں کے درست نہ ہونے کا حکم نہیں کیا- اس میں اعتدال کا درجہ قائم کرنا ان علماء کا کام ہے جو قرآت کو ضروری قرار دینے کے ساتھ فقہ اور حدیث پر نظر رکھتے ہیں- (جمال القرآن ص ۱۳)

ہر کام میں افراط و تفریط سے بچ کر شریعت کی مقرر کردہ راہ اعتدال پر گامزان ہونا ہی شریعت میں مطلوب اور صراط مستقیم پر چلنا ہے جس کی دعا اھدنا الصراط المستقیم میں سکھلائی گئی ہے- اور وکذلک جعلنا کم امة و سطا لتکونو اشھداء علی الناس میں اس امت مرحومہ کو اس کی بشارت دی گئی ہے-

تجوید و قرآت میں بھی اس راہ اعتدال پر عمل پیرا ہونا مقصود مطلوب اور یقیناً شریعت کے اعتدالی مزاج کے موافق ہوگا جس کی طرف حکیم الامتؒ نے اس افادہ میں توجہ دلائی ہے اور اس پر تنبیہ کی ہے- عام طور

پر دیکھنے میں آرہا ہے کہ تجوید کی طرف سے بے توجہی کی جاتی ہے خاص طور پر تصحیح مخارج و صفات لازمہ کی طرف سے بہت بے پروائی برتی جاتی ہے اگر کسی کو توجہ ہوتی بھی ہے تو صرف صفات محسنہ' مزینہ اور نغمہ اور لہجہ کے سیکھنے کی طرف ہوتی ہے- تصحیح مخارج اور صفات لازمہ کی طرف توجہ کم ہوتی ہے جس میں نفس کا وہی کید خفی کام کر رہا ہوتا ہے' کہ نغمہ اور لہجہ سے لوگوں میں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے جس کی اصلاح واجب ہے اللہ تعالی ہم سب کو اس طرح کی ریاکاری سے محفوظ اور اخلاص کے ساتھ اپنی کتاب کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں' آمین

تحقیق صفت تکریر

حروف کی صفات لازمہ میں (۱۵) صفت تکریر کے بیان میں حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ :-

مطلب اس کا یہ ہے کہ چونکہ اس کے ادا کرنے کے وقت زبان میں ایک رعشہ' یعنی لرزہ طاری ہوتا ہے اس لئے اس وقت آواز میں تکرار کی مشابہت ہو جاتی ہے- اور یہ مطلب نہیں کہ اس میں تکرار ظاہر کیا جاوے بلکہ اس سے بچنا چاہیئے اگرچہ اس پر تشدید بھی ہو کیونکہ وہ پھر بھی ایک ہی حرف ہے کئی حرف تو نہیں ہیں- (درۃ الفرید ملخصاً)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

امداد الفتاوی میں جمال القران کی اس عبادت پر کہ "اس سے بچنا چاہیے" زینت القاری کی عبارت ذیل!

"راء کو ایسا ادا کرے کہ اس کی صفت تکرار کی نہ جاتی رہے، پڑھی ہو اور صفت تکرار کی بھی باقی رہے خاص کر جب مشدد ہو" سے تعارض ظاہر کر کے اس کا جواب طلب کیا گیا۔ تو حضرت تھانویؒ نے حسب عادت اس کا جواب جناب قاری محمد یامین صاحب مدرس شعبہ تجوید مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے سپرد فرمایا۔ جناب قاری صاحب مرحوم نے اس کا جواب حسب ذیل لکھا جو امداد الفتاوی کا جزو ہے۔

"جمال القرآن کا قول محقق ہے کما قال المحقق ملا علی قاریؒ فی منح الفکریة علی المقدمة الجزریة فی شرح قول المتن وبتکریر جعل والمعنی ان الراء یوصف بالتکرارا یضاً کما وصف بالانحراف والتکرارا عادة الشئ واقله مرة علی الصحیح و معنی قولھم ان الراء مکرر ھوان الراء له قبول التکرار لار تعاد اللسان به عند تلفظه کقولھم لغیر الضاحک انسان ضاحک یعنی انه قابل للضحک وفی الجمل الشرة الی ذلک ولھذا قال ابن الحاجب لما تحسه

من شبه تردید اللسان فی مخرجه واما قوله ولذا لک جری مجری حرفین فی احکام متعددة فلیس کذلک بل تکریره لحن فیجب معرفة التحفظ عنه لتحفظ به وھذا کمعرفة السحر لیجتنب عن تضرره ولیعرف وجه رفعه قال الجعبری وطریقة السلامة ان یصق اللافظ ظھر لسانه باعلی حنکه لصقا محکمًا مرة واحدة ومتی ارتعد حدث فی کل مرة راء قال مکی لابد فی القراء ة من اخفاء التکریر وقال واجب علی ا لقاری ان یخفی تکریره ومتی اظھر فقد جعل من الحرف المشدد حرفاً ومن المخفف حرفین۔

(امداد الفتاوی ص ۲۲۶ ج ۱)

ملا علی قاری کی یہ عبارت صفات کے بیان میں ہے، علامہ جزری کے قول و بتکریر جعل کی شرح میں شرح الجزریہ المنح الفکریہ ص ۱۸ پر ہے۔

آگے علامہ جزری مزید فرماتے ہیں واخف تکریرًا اذا تشدد" اس کی شرح میں علامہ قاری لکھتے ہیں۔

المغی اذا کان الراء مشددًا فاخف تکریر ھا قال مکی لابدفی القراءة من اخفاء التکریر و واجب علی القاری ان یخفی تکریر الراء فمتی اظھره فقد جعل من الحرف المشدد حرفاً ومن المخفف حرفین۔

فقولہ اذا تشدد لیس بقید بل اما علی سبیل الاھتمام والا عتناء اومن باب الحذف للاکتفاء -

(المنح الفکریہ ص ۳۱)

مقدمہ جزریہ اور اسکی شرح المنح الفکریہ کی عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ جمال القرآن کا قول محقق اور اہل اداء کی تحقیق کے موافق ہے اور ظاہر ہے کہ متعارض اقوال میں اسی قول کو ترجیح ہو گی - جس کے مطابق اور علماء متدین اور اکابر و سلف معتبرین کے قول ہوں زینت القاری کا منقولہ قول اہل تحقیق کے موافق نہیں ہے -

تحقیق اخفاء

حضرت تھانویؒ اخفاء کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ -

اور اس اخفاء کا مطلب یہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کو اس کے مخرج اصلی یعنی کنارہ زبان اور تالو سے علیحدہ رکھ کر اس کی آواز کو خیشوم میں چھپا کر اس طرح پڑھیں کہ ادغام ہو نہ اظہار' بلکہ دونوں کی درمیانی حالت ہو یعنی نہ اظہار کی طرح اس کے ادا میں سر زبان تالو سے لگے اور نہ ادغام کی طرح بعد والے حرف کے مخرج سے نکلے بلکہ بدون (دخل زبان کے اور بدون تشدید کے صرف خیشوم سے غنہ کی صفت کی بقدر ایک الف کے باقی رکھ کر ادا کیا جائے -

حضرت استاذ الاساتذہ مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب الہ آبادی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اخفاء میں سر زبان کو تالو سے معمولی سا لگاؤ ضرور ہوتا ہے اور نون مخفاۃ نون مظہر کے مخرج کے ساتھ فرع ضعیف کے ادا کیا جائے اور مابعد کے حرف کا اس میں شائبہ بھی نہ ہو نہ اس کے مخرج پر اعتماد ہو - اس کی پوری تفصیل رسالہ التدقیق الجلی فی تحقیق النون الخفی میں جو امداد الفتاویٰ جلد اول کا جزو ہو کر شائع ہو رہا ہے ملاحظہ کی جائے اس تحقیق کی روشنی میں جمال القرآن کی عبارت کا مفہوم یہ ہو گا کہ اخفاء میں زبان کی نوک کو مکمل طور پر دخل نہ ہو معمولی دخل ہونے کی نفی مراد نہیں ہے' اس طرح رسالہ التدقیق الجلی اور جمال القرآن کا ظاہری تعارض رفع ہو جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جمال القرآن کا بیان کردہ مطلب صحیح اور جمہور ائمہ اہل اداء کے موافق ہے اور التدقیق الجلی کی تحقیق تفرد پر محمول ہے -

تحقیق مقدار مد

حضرت مصنف لکھتے ہیں اور مقدار اس (مد واجب) کی تین الف یا چار الف ہے مگر یہ مقدار اس مقدار کے علاوہ ہے جو حروف مدہ کی اصلی مقدار ہے مثلاً جآء میں اگر مد نہ ہوتا تو آخر الف کی بھی تو کچھ مقدار ہے جو اس مقدار کے علاوہ مد کرنے کی مقدار ہو گی -

اس پر محشی ابن ضیاء لکھتے ہیں کہ :-

"مثلاً چار الف والی مقدار میں ایک الف اصلی اور تین فرعی ہے"

محشی مذکور کی عبارت مذکورہ سے جو مطلب معلوم ہو رہا ہے اس پر تو کوئی اشکال نہیں ہوتا- کیونکہ موصوف نے مد کی مقدار میں اصل مقدار کو بھی شامل کر لیا ہے- جب کہ حضرت مصنف نے مقدار مد کو اصلی مقدار کے علاوہ بتلایا ہے اور اسی سے اشکال پیدا ہوتا ہے- جیسا کہ مولانا اظہار احمد تھانوی مرحوم نے لکھا ہے گویا مد متصل کی مقدار کشش مد اصلی سمیت کل چار پانچ الف ہے مگر یہ صحیح نہیں حضرت مؤلف سے یہاں تسامح ہوا ہے صحیح یہ ہے کہ امام عاصم کے یہاں مد متصل کی زیادہ سے زیادہ مقدار چار الف مع مد اصلی ہے- (حاشیہ ص ۳۳)

جب مد متصل کی مقدار تین یا چار الف علاوہ مد اصلی کے ہوئی تو پھر مد اصلی سمیت چار یا پانچ الف ہوگی حالانکہ حضرت امام عاصم کے نزدیک مد متصل کی زیادہ سے زیادہ مقدار مد اصلی سمیت چار الف ہے اور جن حضرات نے اس کی مقدار کو تین الف فرمایا ہے انہوں نے مد اصلی کی مقدار کے علاوہ فرمایا ہے اس طرح دونوں قولوں میں تطبیق کی صورت نکل آتی ہے کہ تین الف کہنے والوں نے مد اصلی کو شمار نہیں کیا اور چار الف بتانیوالوں نے مد اصلی کو شمار کر لیا ہے- علامہ قاریؒ فرماتے ہیں کہ :-

وفی الطول خلاف هل هو مقدار خمس الفات او اربع

وکذا فی هل هو مقدار اربع اوثلاث ومنشاء الخلاف ادخال المد الاصلی فیه وترکه فالنزاع لفظی لاتحقیقی (ص ۵۳)

علامہ علی قاری مقدمہ جزریہ کے متن و بالطول تمد پر فرماتے ہیں-

ای یزاد حرف المد والمراد بالطول قدر ثلاث الفات علی خلاف فی اعتبار المد الاصلی معهما او بدونه- (ص ۵۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قراء کرام کا اس میں خلاف ہے کہ مد کے طول کی مقدار میں مد اصلی کا اعتبار کیا جائے یا نہیں- اور جب یہ دیکھا جائے کہ مد در اصل مد اصلی پر زیادتی کا نام ہے جیسا کہ علامہ قاری فرماتے ہیں-

ثم المد نوعان اصلی و هو اللازم لحروف المد الذی لا ینفک عنها بل لیس لها وجود بعدمه لابتنائه بنیتها علیه ویسمی مدًا ذاتیاً و طبعیاً وامتداده قدر الف......

وفرعی وهو ما یکون منه سبب لزیادة علی مقدار المد الاصلی- (ص ۱۵۰)

مقصد یہ ہے کہ مد فرعی میں کسی سبب سے مد اصلی کی مقدار پر زیادتی ہوتی ہے اس لئے حضرت تھانوی کا یہ ارشاد تو صحیح ہے کہ یہ مقدار اس مقدار کے علاوہ ہے جو حروف مدہ کی اصلی مقدار ہے مگر مد متصل کی مقدار میں تین الف کے بعد یا چار الف کا ذکر مشہور قول کے خلاف اور زائد معلوم

ہوتا ہے کیونکہ اس مد کی مقدار علاوہ مد اصلی کے تین الف ہے اور اس کا بیان
اور مقدار اس کی تین الف ہے پر ختم ہو جاتا ہے- اب آگے یا چار الف زائد
معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بمراد عبادہ-

حضرت اقدس تھانویؒ نے اپنے رسالہ تجوید القرآن میں مقدار
مد متصل کے بیان میں مد طبعی کا استثناء نہیں فرمایا چنانچہ ارشاد ہے!

متصل اور منفصل ہے اے اخی
قدر حرکت چار کی یا پانچ کی
(تجوید القرآن)

اور جمال القرآن میں یہ استثناء فرمایا ہے کیونکہ اس کا ذکر ہدیۃ الوحید
میں کیا گیا ہے اور زیادہ تر یہی جمال القرآن کا ماخذ ہے-

تحقیق بسملہ درابتداء سورۃ براۃ

حضرت تھانویؒ جمال القرآن میں لکھتے ہیں :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سورت سے شروع
کرے تو بسم اللہ ضروری ہے اسی طرح اگر پڑھتے پڑھتے کوئی سورت بیچ میں
شروع ہو گئی تب بھی بسم اللہ ضروری ہے مگر اس دوسری صورت میں
سورت براۃ میں نہ پڑھے اور بعضے عالموں نے کہا ہے کہ پہلی صورت میں بھی
سورۃ براۃ پر بسم اللہ نہ پڑھے-

اس میں قابل تحقیق بات یہ ہے کہ سورت برات کی ابتداء میں بسم
اللہ کا کیا حکم ہے حضرت تھانویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ درمیان میں سورت
برأت پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے البتہ ابتداء سورت میں بسم اللہ پڑھے اور بعضے
عالموں کا قول اس صورت میں بھی نہ پڑھنے کا ہے-

ایک شبہ کا ازالہ

اس پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدا برات میں بسم اللہ پڑھنے کا قول بعض
عالموں کا ہے اور جمہور کا قول عدم بسملہ کا ہے تو اسی کو اختیار کرنا مناسب
تھا- مولانا قاری اظہار احمد تھانوی مرحوم نے بھی اپنے حاشیہ جمال القرآن
میں اس کا ذکر کیا ہے-

امداد الفتاویٰ میں بھی حضرت تھانویؒ سے مکررہ کی عبارت کے
حوالہ سے سوال کیا گیا ہے کہ جناب کے قول اور مکررہ میں جو صورت تطبیق
کی ہو تحریر فرمائیں- مکررہ کی عبارت یہ ہے کہ اجمع القراء علی ترک
بسملة فی اول براۃ سواء ابتدا بہااو وصلہا بالا نفال ایسا ہی
شاطبیہ میں ہے

ومهما تصلها اوبدأت براءة
لتنزیلها بالسیف لست مبسملا

حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

واقع میں ان دونوں قولوں میں تطبیق نہیں ہو سکتی مگر یہ مسئلہ فن قرآت کا نہیں اس لئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں قواعد فقہیہ کا مقتضاء میرے نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے واللہ اعلم۔

بعد تحریر سطور ہذا ایک وجہ تطبیق کی جو کہ مجھ کو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے خیال آگئی۔ وہ یہ کہ ابتداء سورت میں بسملہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت ابتداء مطلق القرآت کی دوسری حیثیت ابتداء بالسورۃ کی' پس اغلاط العوام میں اول کا اثبات ہے اور مکررہ و شاطبیہ میں ثانی کی نفی ہے' فلا تعارض واللہ اعلم (ص ۲۲۸ / ۱)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح قرآن کے ابتداء میں جس جگہ سے بھی ہو بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اس حیثیت سے سورۃ براۃ کے ابتداء میں بھی بسم اللہ پڑھی جانی چاہئے یعنی سورۃ کے درمیان میں سے اگر قرآت کی ابتداء کی جائے تو اس پر بھی بسم اللہ پڑھی جانی چاہئے اس حیثیت سے نہیں کہ یہ سورت شروع کی جارہی ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہاں سے قرات کی ابتداء کی جارہی ہے۔ فافہم فانہ دقیق و بالقبول حقیق۔

بعد میں اس پر حضرت مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا حسب ذیل حاشیہ بوادر النوادر میں نظر سے گذرا۔ جس کا کچھ حصہ مفید سمجھ کر نقل کیا جاتا ہے فرماتے ہیں کہ :۔

مراد یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک فعل قرآت کی ابتداء اس پر بسم اللہ پڑھنا۔ دوسرے عام افعال کھانے پینے وغیرہ کی طرح مستحب ہوگا۔ اور دوسری سورت کی ابتداء اور چونکہ سورت کی ابتداء اس جگہ مشتبہ ہے۔ الخ

جمال القرآن کی عبارت میں دو صورتوں کا حکم تو اوپر کی عبارت سے معلوم ہو گیا۔

نمبر ا۔ سورت شروع کرنے' (نمبر ۲) درمیان میں سورت شروع ہونے کا دونوں صورتوں میں بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ البتہ سورۃ برات کا حکم عام سورتوں سے مختلف ہے اس کی تفصیل بھی گذر گئی۔ نمبر ۳۔ ایک تیسری صورت یہ بھی ہے کہ سورت کے اجزاء سے قرآت شروع کرے تو اس کا حکم جمال القرآن میں یہ ہے کہ پڑھ لینا بہتر ہے ضروری نہیں یعنی پڑھنے والے کو اختیار ہے بسم اللہ پڑھے چاہے نہ پڑھے اور دونوں وجوہ ثابت اور صحیح ہیں.......... اور سورت برات کی درمیانی آیتوں کا بھی یہی حکم ہے کہ جب ان سے شروع کرے تو بسم اللہ پڑھے خواہ نہ پڑھے کیونکہ ناظم (علامہ شاطبیؒ) نے یہ فرمایا ہے کہ اجزاء میں پڑھنے والے کو اختیار ہے فرماتے ہیں کہ

وفی الاجزاء خیر من تلا

پس اجزاء کو عام رکھا ہے جو براۃ اور باقی سورتوں کے سب اجزاء کو شامل ہے لیکن متقدمین سے اس بارہ میں کوئی نص نہیں ہے اور بعض علماء نے اسی سبب (جہاد کے لئے نازل ہونے) کے باقی رہنے کا اعتبار کر کے براۃ کی ابتداء کی طرح اس کے درمیانی حصوں میں بھی بسم اللہ کو جائز نہیں رکھا۔ اور

دونوں مذہب صحیح ہیں۔ (ص ۱۰۶ شرح شاطبیہ)

دفع تعارض درمیان قول امام اعظمؒ وامام عاصمؒ

حضرت تھانویؒ سے امداد الفتاویٰ میں سوال کیا گیا کہ باب البسملہ میں امام عاصمؒ کے نزدیک بین السور تین بسم اللہ ضروری ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورت پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو اب اس صورت میں بروایۃ حفص عن العاصم الکوفی ختم کلام مجید پورے طور پر کیونکر ہو گا اس لیئے کہ بسم اللہ ایک غیر معین سورۃ کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ۱۱۳ سورتوں کے اول میں نہیں پڑھی جاتی۔

حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ :-

بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراۃ کے متعلق ہے اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق عاصمؒ کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابو حنیفہ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق حاصل مسئلہ اول کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورت کا جزء نہو مگر باوجود عدم جزئیت روایۃ اس کا پڑھنا ہر سورۃ پر منقول ہے پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قرآت اس روایت کے موافق نہ ہوئی گو کوئی جز متروک نہ ہوا ہو جبکہ کم از کم ایک سورت پر پڑھ لے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃ ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے بلکہ جزو مطلق قرآن کا ہے اگر ایک جگہ بھی پڑھے تو قران کا ختم پورا ہو جائیگا گو اس روایت کے موافق اس کی قرآت نہ ہو، پس امام عاصم اور امام ابو حنیفہ کے قول میں کوئی تخالف نہیں کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے،

درمختار یا ردمختار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے۔ رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا یہ بلاشبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ (۶ ربیع الثانی ۳۲۴ھ)

(امداد الفتاویٰ ص ۲۳۱ ج ۱)

مسئلہ جہر بالتسمیہ فی الصلوٰۃ

ہمارے شیخ مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی شرح شاطبی اردو میں فرماتے ہیں رہا یہ کہ نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھیں یا آواز سے، سو فرض اور واجب نمازوں میں تو ہمارے تمام علماء کا آہستہ پڑھنے پر ہی اتفاق ہے لیکن تراویح میں اختلاف ہے حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب محدث پانی پتی کی رائے یہ ہے کہ آواز سے پڑھی جائے ورنہ سننے والوں کا قرآن روایت کے موافق کامل نہ ہو گا اور دوسرے تمام علماء آہستہ پڑھنے کے قائل ہیں اس

بناء پر کہ نماز میں امام ابو حنیفہ کا مذہب یہی ہے

خلاصہ یہ کہ تراویح میں آہستہ اور آواز سے دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں لیکن قوی یہ ہے کہ آہستہ پڑھیں۔ (شرح شاطبیہ ص ۱۰۱ ج ۱) مزید تفصیل کے لئے رسالہ احکام رمضان کا مطالعہ کیجئے۔۱

حضرت حکیم الامتؒ غیث النفع کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی۔

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کے سب مقدمات تسلیم کر لئے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے' یہ مقدمات تو قرات فی الفرض میں بھی جاری ہیں تو کیا احناف وجوب جہر بالبسملہ فی الفرض کا التزام کریں گے۔ (بوادر النوادر ص ۲۷ ۳ / ۱)

اوقاف کا بیان

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

اصل فن تجوید تو مخارج اور صفات کی بحث ہے جو بفضلہ تعالیٰ بقدر ضرورت اوپر لکھی گئی ہے باقی اور تین علم اس فن کی تکمیل ہیں علم اوقاف' علم قرآت' علم رسم خط چنانچہ علم اوقاف کی ایک بحث وقف کرنے کے قواعد ہیں۔

قاعدہ نمبر 1 جو شخص معنی نہ سمجھتا ہو اس کو چاہیے کہ انہیں مواقع پر وقف کرے جہاں میں نشان بنا ہوا ہے بلا ضرورت بیچ میں نہ ٹھہرے۔

البتہ اگر بیچ میں سانس ٹوٹ جائے تو مجبوری ہے (جمال القرآن)

علم تجوید کے ذریعہ جس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں حرف اس طرح ادا کرنا چاہیے۔ اور فلاں اس طرح اسی طرح علم وقف سے معلوم ہوتا ہے کہ معنی کے اعتبار سے وقف کہاں کیا جائے اور کس کلمہ پر کس طرح وقف کرنا چاہیے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے جمال القرآن میں دونوں طرح کے قواعد بیان کر دیئے ہیں وہ بھی جن میں وقف کرنے کا موقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی جن میں وقف کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

جمال القرآن کے قاعدہ نمبر 1 میں وقف کرنے کے مواقع کا بیان کیا گیا ہے کہ معنی کے اعتبار سے وقف کہاں کیا جائے اور قاعدہ نمبر ۲۔۳۔۴ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وقف کس طریقہ سے کیا جاتا ہے اس کا بہت تفصیلی بیان جمال القرآن میں لکھا گیا ہے اور وقف کی تینوں قسموں وقف بالاسکان اور وقف بالروم' وقف بالاشمام" کے ساتھ وقف کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ روم اور اشمام کس جگہ کیا جاتا ہے اور کس جگہ منع ہے۔

رموز اوقاف

علماء کرام نے قرآن کریم کے معنوں میں غور کر کے عام لوگوں کی سہولت کی خاطر وقف کرنے کی جگہ پر رموز اور نشان لگا دیئے ہیں۔

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں جو شخص معنی نہ جانتا ہو اس کو چاہئے انہیں مواقع پر وقف کرے جہاں قرآن میں وقف کا نشان لگا ہوا ہے تاکہ بے موقع وقف کرنے کی غلطی سے حفاظت رہے۔

ثبوت اوقاف کلام مجید

قرآن کریم میں اوقاف کے جو رموز لکھے ہوئے اور قراء کے معمول ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے اپنے فتاویٰ میں ان کو ادلہ اربعہ یعنی قرآن و سنت اور اجماع و قیاس سے ثابت کیا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں :-

آیات و اوقاف کلام مجید کے کتاب و سنت و اجماع و قیاس سے ثابت ہیں۔

اما الکتاب فقد قال اللہ تعالی ورتل القرآن ترتیلا۔ فرمایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہ معنی ترتیل کے یہ ہیں کہ تجوید حروف کی اور پہچاننا وقفوں کا" (از مختصر التجوید قاری قادر بخش مرحوم)

فی الصراح "ترتیل ہموار خواندن و آرمیدہ و پیدا خواندن۔ وقال اللہ تعالی و لقد آتینک سبعا من المثانی (سبع ایات وهی

الفاتحة) بیضاوی۔ (آیت بھی وقف بالمعنی الاعم میں داخل ہے)

اما السنة فعن ام سلمة رضی اللہ عنها قالت کان رسول اللہ صلی اللہ عدیه وسلم یقطع قراته یقرا الحمد للہ رب العلمین ثم یقف الرحمن الرحیم ثم یقف (ترمذی ج ۲ ص ۱۳)

وعن ابی هريرة رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ عدیه وسلم ان سورة من القران ثلاثون آی شفعت لرجل حتی غفرله وهی تبارک الذی بیده الملک (ترمذی ص ۱۲۶ ج ۲)

(از نہایات البیان مصنفہ قاری سید محمدی دہلویؒ)

اور اجماع اس لئے کہ آج تک سلف و خلف میں سے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس فن میں تصنیفات فرماتے رہے۔ کما یعلم من مطالعة رسائل القراة

اور قیاس یہ کہ کلام میں مواضع و مواقع وصل و فصل ہوا کرتے ہیں تو منجملہ رعایات حسن کلام کے اس کی بھی رعایت ہے مگر اتنا فرق ہے کہ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے تعلیم و تعلم کی حاجت نہ تھی۔

جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اور ان کی زبان عربی نہ تھی اس لئے خلط ملط کرنے لگے اور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے ان کے لئے علماء

سلف نے اعراب قرآن و رموز اوقاف تجویز فرمائے اور ضبط کئے تاکہ ان کو سہولت ہو پس ثبوت اس کا ادلہ اربعہ شرعیہ سے ہے اور حتی الوسع اس کی رعایت ضروری ہے کہ بعض جگہ خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں چنانچہ سورۃ براۃ میں آیت واللہ لا یہدی القوم الظالمین پر ٹھہرنا لازم ہے اور اگر یہاں نہ ٹھہریں اور الذین امنو وھا جروا کے ساتھ ملادیں تو معنی بالکل فاسد ہو جاویں گے۔ کما لا یخفی و کفی قدوۃ۔ ما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن اور جو قصداً اس کے خلاف کرے تو وہ مخالف جماعت ہے۔" واللہ اعلم محرم ۱۳۰۱ھ (امداد الفتاوی ص ۲۰۲ ج ۱)

اس جگہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی کے حاشیہ میں اپنے ایک مبسوط تحریر کا بھی حوالہ دیا ہے جو اس مبحث میں لکھی گئی ہے اور رسالہ اثبات وقف لازم کے اخیر میں شائع ہوئی ہے۔

رسالہ اثبات وقف لازم حضرت قاری محمد علی صاحب جلال آبادی کی تصنیف لطیف ہے اس کے ساتھ حضرت تھانویؒ کی مبسوط تحریر بنام رفع الخلاف فی حکم الاوقاف شائع ہوئی ہے اس کا ذکر اشرف السوانح حصہ سوم ص ۳۴۷ پر بھی کیا گیا ہے اور اس کا حوالہ امداد الفتاوی میں بھی دیا گیا ہے۔

تطبیق وقف لازم در دو مقامات

اور وقف لازم کے بارہ میں حضرت علیہ الرحمۃ کا ایک اور مفصل اور

تحقیقی جواب امداد الفتاوی کے ص ۱۹۶ ج ۱ سے ص ۲۰۰ ج ۱ تک قابل ملاحظہ ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ رفع الخلاف کے علاوہ اس بارہ میں دوسرا مضمون حضرت تھانویؒ کا ہے۔ دراصل یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ علامہ سجاوندی نے واسئلھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر پر وقف لازم لکھا ہے حالانکہ اذ یعدون فی السبت میں اذ ظرف ہے القریۃ کا اسی طرح سورۃ مؤمنون میں اعناب پر وقف لازم لکھتے ہیں حالانکہ یہ وقف بھی قبیح ہے کیونکہ جنت مفعول ہے انشانا کا یقیناً اور شجرۃ تخرج معطوف ہے جنت پر معطوف اور معطوف علیہ میں فصل کرنا خصوصاً جب مفردات ہوں جملے نہ ہوں ناجائز ہے تو انشانا سے للاٰکلین تک وقف کرنا ناجائز ہوا۔ تو اعناب پر بھی وقف ناجائز ہوا۔ ناجائز کو لازم کہنا معاذ اللہ سخت گناہ ہے الخ ۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کے جواب میں اول چند مقدمات ارقام فرمائے ہیں۔

پہلا مقدمہ: یہ ہے کہ رؤس آیات کے علاوہ کہ وہ مثل قرآت سبعہ کے توقیفی ہیں اور ان میں جو جو اختلاف ہے وہ بناء علی اختلاف الروایات ہے اور باقی جتنے اوقاف ہیں سب امور اجتہادیہ اور ذوقیہ ہیں اور ذوق لسانی سے ہر لغت میں یہ فصل و وصل مواقع مختلفہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اوران میں اختلاف بناء علی اختلاف التفسیر والتاویل والاعراب ہے
مثل اختلاف مسائل قیاسیہ حنفیہ اور شافعیہ کے الخ

مقدمہ دوم : وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں
ہے بلکہ عین استحسان مؤکد ہے اور مداراس لزوم کا ایہام پر ہے اگر وصل
موہم ارادہ غیر مراد ہو وہاں وقف لازم سمجھا جاتا ہے۔

مقدمہ سوم : اسی طرح وقف قبیح میں قبح بمعنی لزوم کفر یا
معصیت نہیں بلکہ بمعنی عدم استحسان ہے اور مداراس قبیح کا بھی ایہام پر
ہے جہاں فصل موہم ارادہ غیر مراد ہوتا ہے وہاں وقف قبیح سمجھا جاتا ہے۔

پھر ان ہر دو مقدموں کی دلیل منار الہدیٰ سے نقل فرمائی ہے اور
بھی کئی مقدمات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

بعد تمہید ان مقدمات کے جواب سمجھنا چاہئے کہ سوال کے دونوں
موقعوں میں وقف لازم ہے اور وہ سجاوندی کے قول پر ہے جس کی وجہ یہ
ہے کہ وصل میں ایہام اذ کے واسئل کے متعلقات میں سے ہونے کا اور وہ
علامہ سجاوندی کے ذہن میں خلاف مراد قرآنی ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ
جملہ مستانفہ ہے...... اس لئے انہوں نے بحر پر وقف کیا اور ایہام اعناب کے
موصوف اور جملہ لکم فیہا فواکہ کثیرۃ کی صفت ہونے کا یہ ایہام
وقف سے مرتفع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وقف کسی طرح اس پر دلالت نہیں

کرتا کہ یہ اعناب کی صفت نہیں بلکہ نخیل واعناب مجموعہ کی یا جنات کی صفت
ہے لہٰذا استدلال یوں کرنا چاہئے کہ سجاوندی کے نزدیک یہ کلام مستانف
ہے۔ اور وصل میں شبہ تھا جنات "یا نخیل واعناب" کی صفت ہونے کا
جو کہ ان کے نزدیک خلاف مراد قرآنی تھا اس لئے انہوں نے وقف کیا۔

علاوہ اس کے جو بناء شبہات کی ہے کہ اذیعدون میں اذ ظرف
ہے "اس مضاف کا الخ یا شجرۃ مفعول ہے انشانا کا الخ اس میں خود کلام ہوسکتا
ہے اس لئے کہ یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ عامل اذ کا محذوف ہو مثلاً کانت
حاضرۃ البحر یا وقعت القصہ یا مثل اسکے جیسا کہ قرآن میں اس کے نظائر
بکثرت موجود ہیں بہر حال لزوم قبح کا کوئی مبنیٰ نہیں پایا جاتا۔ (ص ۲۰۰ ج ۱)

محل وقوف میں کلام کرنے کے لئے حضرتؒ نے بڑا قیمتی اور
ضروری مقدمہ ہشتم بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

چونکہ علم وقوف نہایت دقیق علم ہے جس میں بہت سے علوم کی
ضرورت ہے اس لئے بدون جمع ان آلات و علوم کے محض تھوڑی سی
مناسبت درسی علوم کے سبب اس میں کلام جائز نہیں جیسا کہ جمیع اجتہادیات
کا حال ہے۔ (ص ۱۹۹ ج ۱)

یعنی جب تک تمام متعلقہ علوم میں مہارت اور خوب مناسبت حاصل
نہ ہو اس وقت تک اس میں کلام جائز نہیں کیونکہ علم وقوف اجتہادی ہے اور تمام
اجتہادیات کا یہی حال ہے کہ ان میں کلام کرنے کے لئے متعلقہ علوم میں

مہارت تامہ اور کامل مناسبت کی ضرورت ہے ہر شخص کا اس میں کلام اور
اختلاف کرنا معتبر نہیں اس لئے علامہ سجاوندی کے ساتھ اختلاف کرنا ہم
جیسوں کو کہ نہ اس قدر علم ہے اور نہ وہ ذکاء اور نہ وہ سلامت نظر جائز نہیں

وقف پر شبہ کا جواب

سورۃ انعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب

سوال یہ تھا کہ سجاوندی کے اوقات میں اکثر خلجان ہوتا ہے پہلے یہی عرض
کیا ہے کہ اس وقت دو جگہ خلجان ہے اگر خیال مبارک میں کوئی توجیہ آوے یا
کسی کتاب میں نظر پڑے تو اعلام فرماویں۔

(۱) واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاء تھم آیۃ لیئومنن
بہاقل انما الایات عنداللہ وما یشعرکم انھا اذاجاء ت
لایؤمنون جملہ وما یشعرکم تالا یؤمنون برقراۃ ان مفتوحہ
ما قبل سے منقطع ہے۔داخل مقولہ قول نہیں معلوم ہوتا۔اور عدم وقف کی
صورت میں شبہ ہو سکتا ہے کہ داخل مقولہ ہو' لہٰذا بظاہر عنداللہ پر وقف
لازم مگر کسی قرآن یا کتاب میں وقف نہیں لکھا۔

(۲) الا انھم من افکھم لیقولون ولد اللہ وانھم لکاذبون
چونکہ بظاہر جملہ وانھم لکاذبون ما قبل سے بالکل منقطع ہے اور داخل قول
نہیں لہٰذا وقف لازم ہے حالانکہ سجاوندی میں لا لکھا ہے' تعجب ہے ہاں اگر

قول کے نیچے داخل کریں اور خلاف سیاق ضمیر "وانھم" مرسلین کی طرف
پھریں تو مضائقہ نہیں مگر نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور منار الھدیٰ میں اس
جگہ جائز لکھا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔
اول مکررہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر اور حمزہ نے
قراء سبعہ میں سے انھا بفتح ان اور لاتؤمنون بصیغہ خطاب پڑھا ہے
تو اس صورت میں جملہ و مایشعرکم داخل مقولہ ہو سکتا ہے۔ویکون
المعنی ای لاتعلمون بل یعلم اللہ انھا اذا جاء ت لاتؤمنون
پس ممکن ہے کہ سجاوندی کی یہی قرآت ہو۔

اور بقیہ قرآت پر بھی ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ قل کا مقول لہ کفار
نہ ہوں۔بلکہ کفار کی قسم سن کر جن مسلمانوں کو ان کے ایمان کی طمع اور اس
طمع سے تمنا ظہور آیات کی پیدا ہو گئی تھی ان کو دونوں جملوں سے یعنی انما
الا یات سے بھی وما یشعرکم سے بھی فہمائش کی گئی ہو اور کفار کو بوجہ
ان کے معاند ہونے کے قابل خطاب قرار نہ دیا گیا ہو۔

دوم: اس وقت اور بھی چند مواقع یاد آئے کہ جہاں کفار کا قول نقل کر کے
اس کو رد کیا ہے اور دونوں کے درمیان وقف لازم نہیں ہے سو اس میں یہ کہا
جا سکتا ہے کہ اگر اصل سے عدول کسی نکتہ خاصہ کی وجہ سے ہو تو مضائقہ
نہیں اور یہاں اصل وقف ہی تھا مگر نکتہ کی وجہ سے عدول کیا گیا اور وہ نکتہ

وہی ہو جو شاید جناب نے ایک بار فرمایا تھا- تعجیل تنزیہ حق تعجیل ابطال باطل مقصود ہے' واللہ اعلم)

علاوہ اس کے یہ اوقاف اجتہادی ہیں والا جتہاد یحتمل الخطاء والصواب اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وقف لازم وہاں ہوگا جہاں وقف نہ کرنا موہم خلاف مقصود ہو' اور یہاں قرینہ عقلیہ اس طع ایہام کا ہے کیونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی شخص ایک امر کا دعوی کرے اور خود ہی ساتھ ساتھ تصریحاً والتزاماً اس کا ابطال کرے یہ عادۃً ممتنع ہے پس یہاں وانہم لکاذبون میں ضمیر تو یقیناً ان ہی قائلین کی طرف ہے پس بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ ولد اللہ بھی کہیں اور اپنے کو اس میں کاذب بھی کہیں-

علیٰ ھذا وقالوا اتخذ اللہ ولدًا سبحانہ میں بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ اتخذ اللہ ولدًا بھی کہیں اور تنزیہ بھی کریں۔ پس چونکہ ایہام خلاف مقصود کا نہ تھا لہذا ان مواقع پر وقف لازم نہ ہوا-

نیز غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف لازم میں ایہام کفر سے بچنے کا اعتبار کیا گیا ہے سو اگر کفار کوئی بات ایمان کی کہیں تو یہ کفر نہیں اس لئے ایسے مقام پر وقف لازم کا انتظام نہیں کیا گیا- (امداد الفتاوی ص ۲۰۴ ج ۲)

یہ توجیہ الہامی اور بہت ہی عجیب و غریب ہے فللہ در حکیم الامۃ التھانوی رحمۃ اللہ علیہ

سورۃ نور میں رجال لا تلھیھم کے رجال پر وقف کی تحقیق

رجال کے بعد سجاوندی نے وقف ط لکھا ہے اور اگر قرآن شریف مطبوعہ میں (لا) بنا ہے یہ غلط ہے ابوبکر وغیرہ جو لوگ یسبح بصیغہ مجہول پڑھتے ہیں ان کے نزدیک الاصال پر ط ہونا چاہئے اور رجال پر لا-

اور جو معروف پڑھتے ہیں ان کے نزدیک رجال پر ط ہونا چاہئے اور الاصال پر (لا) حفص کی قرآت میں رجال پر لا لکھنا غلط ہے اور سہو کاتب ہے-

حضرت رحمۃ اللہ نے اس سوال کے جواب میں ارقام فرمایا ہے-

میرے نزدیک دونوں توجیہ صحیح ہو سکتی ہیں مشہور مصاحف کی تقدیر پر تو ظاہر ہے اور سجاوندی کی تقدیر پر اس طرح کی رجال کو موصوف نہ کہا جائے بلکہ بمعنی بعض کے لے کر کلام کو ختم کر دیا جائے آگے جملہ استینافیہ بطور سوال کے کہا جاوے کہ وہ رجال کیسے ہیں ایسے ایسے ہیں-

فارتفع الاشکال (امداد الفتاوی ص ۲۰۶ ج ۱)

وقف رسم خط کے موافق ہوتا ہے

اس قاعدہ نمبر ۱ کے آخر میں لکھا ہے کہ کلمہ جس طرح لکھا ہے اس کے موافق وقف کرو اگرچہ وہ دوسری طرح پڑھا جاتا ہو پڑھنے کے موافق

وقف نہ کریں گے - مثلاً انا میں جو الف نون کے بعد ہے وہ ویسے تو پڑھنے میں
نہیں آتا لیکن اگر اس کلمہ پر وقف کیا جائیگا تو پھر الف کو بھی پڑھیں گے -

(جمال القرآن ص ۷ ۲)

یہاں سے واضح ہورہا ہے کہ وقف رسم الخط کے موافق ہونا اس
لئے کہا جاتا ہے کہ وقف رسم الخط کے تابع ہوتا ہے یعنی کلمہ جس طرح لکھا
ہوا ہے اس کے مطابق وقف ہوگا - اوپر کی مثال میں انا نون کے بعد الف کے
ساتھ لکھا جاتا ہے تو وقف میں اس کو پڑھا جائیگا -

اس طرح گول ۃ بصورۃ ھا لکھی ہوئی کو حالت وقف میں ہ پڑھا جائیگا
یہ اصول کہ وقف تابع رسم خط ہوتا ہے اگرچہ انتہائی وسیع اصول ہے اور اس
کی تفصیل قرآت کی بڑی کتابوں میں ہے مگر اس قاعدہ سے کئی الفاظ مستثنٰی
بھی ہیں حضرت نے ان کی نشاندہی فرمادی ہے - چنانچہ فرماتے ہیں -

قاعدہ مذکور کے اخیر میں جو لکھا گیا ہے کہ وہ کلمہ جس طرح لکھا
ہے اس کے موافق وقف کرو اس قاعدہ سے یہ الفاظ مستثنٰی ہیں اویعفوا
ان تبوآء وغیرہ چودہ الفاظ کا شمار فرمایا ہے ان میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن
میں دونوں حالتوں میں الف نہیں پڑھا جاتا نہ وصلاً نہ وقفاً اور بعض ایسے ہیں
جن میں بحالت وصل الف نہیں پڑھا جاتا اور حالت وقف میں پڑھا جاتا ہے
مگر خاص لفظ سلاسلا کو حالت وقف میں بدون الف پڑھنا بھی مروی ہے یعنی
سلاسل (ص ۷ ۲) ملخصاً

یعنی اس میں وقفاً دو وجہیں ہوئیں بالالف وبلاالف (حاشیہ شریفہ)

یہ رسم خط کے خلاف وقف کرنے اور قاعدہ مذکورہ استثنائی
حالتوں کا ذکر تھا -

تحقیق اثبات واسقاط الف تثنیہ

درذاقا وقالا الحمد وغیرہ

حضرت حکیم الامت سے سوال کیا گیا تھا کہ الف تثنیہ کا جیسے الف
ذاقا الشجرۃ اور وقالا الحمد للہ الذی اور واؤ جمع کا جیسے وقالوا
الحمد للہ وافعلوا الخیر کے درج میں ساقط ہوتا ہے یا نہیں اور اس کو
پڑھنا چاہئے یا نہیں ؟

حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں ارقام فرمایا ہے -

اس باب میں کوئی معتبر سند میری نظر سے نہیں گذری البتہ
حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی کے بعض اپنے رسائل میں
الف تثنیہ موقع التباس میں الف تثنیہ کے کسی قدر اظہار کو لکھا ہے مگر واؤ جمع
میں نہیں لکھا - مگر چونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی لہذا میرا معمول
نہیں اور التباس تو بعض جگہ واؤ جمع میں بھی ہے جیسے قل ادعوا اللہ وادعوا
الرحمن حالانکہ وہاں کوئی قائل نہیں اور رفع التباس کے لئے قرینہ مقامیہ
کافی ہے - واللہ اعلم

اور اگر سماع عن القراء سے استدلال کیا جاوے تو اس کے خلاف بھی مسموع عن القراء ہے۔ (ماخوذ از امداد الفتاویٰ ص ۱۹۶ ج ۱)

اصل تو قراۃ کا مدار سماع پر ہی ہے اور یہ قواعد اسی کی حفاظت کے لئے مدون کئے گئے ہیں اسی لئے حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس کے خلاف بھی مسموع عن القراء ہے۔

احقر کے فہم ناقص میں غور طلب بات یہ ہے کہ ان دونوں مقامات میں اگر آئمہ قرات سے الف تثنیہ کا اثبات مسموع ہے تو پھر اس کا اثبات لازم ہے اس میں کوئی نکتہ ہو یا نہ ہو سماع کے موافق ہی پڑھنا ضروری ہے اور اگر آئمہ سے اس کا سماع نہ ہو بلکہ بعد میں کسی نے اجتہادی طور پر اختیار کیا ہو تو پھر اس پر یہ اشکالات وارد ہوتے ہیں۔ جن کا ذکر حضرت تھانویؒ نے اپنے مذکورہ بالا جواب میں فرمایا ہے احقر کی دریافت میں یہ آئمہ قراۃ سے مسموع نہیں ہے بعد میں اجتہادی طور پر بعض اعلام نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

علم رسم خط

رسم خط سے مراد وہ طریقہ تحریر اور الفاظ کی شکل ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے قرآن کریم لکھوا کر جابجا بھیجا گیا۔ اس طریقہ تحریر اور اس کے

قواعد و ضوابط کو علم رسم خط کہتے ہیں۔

اس کا علم اس لئے بھی ضروری ہے کہ اوقاف رسم خط کے تابع ہوتے ہیں جیسا کہ گذرا۔ دوسرے اجماع صحابہ کی وجہ سے اس رسم خط کا اتباع کتابت قرآن میں ضروری ہے علم رسم خط کا بیان جس قدر بہت ضروری تھا اس کا بیان حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے اجمالی طور پر چودھویں لمعہ میں کر دیا ہے کیونکہ یہ جمال القرآن مبتدیوں کے لئے تصنیف فرمایا گیا ہے۔

ایک سوال کے جواب میں حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اور وہ سوال یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسم مبارک قرآن مجید میں ایک سو ستتر ۱۷۷ جگہ پر ہے ایک سو ستر جگہ یا کے ساتھ لکھا ہے اور سات جگہ زیر کے ساتھ"

"رسم خط سلف سے یوں ہی چلی آتی ہے جہاں یا نہیں ہے بعض (امام ہشام کی قرآت ابراھام ہے عجب نہیں کہ اس کی رعایت سے ابراہیم (کھڑی زیر سے) لکھا ہو تا کہ دونوں طرح پڑھ سکیں ابراہیم اور ابراھام۔

(امداد الفتاویٰ ص ۲۰۵ ج ۱)

قرآن کریم کی کتابت میں تو رسم خط عثمانی اور اسی طرز تحریر کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے اس کے خلاف لکھنا جائز ہی نہیں ہے البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت اگر کسی تحریر میں لکھی جائے تو کیا اس میں بھی رسم عثمانی کی رعایت واجب ہے؟

تفسیر مظہری کی تصحیح

تفسیر مظہری کی تصحیح کے سلسلہ میں ہمارے شیخ حضرت مولانا قاری محی الاسلام صاحب پانی پتیؒ اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی تفصیلی خط وکتابت ہوئی تھی جو امداد الفتاویٰ کا جزو ہو کر شائع ہو رہی ہے وہ بہت سے فوائد نافعہ پر مشتمل ہے اس میں رسم الخط کے بارہ میں بھی ایک سوال وجواب ہے۔ حضرت مولانا قاری محی الاسلام صاحب کا سوال یہ تھا کہ

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رسم عثمانی کی پابندی نہیں کرتے اور قرآنی الفاظ کو مصریوں کی مانند رسم کے خلاف تحریر فرماتے ہیں آیات زیر تفسیر میں بھی یہی عمل ہے اور ان آیات وفقرات میں بھی جن کو استشہاداً یا اقتباساً نقل فرماتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ:- میرے خیال میں حضرت قاضی صاحب کا اجتہاد یہ ہے کہ قرآن مجید جب تلاوت کے لئے تحریر کیا جاوے اس میں تو مصحف عثمانی کا اتباع کے واجب ہے ورنہ واجب نہیں جیسے کوئی شخص اپنے خط میں کوئی آیت استشہاداً لکھے اس میں اس اتباع کے وجوب کا دعویٰ غالباً دشوار اور بے دلیل ہے اس لئے حضرت قاضی صاحب پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

(امداد الفتاوی ص ۶۲ ج ۵)

اس جواب کا حاصل یہی ہے کہ تفسیر اور دوسری تحریروں میں اگر رسم عثمانی کی رعایت نہ رکھی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور اگر اس کی رعایت کر لی جائے تو اس کے استحسان میں کیا کلام ہے۔

یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ علم رسم الخط کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ بعض کلموں کی رسم اور طرح سے ہے اور پڑھے اور طرح سے جاتے ہیں اس علم کا جس قدر بیان ضروری تھا۔ وہ اجمالی طور پر جمال القرآن کے چودھویں لمعہ میں کر دیا گیا ہے۔

جمال القرآن کی جامعیت

جمال القرآن میں علم تجوید اور وقوف اور رسم خط تینوں کا بیان ہے جیسا کہ اوپر گذرا اس طرح یہ نہایت جامع اور مفید رسالہ ہے۔

علم قرآت

تعریف علم قرآت

علم قرآت میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قرآنی کلمات کو وحی الٰہی نے کس کس طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

موضوع

علم تجوید اور علم قرآت دونوں کا موضوع الفاظ قرآن ہیں، مگر

تجوید میں حروف کے مخارج و صفات اور ان کے حالات متفقہ سے بحث ہوتی ہے اور قرآت میں احوال مختلفہ فیہا سے' مثلاً حذف واثبات' تحریک و تسکین' مد و قصر' فتح وامالہ' تحقیق و تخفیف (شرح سبعہ قرآت)

اقسام قرأت

پھر قرآت کی دو قسمیں ہیں- متواتر اور شاذ

متواتر

متواتر وہ قرآت ہے جس کے نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال سمجھے-

شاذ

شاذ وہ قرآت ہے کہ جس کے نقل کرنے والے ہر زمانہ میں کثیر نہ ہوں' قرآت متواتر قرآن ہے اس کا پڑھنا مطلقاً جائز ہے نماز کے اندر بھی نماز کے باہر بھی' اس کا انکار کرنا گناہ اور کفر ہے اور قرآت شاذہ قرآن نہیں کیونکہ تمام ائمہ اصول متفق ہیں کہ قرآن کے لئے تواتر شرط ہے اور ان میں تواتر نہیں پایا جاتا اس کا حکم یہ ہے کہ ان کو قرآن سمجھ کر پڑھنا یا ایسے طرز سے پڑھنا جس طرز سے قرآن پڑھا جاتا ہے ناجائز ہے لیکن ان کو سیکھنا سکھانا' کتابوں میں لکھنا ان کی لغوی' معنوی توجیہات بیان کرنا اور کسی لغوی وجہ پر

ان سے استدلال کرنا جائز ہے- (تجوید القرآن)

حکم

قرآت کا حکم بحوالہ امداد الفتاویٰ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس کا سیکھنا سکھانا واجب علی الکفایہ ہے اگر کوئی بھی نہ سیکھے گا تو سب گنہگار ہوں گے-

ایک شبہ دربارہ ضرورت سبعہ اور اس کا ازالہ

اوپر حضرت والا کی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا کہ سبعہ قراءت واجب علی الکفایہ ہے تو اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو دوسرے فروض کفایہ کا ہے-

ایک سوال کے جواب میں حضرت والا فرماتے ہیں- اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو (یعنی تجوید سیکھ چکا ہو) تو اس کو سبعہ پڑھائی جائے 'سفہا' اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جائے الخ-

یہی حال اکثر فروض کفایہ کا ہے مثلاً تبحر فی العلوم الشرعیہ کی فرض علی الکفایہ ہے- یعنی اس کے ساتھ یہ حدیث بھی ہے واضع العلم فی غیر اھلہ کمقلد الخنازیر اللؤلؤ والجواھر اوکما قال اور مشاہدہ بھی ہے کہ بعض لوگ جو بد طینت ہیں اور وہ تحصیل علوم کر کے مقتدا بن گئے ان سے کیا کیا مفاسد پیدا ہو گئے اور ان مفاسد کا انسداد بجز اس کے کیا ہے کہ نااہلوں کو اس رتبہ پر نہ پہنچایا جاوے-

جو لوگ کہ آج کل اس فن (یعنی سبعہ قرآت) کے مخالف ہیں وہ تو

نفس فن ہی کو فضول بتلاتے ہیں ہر ایک کے لئے حتی کہ اہل فہم کے لئے بھی اور ہر شعبہ کو حتی کو تجوید کو بھی فشتان بینہما غرض مدعی منکر دو کلیہ کے ہیں اور اس جواب میں التزام کیا گیا ہے دو جزئیہ کا اور ظاہر ہے کہ جزئیہ مستلزم کلیہ کو نہیں ہوتا اور سبعہ کی فرضیت عام (یعنی واجب علی العین) کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ خود ایک قرآت سے بھی اتمام قرآن کا فرض عین نہیں اور یہ ظاہر ہے' شوال ۱۳۳۶ھ (امداد الفتاویٰ ص ۲۰۵ ج ۱)

تحقیق شبہ نقص حسنات بر بعض قرآت اور قرآت کا متواتر ہونا

شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں تو اب اگر مالک یوم الدین کی قرأت کی بجائے ملک یوم الدین کی قرأت پڑھی جائے تو کیا دس نیکیاں کم ہو جائیں گی اسی طرح ہمزہ وصل کو گرا کر پڑھنے میں کیا دس نیکیاں کم ہو جائیں گی-

حضرت حکیم الامتؒ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

قرآتیں ساتوں متواتر اور منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں منقول کے اتباع میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا- حدیث میں حرف قرآنیہ کے باب میں آیا ہے- کلھا شاف کاف

رہا شبہ نقص ثواب بنقص حرف' بناء علی الحدیث' سو نقص فی الکم سے نقص فی الکیف لازم نہیں آتا (مطلب یہ کہ کمیت حروف کی کمی کی وجہ سے یہ لازم نہیں کہ کیفیت میں بھی کمی آجائے اس لئے اگر حذف کی قرأت میں کمیت میں کمی ہو گئی تو کیفیت میں پھر بھی کمی نہیں آئے گی۔ کیا معلوم نہیں کہ ایک دونی باوجود اکنی سے ناقص فی العدد ہونے کے کیفیت اور کمیت میں برابر ہیں یعنی دونی ایک ہے اور اکنی دو ہیں تعداد میں دونی دو اکنیوں سے کم ہے مگر پھر بھی دونوں برابر ہیں جتنے پیسے دو اکنیوں کے ہیں اتنے ہی ایک دونی کے ہیں-

رہا ہمزہ وصل کا کم ہو جانا سو اول تو اس کا وہی جواب ہے جو لکھا گیا ہے ابھی- دوسرے ممکن ہے کہ وہ حکماً ملفوظ ہونے کے سبب مکتوب الاجر ہو

(۴- شوال ۱۳۳۵ھ امداد الفتاویٰ ص ج ۱)

اس جواب میں شبہ مذکورہ کے جواب کیساتھ اس کی بھی تصریح ہے کہ قرأۃ سبعہ متواتر اور منقول عن النبی علیہ السلام ہیں-

حضرت تھانویؒ کے بعض رسائل قرآت کا تعارف

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے علم تجوید کی جس طرح خدمت کی ہے اور آپ کا فیض بر صغیر سے گذر کر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ تک پہنچا ہے اسی طرح حضرتؒ نے علم قرأت کی بھی بڑی مفید اور نافع

خدمت کی ہے اور اس فن قرأت میں دو کتابیں تالیف فرمائی ہیں- ایک تنشیط الطبع فی اجراء السبع دوسری وجوہ المثانی فی توجیہات الکلمات والمعانی-

تنشیط الطبع فی اجراء السبع

اس رسالہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سبعہ قرأت کے بارے میں سادہ اور آسان عام فہم انداز میں نہایت قیمتی معلومات مہیا کی ہیں یہ رسالہ ایک خطبہ و تمہید کے بعد سات فصلوں اور ایک تتمیم پر مشتمل ہے اس کے ۸۰ صفحات ہیں تقطیع چھوٹی ہے-

پہلی فصل میں پہلے قرأت سبعہ متواترہ کے ائمہ اور ان کے چودہ راویوں کا تعارف کرایا گیا ہے اس طرح اکیس راویاں کرام یعنی سات ائمہ اور ان کے چودہ راویوں کا تذکرہ آگیا ہے- پھر اس کے بعد کے تین ائمہ قرأت اور ان کے دو دو راویوں کا ذکر کیا گیا ہے- یوں دس قراء اور ان کے دو دو راویوں کا ذکر ہو کر تیس مشہور قراء کا تذکرہ آگیا-

سبعہ کے علاوہ ان تین قرأتوں کے تواتر میں اگرچہ کسی قدر اختلاف ہے مگر محقق قول یہی ہے کہ یہ بھی متواتر ہیں اس کے تفصیل شرح سبعہ قرأت میں ملاحظہ ہو-

پھر قرأت شاذہ کے چار آئمہ اور ان کے دو دو راویوں کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے یہ وہ قراء ہیں جن کی قرات شاذ ہیں اور ان کی قرأت درجہ احاد سے

نہیں بڑھ سکیں-

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علاوہ ان قرأت عشرہ کے چار قرأت اور ہیں جو درجہ احاد سے نہیں بڑھیں اور ان کو پڑھنا جائز نہیں (ص ۲)

(فائدہ) قرأت متواترہ اور شاذہ کا حکم

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے علم قرأت یعنی اختلاف قرأت کو مجموع امت پر فرض کفایہ فرمایا ہے' اور قرأت سبعہ کے متواتر اور منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی تصریح فرمائی ہے جیسا کہ اوپر بحوالہ امداد الفتاوی گذرا ہے-

تنشیط الطبع فی اجراء السبع اس اختلاف قرأت کے اجراء کا نمونہ پیش کیا ہے اور وجوہ المثانی فی توجیہ الکلمات والمعانی میں اختلاف قرأت کی وجہ سے جو کلمات اور معانی میں اختلاف ہوتا ہے اس کی نشاندہی بھی فرمادی ہے-

پہلے گذر چکا کہ علم قرأت کی دو قسمیں ہیں متواتر اور شاذ قرأت متواترہ قرآن ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا نماز کے اندر بھی پڑھنا جائز ہے اور قرأت شاذہ کا نماز کے اندر پڑھنا جائز نہیں ہے-

قرأت عشرہ چونکہ متواترہ ہیں اس لئے ان کا نماز میں پڑھنا جائز ہے- سبعہ کے تواتر میں تو کسی کو کلام ہی نہیں بلکہ ان کے تواتر پر اجماع ہے-

ان کے علاوہ تین قرآتوں کے تواتر میں بعض نے کلام کیا ہے مگر محقق قول بھی ہے کہ وہ بھی متواتر ہیں اور ان کا نماز میں پڑھنا جائز ہے۔

کتاب النشر الکبیر میں ہے کہ سئل العلامة القاضی القضاة ابونصر عبدالوهاب رحمه الله عن قوله فی کتاب جمع الجوا مع فی الاصول' والسبع متواترة مع قوله والصحیح ان ماوراء العشرة فهو شاذ: اذا كانت العشرة فهو شاذ: اذاكانت العشرة متواترة فلم لا قلتم والعشرة متواترة بدل قولكم والسبع۔

فاجاب اماكونالم نذكرالعشر بدل السبع مع ادعائنا تواتر ها فلان السبع لم يختلف فی تواتر هاوقد ذكرنا اولا موضع الاجماع ثم عطفنا عليه موضع الخلاف علیٰ ان القول ان القرات الثلاث غير متواترة فی غاية السقوط ولا يصح القول به عمن يعتبر قوله فی الدين وهی اعنی القرأت الثلاث: قراة يعقوب وخلف وابی جعفر من القعقاع لاتخالف رسم المصحف۔ ثم قال سمعت الشيخ الامام يعنی والده المذكوريشد دالنكير علی بعض القضاة و قد بلغه عنه انه منع من القرأة بهاواستاذنه بعض اصحابنا مرة فی اقرأ السبع فقال اذنت لك ان تقرئ العشر انتهی۔

نقلته عن كتابه منع الموانع علی سوالات جمع الجوامع (۴۵-۱)

سیدی علی النوری الصفاقی اپنی کتاب غیث النفع میں فرماتے ہیں۔

فالشاذما ليس بمتواتر وكل مازاد الان علی القرات العشرة فهو غير متواتر (علی هامش ابن القاصح ۱۸)

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

القرآن الذی تجوزبه الصلوة بالاتفاق هوالمضبوط فی مصاحف الائمة التی بعث بها عثمان رضی الله تعالی عنه الی الامصارو هوالذی اجمع عليه الائمة العشرة هذا هوا المتواتر جملة وتفصيلاً فما فوق السبعة الی العشرة غير شاذوانما الشاذ ماوراء العشرة وهو الصحيح و تمام تحقيق ذلك فی فتاوی العلامة قاسم (۴۵۳-۱)

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآت عشرہ متواتر ہیں اور ان کا نماز میں پڑھنا جائز ہے اور ان کے علاوہ شاذ ہیں ان کا نماز میں پڑھنا جائز نہیں مگر تفسیر وغیرہ میں ان سے کام لیا جاسکتا ہے دوسری فصل میں متداول قرآت کی تعلیم و تدریس کے انداز اور طریقہ کار سے بحث ہے اور یہ بتایا ہے کہ چند قرآت کو دو سے چودہ تک جمع کرنا چاہیں تو اس کا کیا طریقہ ہے (ص ۳) پھر

تیسری فصل میں جمع الجمع کے طریقہ پر پڑھنے کا بیان ہے یعنی جس ترتیب سے قرأت سبعہ کو جمع کر کے پڑھا جاتا ہے اس کا طریقہ بتلایا گیا ہے پھر رسالہ کے آخر میں ایک نقشہ ایک پاؤ سپارہ میں اس کو عملی طور پر جاری کر کے دکھلایا ہے۔ اور یہی اس رسالہ کی روح اور اس کا اصل مقصود ہے۔

چوتھی فصل میں قراء کے درمیان اختلاف کی نوعیت کا بیان ہے اور قراء کے اختلاف کی کلی اور جزئی دو قسموں کو بتلایا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ اختلاف جزئی کو اختلاف فرش بھی کہتے ہیں اور اس کا انضباط کسی قاعدہ میں نہیں ہو سکتا البتہ اختلاف کلی کا انضباط قواعد کلیہ سے ممکن ہے پھر ہر قاری کے اصول کلیہ مختصراً بیان کرتے تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ قواعد اکثریہ ہیں بعض مواقع سب کے نزدیک مستثنیٰ ہیں کیونکہ مدار اس فن کا سماع پر ہے اور قواعد کی تدوین محض تقریب ضبط کے لیے ہے۔

پانچویں فصل میں ان امور کا بیان ہے جن سے دوران قرأت پرہیز لازم ہے۔ چھٹی فصل کا موضوع ہے تعوذ، بسملہ اور تکبیر' اعوذ میں صیغہ مختار یہ ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اور بسم اللہ ہر سورت کے اول میں متفق علیہ ہے بجز سورۃ براۃ کے جب کہ اس سے ابتداء کی جاوے البتہ بین السورتین اختلاف ہے۔ قالون، کسائی، عاصم مکی کے نزدیک بسم اللہ ثابت ہے اور حمزہ کے نزدیک صرف وصل اور ابن عامر، ورش اور ابو عامر کے

نزدیک وصل و سکتہ دونوں جائز ہیں، پس مبسملین کے نزدیک تین وجہ جائز ہیں۔ اول وقف آخر سورت پر بھی اور بسم اللہ پر بھی، ثانی وقف آخر سورت پر اور بسم اللہ کو دوسری سورت سے ملانا، تیسرے دونوں پر وقف نہ کرنا اور مجوزین بسملہ و ترک کے نزدیک پانچ وجہیں جائز ہیں۔ تین تو بسم اللہ کی جو اوپر مذکور ہوئیں اور چوتھی سکتہ پانچویں وصل۔

والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے ختم پر تکبیر کہنا مسنون ہے اور ائمہ سبعہ میں صرف مکی سے منقول ہے مگر ان کے ایک راوی قنبل کے نزدیک تکبیر و ترک دونوں جائز ہیں۔ (ص ۴)

ساتویں فصل میں ان آداب کو بتلایا گیا ہے جو کتاب اللہ کی تعلیم و تعلم تلاوت و قرأت اور دعائے اختتام سے تعلق رکھتے ہیں۔

رسالہ کی تتمیم بے حد مفید اور اہم ہے جسمیں اختلاف قرأت کو بصورت نقشہ پیش کیا گیا ہے یہ نقشہ سورۃ فاتحہ اور پارہ اول کے ربع اول پر مشتمل ہے اس میں ائمہ قرأت میں سے سات قاریوں اور ان کے دو دو راویوں کی قرأت کو جمع کیا گیا ہے آخر میں تقریباً چوبیس فارسی اشعار پر مشتمل ایک فارسی منظومہ بھی شامل کر دیا ہے جو قرأت کے رموز قرأت پر مشتمل ہے اور سب سے آخر میں مشہور و غیر مشہور قراۃ چودہ قاریوں اور ان کے اٹھائیس راویوں کے اسماء گرامی کا مکمل نقشہ بھی دیا گیا ہے جس سے تمام قراء ایک نظر میں سامنے آجاتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے اس رسالہ کے دیباچہ میں فرمایا ہے-

امابعد یہ احقر عرض رسا ہے کہ میں ترجمہ رسالہ منظومہ مصنفہ مولوی سعد اللہ صاحب سے فراغ ہوا تو مناسب معلوم ہوا کہ چند اوراق متعلق قرأت سبعہ کے لکھے جاویں تاکہ مبتدی کو تجوید' اختلاف روایات دونوں سے مناسبت ہو جاوے-(ص ا)

معلوم ہوا ہے کہ اس رسالہ منظومہ کا ترجمہ بھی حضرت تھانوی کی علمی خدمت تجوید کا ایک حصہ ہے مگر یہ رسالہ احقر کی نظر سے نہیں گذرا اور معلوم نہیں ہو سکا کہ کس زبان میں ہے-بظاہر اس کا ترجمہ اردو زبان میں کیا ہوگا-

عدد	ترتیب القراء	القرآت مع الضبط فوق والخالفین تحت	من اندرج
ا	قالون	الحمد للہ رب العلمین o الرحمن الرحیم بلاادغام بلاالف سوسی ۱۲ ملک یوم الدین عاصم کسائی ۱۲	ورش ومکی ودوودی وشامی و حمزہ
۲	عاصم	مالک یوم الدین	کسائی
۳	سوسی	الرحیم بلاادغام ملک یوم الدین	

عدد	ترتیب القراء	القرآت مع الضبط فوق والخالفین تحت	من اندرج
	قالون	ایاک نعبد وایاک نستعین oاھدنا الصّراط المستقیمo صّراط الذین انعمت علیہمْ غیر المغضوب علیہمْ ولاالضالین	ورش وبصری وشامی ومکی وکسائی
۳	وجہ قالون	انعمت علیہمُ غیر المغضوب علیہمُ ولا الضالین	بزی
۳	قنبل	اھدناالسّراط المستقیم o سّراط الذین انعمت علیہمُ غیر المغضوب علیہمُ ولاالضالین o	
۴	خلف	اھدناالصّراط المستقیمo صّراط الذین انعمت علیہم	
۵	خلاد	صّراط الذین انعمت علیہمْ غیر المغضوب علیہمْ ولاالضالین	

اول قالون کے لئے الرحمٰن الرحیم ملک " بلا الف پڑھیں گے ورش' مکی' دوودی' شامی' اور حمزہ مندرج ہو گئے اس کے بعد عاصم کے لئے مالک' بالف پڑھیں' کسائی مندرج ہو گئے اس کے بعد الرحیم ملک " سے بادغام اور بلاالف سوسی کے لئے لوٹائیں گے-

دوم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم' قالون صاد خالص اور ہاء کنایہ کے کسرہ اور میم کے سکون سے پڑھیں گے' ورش' بزی'

بصری، شامی، عاصم، کسائی مندرج ہو گئے اس کے بعد قنبل کے لئے سین
سے پڑھیں گے اس کے بعد حمزہ کے لئے دونوں جگہ صاد کا زاء سے اشمام
کر کے اور ہاء کنایہ کے ضمہ سے لوٹائیں گے پھر خلاد کے لئے صراط سے بصاد
خالص اعادہ کریں گے۔

لیکن نقشہ بالا میں خلاد کے لئے اھدنا الصراط المستقیم بالاشمام سے
اعادہ ہونا چاہیے ورنہ ان کی یہ وجہ باقی رہ جاتی ہے کیونکہ اس نقشہ میں اوپر
صرف خلف کے لئے اشمام لکھا ہے ان کے ساتھ خلاد کا ذکر نہیں ہوا حالانکہ
پہلے الصراط میں ان کے لئے بھی خلف کی طرح اشمام ثابت ہے۔

حضرت حکیم الامت جمع قرأت کا طریقہ تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس طریقہ اس کا یہ ہے کہ اول مثلاً قالون کی روایت پڑھی۔ اور غور
کیا کہ کون بالکل من اولہ الی اخرہ موافق ہے اور کون کون کس کس جگہ
مختلف ہے ان کو یاد رکھا، یا ابتداء تعلیم میں بہتر یہ ہے کہ لکھ لیا جو بالکل موافق
ہے وہ تو مندرج ہو گیا گویا اس کی قرأت سے بھی ساتھ ساتھ فراغت ہوئی۔
(موافقین کے لئے مکرر پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی گویا سب کی طرف سے
یہ قرأت ہو گئی)

اب مختلفین میں دیکھا کہ آخر اختلاف یعنی ختم آیت کے قریب
کس کا اختلاف ہے اس کو وہاں سے پڑھ کر پورا کرا لیا (اختلاف کی جگہ تک تو
گویا اس کی قرأت پڑھی گئی تھی اختلاف کی جگہ سے آیت تک جو اختلاف ہے

اس کو پڑھ لیا تو اس کی طرف سے بھی پوری آیت پڑھی گئی) اور اس میں بھی
دیکھ لیا کہ کوئی راوی مندرج ہوا یا نہیں، اگر کوئی مندرج ہوا ہو تو اس کی
قرأت سے بھی اپنے کو فارغ سمجھا۔

پھر دیکھا کہ اختلاف باقیہ میں آخر اختلاف کس کا ہے اس کو لیا اور
اس کا لحاظ رکھا کہ کوئی مندرج ہوا یا نہیں اسی طرح تمام اختلافات کو اس
ترتیب سے پڑھا۔ اگر ایک کلمہ میں دو شخص مختلف ہوں تو باعتبار ترتیب اسی
مذکورہ بالا کے جو مقدم ہے اس کو پہلے لیا مؤخر کو پیچھے اگر ایک شخص کی دو وجہ
ایک کلمہ میں ہوں تو حکماً وہ شخص حکم میں دو شخص کے سمجھا جائے گا اور ان دو
وجہوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جیسا دو شخصوں کے مختلف روایتوں
کے ساتھ اور ان دو وجہوں کی ترتیب بھی قراء کے نزدیک واجب استحسانی
ہے چنانچہ فصل مستقل میں اس کا بیان آتا ہے (ص ۴)

تیسری فصل جمع کے مختلف طریقے

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اصل تو یہ ہے کہ ہر قاری کے لئے
پوری آیت پڑھی جاوے مگر اس وقت رواج بنظر اختصار و تسہیل یوں ہے
کہ ایک راوی کی روایت کو پوری پڑھ کر جن جن کلمات میں اختلاف ہے
وہاں سے شروع کر کے آیت ختم کر دیتے ہیں۔ اور جس وقت طرق کا
اختلاف اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے تو جمع کلی کرتے ہیں یعنی ہر کلمہ میں

جتنی وجہیں ہوں ان کو پورا کر کے اسی طرح دوسرے کلمہ میں کرتے ہیں۔
(تنشیط ص ۳)

جمع کرنے کا طریقہ

چند قرآت کو جمع کر کے پڑھنے کے کئی طریقے ہیں۔ حضرت حکیم الامتؒ نے جس طریقے کو اس نقشہ میں اختیار فرمایا ہے اس زمانہ میں جمع کا یہی طریقہ مروج اور اسی کا معمول ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ القراء مولانا قاری محی الاسلام صاحب اپنی محققانہ کتاب شرح سبعہ قرأت میں ارقام فرماتے ہیں۔

جمع کے متعلق شیوخ سے تین مذاہب منقول ہیں۔

(۱) اول جمع بالحرف یعنی قرأت کرتے ہوئے جب قاری اس کلمہ پر پہنچے جس میں اصولی یا فرشی اختلاف ہو تو اس کلمہ کا اعادہ کر کے یکے بعد دیگرے اختلافات کو ادا کر کے پھر آگے چلے...... یہ اہل مصر کا مذہب ہے۔

(۲) دوم جمع بالوقف یعنی قاری اس وقف صحیح تک وقف کرے جس کے بعد سے ابتداء درست ہو۔ جو آئمہ اور رواۃ مندرج ہو گئے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں صاحبان اختلاف کو ابتداء سے لوٹائے اور اسی جگہ وقف کرے جہاں پہلے وقف کیا تھا۔ اسی طرح تمام اختلافات پورے کر کے آگے چلے' یہ اہل شام کا مذہب ہے۔

(۳) سوم جمع مروجہ جو ہر دو مقدم الذکر مذاہب سے مرکب اور محقق کے اختیار کردہ مذہب کی مکمل ترین صورت ہے جس کو علماء مصر و شام نے اختیار و مروج کیا ہے۔ پہلے قالون کو وقف صحیح تک پڑھتے ہیں جو قراء ان کے ساتھ مندرج ہو گئے ان کا اعادہ نہیں کرتے اور خلاف کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ محل وقف سے کون اقرب ہے چنانچہ اس جگہ سے وقف تک اس کے لے اعادہ کرتے ہیں اور پھر ان کو لوٹاتے ہیں جو ان سے اوپر ہوں حتیٰ کہ سب اختلافات پورے ہو جائیں اور اگر چند ائمہ ایک جگہ جمع ہوں تو مراتب مندرجہ شاطبیہ کے مطابق اعادہ کرتے ہیں اور اگر ایک جگہ امالہ اور فتح والے جمع ہوں تو فتح والوں کو پڑھتے ہیں اس وقت روئے زمین پر یہی طریقہ مروج ہے۔

سید (صاحب غیث النفع) کہتے ہیں!

میں نے اپنے تمام شیوخ سے اس طرح پڑھا ہے اور اسی طرح پڑھاتا ہوں ہمارے شیوخ بھی اسی طرح پڑھاتے تھے اور میرا بھی یہی معمول ہے (شرح سبعہ قرأت ص ۳۲۲)

حضرت حکیم الامتؒ نے قالون کے لئے بے صلہ کو مقدم کیا ہے اور صلہ کو مؤخر یہ طریقہ مصری قراء کا ہے کہ وہ صلہ کو مؤخر کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کے شیخ حضرت قاری عبداللہ مکی حضرت قاری سعد مصری کے شاگرد تھے شاید اسی مناسبت سے حضرت نے صلہ کو مؤخر

کیا ہے- حضرت شیخ القراء لکھتے ہیں!

تنبیہ

ہمارے یہاں قالون کا صلہ پہلے پڑھتے ہیں اور مصری بے صلہ کو مقدم کہتے ہیں (جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے کیا ہے- ش) نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے طریقہ پر قالون کی وجوبات میں عام طور سے فصل نہیں ہوتا- اور مصریوں کے طریقہ پر ابن کثیر کے سوا اور سب قراء کو اگر اوپر نہ چھوٹے ہوں صلہ سے پہلے پڑھنا پڑتا ہے لہذا قالون کی وجوبات میں فصل ہو جاتا ہے- ہمارا طریقہ طلباء کے لئے زیادہ موزوں اور سہل ہے- (شرح سبعہ ۳۲۲)

اختلافات قرأت کی نوعیت

واضح ہو کہ اس اختلاف قراآت کی نوعیت و حقیقت تضاد و تناقض کی نہیں بلکہ اس کا تعلق طرز اداء کے اختلاف سے ہے' مثلاً مد و قصر' پھر مد کی لمبائیوں میں فرق وغیرہ جنہیں اصولی اختلاف کہا جاتا ہے-

دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ میں تبدیلی ہو مگر معنی نہ بدلیں جیسے سورۃ فاتحہ میں "صراط" صاد سے اور "سراط" سین سے یہ ان لفظ کے لغات [illegible] ں ایک ہیں-

تیسری قسم تبدیلی وہ ہے جو لفظ و معنی دونوں میں ہو مگر دونوں کا مصداق و مراد ایک ہی ہو یعنی دونوں ایک ہی ذات پر صادق آتے ہوں' جیسے

اس سورۃ فاتحہ میں مالک بالالف اور ملک بلاالف دونوں اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں کہ وہ قیامت کے دن کے مالک بھی ہیں اور اس روز کے بادشاہ بھی ہیں-

کیف ننشزھا - اور ننشرھا- (سورۃ بقرہ رکوع ۳۵)

پہلی قرأت میں معنی ہیں کہ ہڈیوں کو دیکھو ہم ان کو کس طرح ایک کو دوسرے پر چڑھاتے ہیں اور راء والی قرأت پر معنی یہ ہوں گے کہ دیکھو ہم ہڈیوں میں جان ڈال کر ان کو کس طرح زندہ کرتے ہیں' دونوں معنی دونوں قرأتوں سے معلوم ہوگئے-

قولہ تعالیٰ ! وارجلکم' فیہ قرأتان الاولیٰ بنصب الام لنافع وابن عامر و حفص والکسائی والثانیۃ بالخفض للباقین-

قولہ تعالیٰ لایعذب ولا یوثق (سورۃ الفجر)

فبھما قرأتان الأولی بفتح الذال و مثلہ لکسائی والثانیۃ بکسر ھاو اضافۃ العذاب والوثاق علی الاول الی المفعول و علی الثانی الی الفاعل (وجوہ المثانی)

قولہ تعالیٰ حمالۃ الحطب فیہ قرأتان الاولیٰ بنصب التاء لعاصم والثانیۃ بالرفع للباقین والنصب علی الحال اوالذم والرفع علی انہ خبرھی ( )

ان چند مثالوں سے واضح ہے کہ اختلاف قرأت کی نوعیت اختلاف

تنوع ہے اور تغایر کی اس میں ضدیت اور منافات نہیں ہے یہ ناممکن ہے کہ ایک قرأت میں امر اور دوسری میں نہی ہو یا اور کسی طرح کا تعارض ہو فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے کلام کے ایک سے زیدہ پہلو ایسے ہوتے ہیں کہ ہر ایک میں ایک خاص خوبی ہوتی ہے۔

مثلاً مالک' الف کے ساتھ اس کے معنی مالک ہونے کے ہیں اور ملک بغیر الف کے اس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ دونوں کے معنی میں الگ الگ خاص خوبی ہے۔ مالک سے ملکیت کا ثبوت ہوتا ہے اور ملک سے بادشاہت کا اور مالک کے لئے بادشاہت اور بادشاہت کے لئے مالک ہونا لازم نہیں اور دونوں کے ماننے سے اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور بادشاہت کا ثبوت ہو رہا ہے۔

اس طرح کیف ننشرھا راء کے ساتھ اور ننشزھا زاء کے ساتھ ان میں بھی تغایر ہے تضاد نہیں ہے۔ ہڈیوں کے چڑھانے اور زندہ کرنے میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔

ارجلکم میں دو قرآتیں ہیں ایک لام کے نصب سے اور دوسری جر سے نصب کی قرآۃ سے وضو میں پاؤں کا دھونا اور جر کی قرآۃ سے پاؤں کا مسح ثابت ہو رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے بیان سے واضح ہو گیا کہ دو قرآتیں دو حالتوں پر محمول ہیں پاؤں کا دھونا تو اس پر فرض ہے جو موزے پہنے ہوئے نہ ہو اور مسح کی فرضیت اس کے لئے ہے جس نے موزے پہن

رکھے ہو۔ (علم قرأت اور قراء سبعہ ص ۴۶)

لیکن حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ!

اور ایک قرأت میں ارجلکم مجرور ہے جس سے بعض کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ پاؤں کا بھی مثل سر کے مسح ہے۔ لیکن چونکہ دو قرأتوں کا مثل دو آیتوں کے متوافق ہونا بلکہ اس سے بھی زیادہ متحد المعنی ہونا ضروری ہے اور ان میں تعارض ہونا محال ہے اس لئے لامحالہ غسل ارجل اور مسح ارجل سے ایک ہی معنی مراد ہوں گے۔

اور ابوزید' بیضاوی وغیرہ اہل لغت نے تصریح کی ہے مسح بمعنی غسل بھی آتا ہے چنانچہ متوضی کو متمسح کہتے ہیں اور مسح الارض المطر بولتے ہیں جب کہ بارش سے زمین دھل جائے۔

پھر احادیث صحیحہ غسل ارجل پر متفق ہیں اور حدیث شیخین میں ایڑیاں خشک رہ جانے پر ویل للاعقاب سے نار کی وعید فرمانا مصرح ہے جس سے عدم جواز مسح کالشمس فی النہار واضح ہے۔ پھر اہل حق کا اس پر اجماع بھی ہے اس لئے مسح ارجل کو غسل پر محمول کیا جائے گا۔ اور ایک امسحوا مقدر کر لیا جاوے گا تاکہ امسحوا ملفوظ میں جمع بین الحقیقہ والمجاز لازم نہ آوے اور اس صورت میں نکتہ لفظ مسح لانے میں یہ اشارہ ہوگا کہ پاؤں دھونے میں جیسا کہ عادت ہے اسراف پانی کا نہ کریں۔

یا جر جوار کہا جاوے اور یہ کہنا کہ عطف میں جر جوار نہیں ہوتا غیر

مسلم ہے چنانچہ نابغہ کے شعر میں موثق اس معطوف ہے اور پھر بھی مجرور ہے۔

لم یبق الاسیر غیر منقلت
وموثق فی جبال الفذ محبوب

(بیان القرآن ص ۸ ج ۳)

حضرت حکیم الامت کی اس تحقیق سے واضح ہے کہ مسح کی قرات کو غسل کی قرات پر محمول کیا جاسکتا ہے اور اس طرح مسح ارجل کا شبہ دور ہو کر دونوں قرائتیں متحد المعنی ہو جاتی ہیں غسل ارجل اور مسح ارجل دونوں کے ایک ہی معنی ہو جاتے ہیں۔

اس پر جو جمع بین الحقیقۃ والمجاز کا اشکال لازم آتا تھا اس کا جواب امسحوا مقدر مان کر دیدیا۔ اور عطف میں جر جوار کا ثبوت شعر سے پیش کر دیا گیا۔

ومن ارادالبسط فلیطلب فی احکام القرآن تحت هذه الأية تجدفیها مالا تجدفی غیرها۔

اس صورت میں یہ دو قراتوں کو ایک محمل پر جمع کرنے کی ایک مثال ہو گی اور پہلی صورت میں دو قراتوں کو دو حالتوں پر محمول کرنے کی مثال ہو گی جس طرح سورۃ بقرہ رکوع ۲۸ میں حتی یطهرن یطهرن تخفیف اور تشدید کے ساتھ دو قرائتیں دو حالتوں پر محمول ہیں۔ ولکل وجهة هوموليها۔

حضرت تھانویؒ ان دونوں قراتوں کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

قالت الحنفية ان القراتين بمنزلة الايتين فحملوا احدهما على مادون العشرة والا خرى على تمام العشرة والفاء لمجرد الارتباط من غير و جود معنى التأخرفيه وايضاً لانسلم أن المتطهر ليس الابالا غتسال فانه يمكن حمله على تيقن الانقطاع و عدم بقاء الريب فيه كما اشرف اليه في الترجمة۔ وكذ الطها رة لايدل على الاغتسال كمازعم البعض ففى روح المعانى عن تاج البيهقى طهرت خلاف طمثت۔

وعن شمس العلوم امرأة طاهرة بغير هاء انقطع دمها وعن الاساس لمراة طاهرةونساء طواهر طهرن من الحيض ۱۲

(حاشیہ بیان القرآن ص ۱۲۸ ج ۱)

"لا یعذب ولا یوثق" میں دو قرائتیں ہیں ایک میں ذال اور ثاء مثلثہ کا فتح ہے اور دوسری میں دونوں کا کسرہ ہے۔

حضرت تھانویؒ اس کی توجیہ میں فرماتے ہیں پہلی قرات پر عذاب اور وثاق کی اضافت مفعول کی طرف ہو گی اور کسرہ کی صورت میں فاعل کی طرف ہو گی۔ (وجوہ المثانی)

اسی طرح حمالۃ الحطب میں تاء کا نصب حال یاذم کی بناء پر ہے اور

اس کا رفع اس بناء پر ہے کہ وہ ھی مبتدا محذوف کی خبر ہے (وجوہ الثانی)

ولکن هذا اخرالکلام فی هذا المقام والحمدلله المفضال المنعام علیٰ اتمام المرام وصلی الله تعالیٰ علی نبیه سید الانام وعلیٰ آله العظام واصحابه الکرام افضل الصلوة وازکی التحیات والسلام الی یوم القیام۔

کتبه الاحقرالافقر السید عبدالشکور الترمذی عفی عنه ذنبه الجلی و الخفی – الخادم فی الجامعة الحقانیة فی قریة ساهیوال من مضافات سرجودها– تحریرا فی ثامن من شهر صفر المظفر ۱۴۱۴ھ